



FICTION HOUSE

حقائق حقائق ہیر


خان عبدالولی خان



حقائق حقائق ہیں

خان عبدالولی خان

حاشی و نظریاتی: فیصل قارمان

فکشن ہاؤس 

○ لاہور ○ کراچی ○ حیدرآباد

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

مصنف کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں
 کتاب کی کمپوزنگ، طبعیت، صحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی جاتی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی ہو تو
 ادارہ کرم مطلع فرمائیں۔ تاکہ اگلے ایڈیشن میں صحیح کر دی جائے۔ (ادارہ)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب :	حائق حقائق ہیں
مصنف :	خان عبدالولی خان
حواشی و نظر ثانی :	فیصل فاران
اجتہاد :	ظہور احمد خاں
پبلشرز :	فکشن ہاؤس لاہور
کمپوزنگ :	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرٹرز :	سید محمد شاہ پرٹرز، لاہور
سرورق :	ریاض ظہور
اشاعت :	2019ء
قیمت :	600/- روپے

تقسیم کار:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 68- مزنگ روڈ لاہور، فون: 042-36307550-1, 37249218-37237430

فکشن ہاؤس: 52, 53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد، فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سٹریٹ فرسٹ فلور، دکان نمبر 5 اردو بازار کراچی، فون: 021-32603056

فکشن ہاؤس

● لاہور ● کراچی ● حیدر آباد

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

انتساب

(الف)

شہید ننگ وفا قاضی عطاء اللہ جان
کی نام

جنہوں نے انگریز استعماری قوتوں میں پشتون قومی تشخص کی بحالی کے لئے
انتھک محنت کی۔ نہ صرف یہ کہ پہلی مرتبہ پشتون قوم کی تاریخ نئے نکتہ نظر سے لکھی
بلکہ صوبہ سرحد کے پہلے وزیر تعلیم کی حیثیت سے پشتو زبان کو دفتری، عدالتی اور
تعلیمی زبان بھی بنوایا جسے اپنی قوم سے محبت کی سزا بٹوارے کے بعد پابند
سلاسل کر کے یوں دی گئی کہ مر کر ہی وہ زندان لاہور سے نکلا۔
بنا کر رند خوش رے بہ خاک و خون غلطیان
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طہیت را

(مرزا مظہر جان جاناں)

(ب)

”ایک اور قابل ذکر رہنما قاضی عطاء اللہ سابقہ وزیر تعلیم ہے جو اس وقت ہری پور جیل میں ہے عبدالغفار خان کا پیروکار اور دائیں بازو ہے وزیر تعلیم کی حیثیت سے دور دراز علاقوں میں بھی انہوں نے علم کی روشنی پھیلانے کو بہت کچھ کیا پشتو زبان پر نہایت یقین رکھتا ہے اور اسے دیہی سکولوں میں ابتدائی تدریسی زبان کی حیثیت دی ہے برخ پوش تحریک کا فیضان ہے کہ پشتو زبان نہ صرف درست ہوگئی بلکہ پھیلتی چلی جا رہی ہے تحریک کی خط کتابت اور دستاویزات سب کچھ پشتو ہی میں لکھا جاتا ہے اسی کے زیر اثر افغانستان میں بھی پشتو تحریک شروع ہو چکی ہے جس کے تحت افغان افسران کو پشتو لکھنے کی پڑھنے ہدایات جاری ہو چکی ہیں اور یہ قاری کی جگہ دفتری حیثیت لے رہی ہے۔“

(بحوالہ گولڈ اینڈ گنز آن پنٹھان فرنٹیو/ خان عبدالقیوم خان)

فہرست

9

☆ مقدس حقائق

13

☆.....بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	فرقہ دارانہ سیاست اور انگریز	19	16	ہسکھستان	87
2	تقسیم کرو اور حکومت کرو	26	17	ہندو مہاسیما	89
3	صوبائی انتخابات کی تیاری	34	18	گاندھی جی کی قومی حکومت کی تجویز	92
4	وقادار حلیفوں کے لئے استفسارات	35	19	پاکستان کے مسئلے پر انجمن	94
5	مسلم لیگ برطانیہ کی کٹھ پتلی	44	20	جناب صاحب اور پاکستان کی تشریح	96
6	انگریز کی سیاسی قلابازی	50	21	گاندھی جی کا خط جناب صاحب کے نام	98
7	پاکستان کا منصوبہ	54	22	جناب صاحب کی	
8	پاکستان کی مختلف تاویلیں	59		حیثیت انگریز کی نظر میں	101
9	انگریز کا پاکستان	61	23	صوبہ سرحد اور انگریز	105
10	مسلم لیگ انگریز کی پارٹی	64	24	مولائے اور غوثانین	109
11	صوبائی وزارتیں اور جناب صاحب	67	25	سرچارچ کنڈنگھم کی ڈائریاں	113
12	کرپشن مشن	74	26	ملا، خواتین، مسلم لیگ اور وزارت ہاری	126
13	برطانوی دعویٰ کا انگریز پر اطلاق	80	27	1946ء کے انتخابات	132
14	انگریز کا دوسرا سورج	81	28	دیول کا نیا منصوبہ	

138	انگریز کو پاکستان کی ضرورت	83	15	کانگریس کے مقابلے کی تیاری
194	دولت مشترکہ اور ڈومینین سٹیش	42	141	وائسرائے کا روزنامہ
197	3 رجوں کے منصوبے کا اعلان	43	144	کیبنٹ مشن اور دوسری شملہ کانفرنس
200	ریفرنڈم	44	147	مسلم لیگ کی راہ میں بنیادی مشکل
205	گورنر جنرل کا انتخاب	45		مختلف گروپوں میں آئین ساز
210	فرقہ وارانہ نظریات کی آگ	46	147	آسلی کے ممبروں کی تعداد
214	صوبوں کی تقسیم	47		مسلم لیگ کی پاکستان کے مطالبے
218	مسلم لیگ اور ریاستیں	48	149	سے دستبرداری
	فرقہ وارانہ سیاست اور	49	151	عبوری ڈور
220	مسلم لیگ کا نظریہ		155	راست اقدام کا فیصلہ کیوں؟
229	فرقہ وارانہ سیاست اور کانگریس	50	157	عبوری حکومت
231	قومی نظریے سے مسلم لیگ کا انکار	51		لارڈ ویول کی برطرفی
240	14 مارچ	52	168	اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقرری
242	حکومت پاکستان کی ساخت	53		تقسیم کے متعلق ماؤنٹ بیٹن کے
			178	سامنے مختلف تجاویز
			187	جناب صاحب کا جواب
			189	پاکستان کے لئے راہ ہموار کرنا

مقدس حقائق

”حقائق حقائق ہیں“ رہبر تحریک خان عبدالولی خان کی مشہور زمانہ پشتو کتاب ”رشتیا رشتیاری“ کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی تحقیقی بنیاد ان مستند لیکن نسبتاً کم حساسیت کی حامل سرکاری دستاویزات پر ہے جسے برطانوی حکومت عرصہ میں سال بعد افشاء کرنا مناسب سمجھتی ہے زیادہ حساس دستاویزات البتہ ضائع کر دی جاتی ہیں۔ لیکن ان کم حساس دستاویزات کی بنیاد پر بھی متحدہ ہندوستان کی سیاست واقعات اور حالات کا موازنہ کر کے رہبر تحریک نے پس پردہ ہدایت کار کو اس خونی ڈرامے کا بنیادی ادکار متعارف کرایا جو تقسیم کے نام پر کھیلایا گیا تھا یہ جنوب ایشیائی ڈرامہ جو کروڑوں لوگوں کی آبائی سرزمینوں سے بید علی لاکھوں کے قتل عام اور تاریخ کی بدترین عصمت دری کا باعث بنا تھا لیکن اب بھی اسے ایک مقدس و متبرک نظریہ کی آڑ میں پیش کر کے ہر سال دھوم دھڑکا کیا جاتا ہے بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ پاکستان کو جناح صاحب کی کامیاب وکالت کی وجہ سے ایک قطرہ خون بہائے بغیر حاصل کیا گیا؟ جشن کی اس سارے ٹل کی سفاکی کو البتہ ترقی پسند شاعر ظہیر کشمیری نے زندگی شہید ہونے سے تعبیر کر کے اس طرح شعری محاورہ بنادیا تھا۔

سنا ہے آج کے دن زندگی شہید ہوئی
اسی خوشی میں ہر اک سمت دیپ مالا ہے

رہبر تحریک کی یہ کتاب شہید شدہ زندگی کی اس وحشت خیز داستان کا دستاویزی ثبوت ہے (زیادہ تفصیل ہے البتہ یہ کتاب ان کی پشتو کتاب ”ہاچا خان او خدائی خدمتگاری“ کی چار ضخیم جلدوں کی صورت میں ملتی ہے۔)

اس کتاب کی اشاعت کے بعد کچھ عرصہ عطا علی موزین اور درباری صحافیوں نے دھول اڑا اڑا کر حقائق پر گرد جمانے اپنی سی ضرورت کی تھی لیکن ناکام ہونے کے بعد حقائق کو سیاست کی سرپرستی میں دیگر قومی اسمبلی میں ایک مطہرہ منظرہ بل 8-123-1991 منظور کر دیا گیا جس کی رو سے ہندوستان کے بڑا راکو درست نہ سمجھنے والوں کے لیے دس سالہ قید با مشقت و جرمانہ کی سزا تجویز کی گئی ریاستی سطح پر اظہار رائے اور

آزادانہ تحقیق پر یہ ایک سنگین بلکہ بدترین حملہ ایسا ہے کہ جسے کی گونج کا علاج کانوں میں روئی ٹھونس ٹھونس کرے۔

اس سے پہلے ”مرد آہن“ خان عبدالقیوم خان نے بھی ایسی حماقت ماہی اپنی ہی کتاب ”گولڈ اینڈ گنز آن پٹھان فرنٹیئر“ پر وزیر اعلیٰ بننے کے بعد پابندی لگوا کر کی تھی جو دنیا بھر میں بطور مصنف صرف اُن کا ہی حاصل کردہ اعزاز ہے۔ لیکن باوجود اس کے ہمارا نامور اخبار دانشور ڈاکٹر ظہور احمد اعوان جیسا دل پشور یہ کالسٹ ان کو خان اعظم کا بھاری بھر کم خطاب محض پختون تعصب میں دے کر خود کو دل ہی دل میں داد دیتا ہوگا کہ لانا ہاتھ یار کیوں کیسی کہی؟ لیکن اس سے بہر حال اس عطائی دانشوریت کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے جو ہمارے شعراء ادباء کا خاصہ بن چکا ہے۔

اس طرح شنید ہے کہ مشہور زمانہ صوفی صافی لکھاری بابائے غزل جناب امیر حمزہ شنوار، جو اتفاقاً مسلم لیگی ہی تھے، بڑی حسرت سے کہا کرتے تھے کہ کاش کوئی سبط حسن کی ”ماضی کے مزار“ اور محمود احمد عباسی کی کتاب ”خلافت یزید و معاویہ“ کا جواب دے سکے۔ ان کی یہ معصومانہ حسرت حقیقت دلیل اور ثبوت سے چشم پوشی کرنے والی ہماری مملکت خداداد کی انٹیلی جنسیا کی پسماندہ فکری سطح کی بہترین مثال ہے۔

یہ انٹیلی جنسیا جس کا مثالی نمائندہ پاکستان میں درجنوں کتابیں تصنیف کرنے والا روزنامہ جنگ کا مشہور زمانہ کالم نویس ڈاکٹر صفدر محمود ہے اب اتفاق کہیے گا یہ کالسٹ صاحب بھی انتہائی مابعد الطبیعیاتی قسم کا مزاج لئے ہوئے کبھی مکافات عمل کے تحت سائیکل سوار قاتل کو اُڑن سانپ سے ڈسوا کر سکون کی سانس لیتے ہے۔ تو کبھی قبر کے اندر مردے کے دل سے روشنی کی لہریں نکال نکال کر ان کا روحانی اضطراب ختم ہوتا ہے تو کبھی ریٹائرڈ قسم کے بیوروکریٹ بابے رحمتے کے منہ سے ماضی کی نامعلوم پیش گوئیاں اچانک موجودہ حالات پر منطبق کر کے ہماری ذہنی کوفت کا باعث بنتے ہے اب مجھے کیا معلوم کہ ایسی مابعد الطبیعیاتی قسم کی طبیعت تحقیق و تنقید کو اس آتی ہے یا نہیں؟ لیکن اتنا ضرور ہے کہ عوامی اور سرکاری پذیرائی ان کو تو لازماً بعد و حساب ملے گی کیونکہ شکوہ جواب شکوہ کا بحر ظلمات اس زمانے میں بھی ناقابل تسخیر پن کا عمدہ بیانیہ سمجھا جاتا ہے ظاہر ہے ایسے خرد دشمن معاشرے میں حق، حقیقت و دلیل سچ اور ثبوت کی بات کرنا ایک پُر اذیت مشکل ہے۔

اس پُر اذیت مشکل کی سب سے افسوسناک مثال ہمارے عہد کی عبقری شخصیت ڈاکٹر مبارک علی ہے ہونا تو یہ تھا کہ ایسی شخصیت کو علمی اثاثہ گردانا جائے تاں ساری زندگی طعن و دشنام کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ کتاب ”حقائق حقائق ہیں“ بھی اس پُر اذیت مشکل کا وہی حوالہ ہے جو حقیقت پسند مورخین و محققین کو مملکت خداداد

میں درپیش ہے لیکن بقول خالد علیگ ۔

ہم صبح پر ستون کی یہ ریت پرانی ہے
ہاتھوں میں قلم رکھنا یا ہاتھ قلم رکھنا

اس کتاب کو اصل میں رہبر تحریک نے ہی لکھنا تھا کیونکہ ان کی ساری زندگی غدار اور ایجنٹ جیسے القابات سننے سننے میں گزری تھی سو تاریخ درست کرنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اصل کرداروں کی نقاب کشائی کرتے سوانہوں بھی کیا رہبر تحریک کی یہ کتاب ٹھہرے پانی میں پہلا کنکر تھی جس کے پیدا کردہ ارتعاشات اس موضوع پر کئی کتابوں کی تحقیق و تالیف کا باعث بنے نہ صرف یہ بلکہ پاکستانی جس زدہ معاشرے میں اس قسم فکری جرأت بھی اسی کتاب کی پیدا کردہ ہے موجودہ صورت میں اس کتاب میں حاشیے بڑھانے کو میں نے مناسب سمجھا تا کہ اس حاشیہ آرائی سے کچھ باتیں زیادہ واضح ہوں اور رہبر تحریک کے موقف کو مزید تقویت ملے لیکن اصل متن چھیڑنے سے گریز کیا گیا البتہ پچھلے اردو ایڈیشن میں اخلاط کی بھرمار و زبان و بیان کی بے توجہی تھی حتی الامکان اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا۔

”فلکشن ہاؤس پبلشرز“ لاہور جیسے موقر ادارے کی طرف اس کتاب کی اشاعت سے قارئین نسبتاً وسیع تر حلقہ ہندوستان کی تقسیم کے متعلق ہمارے بزرگوں کے موقف کے دستاویزی ثبوت سے بھی آگاہ ہو سکے گا۔

فیصل فاران

رے سرچ کوآرڈینیٹر، باچا خان ٹرسٹ ریسرچ سنٹر

باچا خان مرکز، بجلی روڈ، پشاور، خیبر پختونخوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں نے اپنی یہ کتاب جیل کے دوران ایک دفعہ فیلڈ مارشل ایوب خاں، دوسری بار ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں دوبار ایسے حالات میں لکھی ہے کہ مجھے قید و بند میں میرے مطلب کی کتابیں بھی میسر نہیں تھیں۔ بھٹو کے دور میں تو کافی وقت ضائع ہی ہوا۔ اگرچہ اس دوران میں اکثر تہنائی میں رہا اور لکھنے کے لئے وقت بھی کافی تھا۔ لیکن اس کی بادشاہی میں کتابیں تو کیا قلم اور کاغذ بھی میسر نہ تھا۔ جو تھوڑی بہت کتابیں کسی طرح ہاتھ لگ سکیں اس سے میں نے یہ کوشش کی کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی پیش کروں۔ قوم کی یہ کتنی بد بختی ہے کہ اس کے حکمران اپنی بات تو سناتے ہیں لیکن دوسروں کی بات سننے پر قدغن لگاتے ہیں۔ پاکستان کے حکمرانوں کا یہ ہمیشہ تہرہ رہا ہے کہ اپنے نقطہ نظر کو پیش کرنے اور اپنے سیاسی فیصلوں کے لئے جواز پیدا کرنے کے لئے تاریخی واقعات میں بھی تبدیلی کرتے رہے تاکہ قوم حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکے۔ یعنی وہ تاریخ لکھ نہیں رہے تھے بلکہ گمراہ رہے تھے۔ مجھے بالکل ایسا لگ رہا تھا اور آج بھی یہی صورتحال ہے جیسے ایک عدالت میں منصف کے سامنے مقدمہ پیش ہے۔ استغاثہ کو تو یہ جازت ہے کہ وہ ملزم پر لگائے گئے الزامات کے حق میں دلیل اور ثبوت پیش کرے لیکن ملزم کو صفائی کے لئے شہادت اور ثبوت پیش کرنے کی اجازت نہیں۔ ملزم ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے کھڑا ہوا ہے، زبان بند ہے، قلم چھینا جا چکا ہے۔ اب سمجھ سے باہر ہے کہ کون اسے عدالت اور انصاف کہے گا۔ اس لئے میری کوشش تھی کہ اگر قوم تک شائع شدہ حالات میں پہنچا نہ بھی سکوں تو یہ تاریخی حقائق لکھے ہوئے چھوڑ سکوں تاکہ تاریخ مسلمان نہ ہو سکے۔ اور اگر موجودہ نس نہ بھی جان سکے تو کم از کم ”سندہ قسوں کو تو حقائق معلوم ہو سکیں۔ میری یہ بھی کوشش تھی کہ اپنی سیاسی فکر کو واضح طور پر منظر ہر کروں اور آزادی کے اس کارواں کے ایک فرد کی حیثیت سے باچا خاں کی خدائی خدمت گار تحریک اور اس کی جدوجہد کی اصلی روح قوم کے سامنے پیش کر سکوں۔ انگریزوں کا جو طرز عمل اور پالیسیاں اس تحریک کے سلسلہ میں رہی ہیں اس کے متعلق میں نے انگریزوں کے ذمہ دار لوگوں کی کتابوں، یادداشتوں، ڈائریوں سے مدد لی ہے اور واقعات سے متعلق اپنے ذاتی علم اور سیاسی تجربات کی روشنی میں جو حقیقت ہے اسے ثابت کر دیا ہے۔ جیسے پشتو میں کہوت ہے۔ ”کول ہے جیلا ہے اور ترش ہے“ تو غفلت لوگ فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ ناریگی ہے۔

بھٹو کی قید سے رہائی کے بعد جب میں لندن گیا اور علاج سے ذرا فرصت ملی تو مجھے معلوم ہوا کہ انگریزوں کی چند بہت ہی خفیہ رازدوں کی دستاویزات اور کاغذات اٹلی یا آئس لینڈ میں رکھے ہوئے ہیں جنہیں اب پبلک کے لئے عام کر دیا گیا ہے۔ ہر شخص انہیں اب لائبریری میں پڑھ سکتا ہے اور کسی دستاویز کاغذ کی نقل بھی لینا چاہے تو لائبریری کے انچارج سرکاری طور پر دے دیتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے قانون کے مطابق جن خفیہ دستاویزات اور سرکاری کاغذات کے تیس سال پورے ہو جاتے ہیں وہ انہیں عام کر دیتے ہیں اور ہر آدمی کی ان تک رسائی ممکن ہو جاتی ہے۔

دراصل میں اس تلاش میں تھا کہ اس کتاب کے اصل مقصد کے سلسلہ میں کچھ مواد حاصل کروں۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ میں نے کم سے کم یہ ثابت کر دیا ہے کہ باجپا خان کی سیاست اور خدائی خدمتگار تحریک دو وجوہ کی بناء پر انگریز کی آنکھ کا کانٹا بنی ہوئی تھی۔ اول انگریز کی یہ کوشش تھی کہ ہندوستان میں ہر قسمت پر اپنی حکومت قائم رکھ سکے اور اس لئے وہ ان اندرونی تحریکوں کا راستہ روکے جو ہندوستان کی آزادی کے لئے چل رہی تھیں۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے دفاع کا انتظام کرے۔ یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ ملک میں آزادی کی تحریک انڈین نیشنل کانگریس چلا رہی تھی جو ہندوستان کے تمام فرقوں، مذہبی گروہوں کی نمائندگی کرتی تھی۔ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، پارسی حتیٰ کہ جس کا کچھ بھی خیال یا عقیدہ ہو اس کا نمبر بن سکتا تھا۔ اس لئے انگریز کی پالیسی کانگریس کو کمزور کرنا اور اس کے مقابلہ کے لئے دوسری تحریکوں کی مدد کرنا دراصل مضبوط بنانا تھا۔ دوسرے یہ کہ جعفر افغانی طور پر ہندوستان کا کل وقوع یہ تھا کہ اس کے تین اطراف سمندر ایک طرف عظیم نشان پہاڑوں کا سلسلہ ہے جس میں شمال مغرب میں چند درے واقع ہیں۔ ہندوستان کو بیرونی خطرہ صرف اسی جانب سے درپیش تھا اور وہ خطرہ دراصل روس سے تھا۔

صاف ظاہر ہے کہ خدائی خدمتگار انگریز کی ان دونوں پالیسیوں کے سلسلہ میں آہ کار نہیں بن سکتے تھے۔ اس لئے وہ برابر تشدد کا شکار رہے۔

میں جب اس لائبریری میں گیا تو میں نے اپنی اس کتاب کے لئے ہندوستان میں انگریزی حکومت کی خارجہ پالیسی کی دستاویزات کی تلاش شروع کی۔ کیونکہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ انگریز کی جو روس کے متعلق پالیسی میں بنیادی تبدیلی آئی، وہ کب آئی اور اس کے بنیادی اسباب کیا تھے۔ جب 1917ء میں روس میں انقلاب آیا اور ایک نظر ثانی مملکت دنیا کے نقشہ پر پہلی بار ابھری تو اس کا راستہ روکنے کے لئے انگریز نے کیا تدابیر کیں۔

انگریز کا یہ طریقہ تھا کہ حکومت ہند کا سربراہ وائسرائے ہند ہر ہفتے اپنی رپورٹ پالیسی ہفتہ وار

وزیر ہند کے ہاتھ سے لکھے ہوئے خط کے ذریعہ اسرائیل کو بھیجا کرتے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں ان خطوط کا مطالعہ کروں تو اس سے میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے روس کے سربراہ لینن کی وفات کے بعد کے ان خطوط کا مطالعہ شروع کیا تاکہ میں انگریز کی روس سے متعلق پالیسی کی تبدیلی کی تہہ تک پہنچ جاؤں۔ لیکن جب میں نے وہ خطوط پڑھے ان میں خارجہ پالیسی کے ساتھ ساتھ اندرونی حالات کے جائزے بھی تھے جو مجھے مفت میں تحفہ ملے۔ ہم نے جو کچھ اپنے زیرگوں سے سنا تھا اور وہ جو بدگمانیاں، شکوک و شبہات بھرتے تھے خصوصاً انگریز کا وہ عمل جو اس نے اپنی پالیسیوں کو آگے بڑھانے کے لئے ملک اور قوم کے ساتھ روا رکھا تھا نہ ماننے والی باتیں معلوم ہوتی تھیں۔ میں محسوس کرتا تھا کہ باچا خاں نے چونکہ اپنی تمام عمر انگریز سے مقابلہ میں گزاری ہے ہر قسم کی نکالیف اور صعوبتیں نہ صرف خود اٹھائی ہیں بلکہ ان کے غمراہ ساتھیوں کے ساتھ انگریز نے جو بدترین سلوک اور ظلم روا رکھا، اس کی وجہ سے وہ اتنے بدگمان ہو گئے ہیں کہ ہر مسئلہ میں انگریز کو گنہگار سمجھتے ہیں اور وہ جو الزامات لگاتے ہیں شاید ان میں اتنی حقیقت نہ ہو۔ اور خصوصاً کانگریس کا یہ الزام کہ انگریز نے اپنی لو آبادیاتی، سامراجی، سرمایہ دارانہ سیاست اور ہندوستان کو غلام رکھنے کے لئے ہندوستان میں اتنی فرقہ وارانہ نفرت پیدا کی کہ وہ ملک حراں کی حد تک جا پہنچی۔ انگریز ہندوستان کی دوست تقریباً سوسل تک لوٹا رہا اور اس نے بلا شرکت غیرے خوب پیٹ عمر کرکھا یا تو اس نفرت کی اس نے ہندوستان کو یہ سزا دی کہ انہیں ایک دوسرے کے خون کا پیسا بنا دیا اور ایک ایسی آگ لگائی کہ پھر خود وہ بھی اسے بجھانے کا طریقہ نہ نکال سکا۔ میں نے یہ سب کچھ سنا تھا اور کہتا تھا کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنی کمزوریاں اور کوتاہیاں نہیں دیکھ پاتا اور اکثر یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے اور لوگوں پر الزامات لگائے۔

اس میں شک نہیں کہ جو کچھ کانگریس نے کہا یا باچا خاں نے کہا تھا اس میں مجھے کافی حد تک حقیقت نظر آئی تھی لیکن یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ جو کچھ باچا خاں کہتے تھے وہ بھی اس سے متعلق کم تھا اور حقیقت اس سے بھی کچھ زیادہ بڑھ کر گھٹاؤنی ہے اور کانگریس جو الزامات انگریز پر لگا رہی تھی حقیقت میں انگریز اس سے بھی زیادہ خرابی کر گیا ہے۔ پہلے اگر اس میں شک کی گنجائش تھی بھی تو اب وہ بالکل ختم ہو گئی ہے کیونکہ انگریز کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا، اس کا اپنا دستخط شدہ، اس کے اپنے ہی گھر میں، اس کی اپنی سرکاری مابھری میں موجود ہے وہ خطوط بھی کسی غیر ذمہ دار یا کترافروں کے نہیں، بلکہ پورے ہندوستان کے سب سے بڑے حکمران تاج برطانیہ کے نمائندے اسرائیل اور حکومت برطانیہ کے وزیر ہند کے، مین ہیں۔ اب اس میں کوئی شک کرے بھی تو کیسے اور کیونکر؟

میں جب یہ دستاویزات پڑھ رہا تھا تو یقیناً جاچکے کہ بعض ایسے واقعات سامنے آئے کہ دماغ

چکرا جاتا، جنگ اتار کر رکھ دیتا، سردنوں ہاتھوں سے پکڑ لیتا، کہ یا خدایا یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں اور کیا پڑھ رہا ہوں آگے پڑھنے کی تاب نہ لاتے ہوئے کتابیں بند کر دیتا اور پھر پیالی کافی پینے کے سئے باہر نکل آتا۔ یہ چند مہینے میں ان کتابوں میں ایسا الجھا رہا کہ ذہن بالکل مائل ماننے کو تیار نہیں تھا۔ لیکن حیرت ہے انگریز پر کہ اپنی قوم کے فائدے کے سئے وہ کونسی ناجائز بات ہے جو اس نے نہیں کی۔ اس تعلیم یافتہ اور مہذب انگریز نے وہ سب کچھ کیا ہے کہ انسان ماننے کو تیار نہیں۔ لیکن فرین ہوسا انگریز پر کہ یہ سب کچھ تنہائی اور بے ہمتی سے لکھا ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ نہ اپنے ساتھ منافقت کی ہے اور نہ ہی کسی پر پردہ ڈالنا ہے۔ ہر ایک کو کھل کر میدان میں برہنہ کیا ہے۔ دوست، رستے کے ساتھی اور سازش میں شریک لوگ ایک ایک کر کے ظاہر کر دیئے ہیں اور جو بھی گندگی، در بے ایمانی اس سے کرائی ہے، سفید کاغذ پر اپنے ہی ہاتھ سے لکھ دیا ہے۔ نہ کسی کالی خاک کیا ہے اور نہ ہی کسی کو بچایا ہے، نہ یہ خیال کیا ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کو اپنے ہم وطنوں کی اس بے غیرتی اور بددیانتی کا علم ہو جائے گا تو وہ کیا کہیں گے کہ ہمارے یہ رہنما جو دل و جان سے قوم و ملک کی بھلائی کا دعویٰ کرتے تھے۔ انہوں نے انگریز کی حکومت اور اس کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے اپنی قوم اور اپنے وطن کو داؤ پر لگایا تھا اور حقیقت میں یہ لوگ قومی رہنما نہیں بلکہ سبکے ہوئے ان کے دمال قوم دشمن اور ملک کے نڈار تھے۔

اگر سچ پر چھیں تو میں نے جب 1922ء سے 1942ء تک اس بیس سالوں کا داسرائے ور دزیر ہند کے درمیان خط کتابت کا مطالعہ کیا تو میں نے یہ محسوس کیا کہ یہ کتاب لکھنے وقت میں نے کتنی ہی وقت عبت اٹھائی اور مختلف کتابوں اور داسراؤں کی ڈائریوں سے جو مواد حاصل کیا، وہ سب بے کار ثابت ہوا۔ ان خفیہ اور راز کی دستاویزات نے میرے تمام شکوک رفع کر دیئے۔ روس کے خلاف حکومت ہند کی پالیسی من و من لکھی ہوئی ہے اور کسی قسم کے شک کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ میں جو کچھ ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا، اس کا واضح اور صاف ثبوت انگریز کے اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا موجود ہے اور اس کی تو مجھے توقع بھی تھی کہ ایسا ہی واقع ہوا ہوگا۔

لیکن ان خطوط سے مجھے جو بے انتہا حیران کرنے والی شرمناک بات معلوم ہوئی۔ وہ ہندوستان کے بعض رہنماؤں کا وہ کردار ہے جو ان دستاویزات سے ظاہر ہوتا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے اس وقت کے رہنماؤں کا عمل ہے۔ جو ان انگریزوں نے بیان کیا ہے، اس عمل کو تو ایک طرف رکھیں۔ ایمانداری کی بات ہے کہ مجھے پڑھتے ہوئے شرم محسوس ہوتی تھی۔ وہ الزامات جو کانگریس کے رہنماؤں یا باج خان نے مسلمانوں کے ان لیڈروں پر لگائے تھے وہ تو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھے یہ نسبت ان حقائق کے جو انگریز نے ادھر بیان کئے اور اس صفائی کے ساتھ کھل کر بیان کئے ہیں کہ ہندو ہکا بکار رہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی کی ہوئی اس پہلی محنت پر پشیمان ہوں کہ "تاریخ" یعنی تاریکی ثابت کرنے کے لئے ایک ایک دلیل اکٹھی کی کہ کول ہے، پہلا ہے اور ترقی ہے۔ اور اس کے لئے میں نے سیکڑوں صفحے لکھ ڈے اور اتنا ڈھیر سارا مواد جانے کون کونسی کتابوں سے ڈھونڈ کر نکالا، لیکن سب محنت اکارت گئی۔ کیونکہ مالک خود کہتا ہے کہ کوشش مت کرو۔ ثبوت کی ضرورت نہیں۔ منطوق، دلیل اور سیاسی شعور کی کیا ضرورت۔ میں خود کہتا ہوں کہ "تاریکی" ہے۔ ایک ہارتو میں نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی یہ کتاب چھوڑ دوں اور صرف لہریری کی یہ خط کتابت ایک کتابچے کی شکل میں چھپ دوں تاکہ مسئلے کا دوسرا رخ بھی قوم دیکھ سکے اور پھر خود ایک صحیح فیصلہ کر سکے کہ قوم کے خیر خواہ کون تھے اور وہ کون لوگ تھے جو اپنی قوم کو انگریز کی غلامی میں مستحل رکھنا چاہتے تھے۔

بہت سوچ، بچار کے بعد میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ میری کتاب کا مقصد تو باچا خان کی سیاسی جدوجہد اور خدائی خدمتگار تحریک کا اصلی رخ قوم کے سامنے پیش کرنا ہے۔ یہ دستاویزات تو صرف باچا خان کے مخالفین پر سے پردہ اٹھانے اور خصوصیت سے ان مسلمان لیڈروں کو زندہ کرنے کے لئے ہیں جو اسلام کے سچے اور مقدس نام کو انگریز کی نوآبادیاتی، سرمراجی، سرمایہ دارانہ نظام کو مستحکم کرنے اور اپنے ملک اور قوم کو انگریز کا غلام رکھنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ اس سے باچا خان کی بے جا بدنامی دھل جائے گی اور وہ اخلاص، محبت، اخوت اور بھائی چارے کی اس اخلاقی اور روحانی تحریک کے مخالفین کے منہ پر کالک مل دے گی۔ لیکن مقصد تو کسی کو بدنام کرنا، کیچڑاچھا سنا تو نہیں، میرا مقصد تو اپنی سیاست اور جدوجہد کی اصل روح بیاں کرنا اور تصویر کا دوسرا رخ لوگوں کو دکھانا ہے اور اس غلیظ اور ناپاک سیاست کا راستہ روکنا ہے جس کے ذریعے سچے اور سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور بہتان اور الزامات کے شور و غوغا میں قوم سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً تاریخی حقائق پوشیدہ رکھے جاتے ہیں جو حقیقتاً تاریخی حقائق ہیں اور جو آج نہیں تو کل ظاہر ہوں گے اور ضرور ظاہر ہوں گے۔ خواہ ہوگ کتنی ہی کوشش کریں اور کوڑے کے ڈیر میں لعل اور راکھ میں ہیرا چھپ نہیں سکتا جیسے آج یہ سب کچھ صاف اور واضح ہو چکا ہے۔

جیسے کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ سب کچھ لکھنے کا مقصد کسی کو بے عزت کرنا قطعاً نہیں۔ ابہت اتنا ضروری ہے کہ حقیقت ظاہر ہو جائے اور حقیقت بھی وہ جو ایک تاریخی حقیقت ہو۔ اسے چھپانا ایک قومی نیناسنت ہے۔ میں نے تو اپنے دل کی بات کہہ دی ہے۔ اس میں اکثر ایسے واقعات آئے ہیں جس سے خود میرے اپنے دل کو بھیس پہنچی ہے اور آنکھیں شرم کے مارے جھک گئی ہیں۔ میں یہ محسوس کر سکتا ہوں کہ ان سب لوٹ اور مخلص کارکنوں کے دل پر کیا گزرے گی جنہوں نے اسلامی اور قومی جذبے کے تحت اپنا سیاسی

مشن ایک مذہبی فریضے کی طرح پورا کیا تھا کیونکہ انہیں ایمانداری سے مسلمانوں کا فائدہ اسی میں نظر آ رہا تھا۔ دوسری طرف اسلام کے نام پر اٹھے ہوئے لیڈر جنہوں نے اسلام کا خود ساختہ ٹھیکہ لے رکھا تھا انہیں اپنے آپ اپنے پیروکاروں اور تابعداروں کے سوا انہیں کوئی مسلمان ہی نظر نہ آتا تھا اور نہ ہی وہ کسی کو مسلمانوں کا خیر خواہ سمجھتے تھے لیکن حقیقت میں وہ ہی لوگ انگریزوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس کی سلطنت مضبوط کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ میری طرح کا آدمی اس پر بھی کوئی خاص اعتراض نہ کرتا۔ اگر کسی کو انگریز کی حکومت پسند تھی تو چاہئے تھا کھل کر ان کا ساتھ دیتے۔ مجھے تو اعتراض اس پر ہے کہ کیوں اسلام کے چچے، پاک اور مقدس نام کو ایک غاصب، جابر اور خصوصیت سے کانرا انگریز کی حمایت میں استعمال کیا۔

ضرورت ہے کہ یہ تاریخی حقائق بیان ہوں تاکہ ان حقائق کی روشنی میں کل کو مسلمان زیادہ احتیاط کریں اور اپنے مذہبی اور قومی رہنماؤں کو خوب پرکھیں کہ کہیں پھر سے وہ سادہ اور دین پرست قوم کو اب کسی اور کے سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے استعمال تو نہیں کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں سچی بات کڑوی ہوتی ہے۔ لیکن میں جو حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ یہ حقیقت کچھ زیادہ ہی تلخ ہے۔ ماننا ہوں بہت سوں کے جذبات کو نہیں پہنچے گی۔ لیکن بہت سے لوگوں کی آنکھیں بھی کھل جائیں گی۔

انگریز کہتے ہیں کہ:

It is just to put the record straight.

ترجمہ: "یہ صرف ریکارڈ کو درست رکھنے کے لئے ہے"

میں اس بات کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ ہر ایک پڑھنے والے کو یہ یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ میرا اپنا سیاسی نظریہ اور میری فکر کیا ہے۔ لیکن یہ کہوں گا کہ یہ جو کچھ میں یہاں نقل کر رہا ہوں۔ اس کی اصل رپورٹ، حکومت برطانیہ کی لائبریری میں پڑی ہوں ہے۔ جو کوئی تحقیق کرنا چاہے، ثبوت ڈھونڈنا چاہے وہاں چا کر اپنی تسلی کر سکتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ہر ایک خط کے ساتھ تاریخ اور مکمل حوالہ پیش کروں۔

Comment is free. but facts are sacred.

ترجمہ: "تبصرہ آزاد ہے مگر حقائق مقدس ہوتے ہیں۔"

(عبدولی خان، ولی باغ چارسدہ)

فرقہ وارانہ سیاست اور انگریز

اگرچہ انگریز نے حکومت مسلمانوں سے لی تھی اور مسلمان اپنے آپ کو ہندوستان کا حکمران سمجھ رہے تھے لیکن بیسویں صدی شروع ہوتے ہوتے انگریز کافی مضبوط ہو چکا تھا۔ اس نے افغانستان کو امیر عبدالرحمن کے ذریعے قابو کر لیا تھا۔ روس کا راستہ روکنے کی پیش بندی کر چکا تھا۔ آزادی کے بعد مسلمانوں کو کچل ڈالا تھا۔ سکھ بھی مار کھا چکے تھے اور اب اس کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی ایسی قوت باقی نہیں تھی حکومتی اعتبار سے ہندوستان کا نقشہ کچھ اس طرح کا تھا کہ تقریباً چھ سو ریاستیں واپسان ریاست کی بدولت انگریز کی تابعدار تھیں اور انگریز اب ہندوستان پر مکمل طور پر قابض تھا۔

انگریز نہایت ہی ہوشیار، تجربہ کار اور نئے زمانے کا ذکاوت تھا۔ اس نے اس مسئلہ پر سوچ بچار کیا کہ اس طویل و عریض ہندوستان اور اس میں رہنے والے بے شمار انسانوں پر کیونکر قابو پایا جاسکتا ہے۔ جنگیں تو اس نے بے شمار لڑیں اور ہر جا نز و نا جا تڑ پڑتے تھے اس نے ملک فتح کر لیا۔ لیکن ہر ایک آدمی کے سر پر وہ فوجی تو نہیں بٹھا سکتا تھا۔ کچھ ایسے راستے اور طریقے ضرور ڈھونڈنے تھے۔ اس نے سوچا کہ کہیں ہندوستان کے رہنے والے اس کے خلاف متحد نہ ہو جائیں اور اگر یہ متحد ہوں تو بقوں ایک ہندو سیاسی مزاحیہ نگار کہ اگر ہندوستان کے باشندوں نے مل کر پیشاب بھی کیا تو ان مٹھی بھر انگریزوں کو بہالے جائیں گے۔

انگریز نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور مسلمانوں کے سردوں پر بادشاہت کا جو بھوت سوار تھا، اسے اتار چکا تھا اور اس نے دیکھا کہ اگرچہ مسلمان صدیوں سے ہندوستان کے حکمران تھے لیکن آج بھی ہندوستان میں تعداد کے حساب سے مسلمان کم ہیں اور غیر مسلم زیادہ۔ اگرچہ انگریز پیسے غیر مسلموں کی مدد کر رہا تھا، ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ لیکن جب دوسری طرف دیکھا کہ ہندوؤں کی تعداد زیادہ اور مسلمانوں کی کم ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور مشکل درپیش تھی کہ ہندوستان کے گرد و نواح میں دنیا کے اور ممالک میں ہندو نہیں تھے مگر مسلمان تو چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ شمالی افریقہ سے لے کر قزم بلقان کی ریاستیں اور پھر اسی طرح ترکی سے لے کر افغانستان تک یہ سارا خطہ مسلمانوں کا تھا اور سب سے بڑھ کر ترکوں کی خلافت عثمانیہ ایک منظم، مضبوط حکومتی صورت میں موجود تھی۔

لیکن یہاں ہندوستان میں 1757ء میں جب جنگ پلاسی میں اس نے کامیابی حاصل کی تو بنگال یعنی مشرقی ہندوستان مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لیا۔

جنوبی ہندوستان کو جب قابو کر لیا تو 1799ء میں نیپو سلطان کو شکست دی۔ وسطی ہندوستان کو 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہڑپ کر لیا۔

شمالی ہندوستان کی کچھ قوت تھی۔ لیکن وہ بھی بارکوٹ کے معرکے میں شکست کے بعد 1831ء میں ختم ہوئی۔ قرب میں افغانستان مسلمانوں کا ایک اور مورچہ تھا جسے 1893ء کے معاہدے کے تحت قابو کر لیا تھا۔

انگریزوں نے ہندوستان کا حکمران تھا اور ہر قسم کے اندرونی یا بیرونی خدشات ختم ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ 1907ء میں روس کے ساتھ بھی ایک معاہدہ پر دستخط کر لئے کہ وہ اپنے سرحدات کے اس پار افغانستان میں مداخلت نہیں کرے گا اور وہ بالکل بے فکری سے فتح کئے ہوئے ہندوستان کو سنبھالنے کے درپے ہو گیا۔

مسلمانوں کے سروں سے بادشاہت کا سوراٹکا بننے کے لئے انہیں ایک سست دھکیل کر اپنی ترقی ہندو پر دی۔ ان پر مہربانی شروع ہو گئیں۔ دفاتر میں کارروائی کرنے کے لئے انہیں بھرتی کر لیا گیا۔ دفتری عملہ پورے کا پورا ہندوؤں کا تھا۔ تجارت میں بھی انہیں آگے بڑھایا گیا۔ ٹھیکے اور سرکاری سرپرستی سب کی سب ان کی تھی۔ ہندوؤں کے تعلیم یافتہ طبقے اور وکلاء میں اثر و رسوخ پیدا کیا گیا۔ جب ہندو آہستہ آہستہ بکجا ہونے لگے تو انگریز جان گیا کہ کہیں یہ متحد ہو کر مقابلے کے نئے کھڑے نہ ہوں۔ کیونکہ ہندوستان میں اکثریت تو غیر مسلموں کی تھی۔

دوسری طرف انگریزوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمانوں کی تمام طاقت کو وہ زیر و بر کر چکا تھا اور ان میں کوئی ایسا فرد نہیں رہا تھا (خاص کر 1857ء کے انقلاب کے بعد) کہ وہ انگریز کا مقابلہ کرنے کی جرات کر سکے اور اگر مسلمانوں میں کوئی رہبر یا بزرگ تھے بھی تو وہ اس کشمکش میں جھل تھے کہ کون انگریز کے سامنے اپنی وفاداری زیادہ احسن طریقے پر ظاہر کر سکتا ہے۔

انگریزوں نے پھر اپنا رخ مسلمانوں کی طرف پھیر لیا۔ ابتدا بنگال سے ہوئی۔ 1905ء میں صوبہ بنگال کو دو دولت کر دیا اور مسلمانوں کے اکثریتی حصے یعنی مشرقی بنگال کو الگ کر دیا اور اس طرح مسلمانوں کو رام کرنے اور انہیں خوش رکھنے کی کوشش شروع کی گئی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا انگریز کو یہ کھیل اور بھاتا گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ سرکاری عہدوں اور حکومتی صوبائیوں میں کبھی ہندو اور کبھی مسلمان پر انعام و اکرام اس کے فائدے میں ہے۔

دوسری طرف انگریز تعلیم پر زور دیتا رہا۔ وہ بھی اس لئے کہ اگر تعلیم نہ دلاتا تو سرکاری اور دفتری کام کیسے چلتے۔ لیکن ہوا یہ کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ذہنوں میں روشنی پھیلتی گئی۔ تعلیم یافتہ لوگوں کی سوچ میں تبدیلی آئی اور پھر جب اعلیٰ تعلیم کے لئے نوجوان بیرونی دنیا اور برطانیہ گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ کس طرح قوم حکومت کے ساتھ مل کر ملک کا اختیار سنبھالتی ہے تو آہستہ آہستہ یہاں بھی اچھے چلنے لگی کہ ہندوستانیوں کو بھی کچھ نہ کچھ شراکت درکار ہے۔ چونکہ ہندو تعداد میں بھی زیادہ تھے اور تعلیم میں بھی آگے۔ ان میں تا جرمی تھے اور دولت مند بھی۔ بیرونی دنیا میں تعلیم حاصل کرنے کی استطاعت بھی تھی اور ان میں وکلاء اور بیرسٹر بھی تھے۔ اس وجہ سے یہ مطالبات آہستہ آہستہ ان کی طرف سے شروع ہونے لگے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو اس وقت مسلمانوں کے رہنماؤں نے بھی 1857ء کی جنگ سے سبق حاصل کر لیا تھا اور ان کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان ہندوؤں اور دوسرے فرقوں کے ساتھ مل کر سب کے تعاون سے اپنے آپ کو انگریز کے جبر و استبداد سے بچائے۔ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد پر اس قدر زور دیا تھا کہ آج بھی دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میں ایک مسلمان رہنما کے خیالات بیان کروں گا۔ مرید احمد خان (جنہیں ہمارے بعض سیاسی لیڈر دو قومی نظریے کا بپا سمجھتے ہیں) 27 جنوری 1884ء کو اپنے گورنر اسپور کے ایک جلسے میں یوں گویا ہوئے،

We (i.e Hindus—Mohammadans) should try to be become one heart and soul, and act in union in old historical books and traditions you will have read and heard, we see it even now, that all the people inhabiting one country are designated by the term one Nation. The different tribes of Afghanistan are turned on nation and so the miscellaneous hordes peopling Iran, distinguished by the term persians, Through a bounding in rarity of thought and religions, are still known as member of one nation—Remember that the word Hindu and Mohammadan are only means for religion distinction

----- otherwise all Persons whether Hindu and mohammadan, even the Chridstians who reside in the country, are all in this particular respect belonging to one

and the same nation (p.339 A Nation is born by Syed Hussan Mehmood)

ترجمہ: ”ہمیں (ہندوؤں اور مسلمانوں) کو یک جان ہونے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس طرح اتحاد و عمل کا مظاہرہ کرنا چاہئے جب آپ نے تاریخ کی پرانی کتابوں اور روایات میں پڑھا اور سن رکھا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ایک ہی ملک میں بسنے والے تمام لوگ ایک ”قوم“ ہیں۔ انڈیا کے مختلف قبائل ایک قوم کہلاتے ہیں۔ اس طرح مختلف نسلوں کے لوگ ایران میں ”ایرانی“ کہلاتے ہیں۔ اگرچہ ان کے مختلف مذاہب اور نظریات ہیں۔ یا ر رکھئے کہ لفظ ہندو اور مسلمان صرف مذہبی تفاوت کا ذریعہ ہیں ورنہ وہ تمام لوگ چاہئے۔ ہندو، مسلمان حتیٰ کہ عیسائی جو اس ملک میں بستے ہیں، اس خاص اصطلاح میں ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔“

سر سید احمد خان کو اس سے بھی شدید پوری تسلی نہیں ہوئی۔ اسی سال 1884ء میں لاہور میں انڈین ایسوسی ایشن کے سامنے اپنی تقریر میں یہاں تک کہہ گئے

I heartily wished to serve my country and my nation faithfully,
in the word nation I include both Hindus and mohammadans,
because that is the only meaning I can attach to it----

ترجمہ: ”میں دلی طور پر اپنے ملک اور قوم کی وفاداری کے ساتھ خدمت کرنا چاہتا ہوں۔
میں لفظ قوم میں ہندو اور مسلمان دونوں کو شامل کرتا ہوں۔ کیونکہ میرے نزدیک اس کا یہی
مطلب ہے۔“

There are the different grounds upon which, I call both those
races which inhabit India by one word i.e. Hindu, meaning to
say that they are the inhabitants of Hindustan.

ترجمہ: ”یہ وہ وجوہ ہیں جن کی بنیاد پر میں ہندوستان میں رہنے والے ان دونوں نسلوں کے
لوگوں کو ایک ہی لفظ یعنی ہندو کہہ کر پکارتا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے
رہنے والے ہیں۔“

یعنی سر سید احمد خان کہتے ہیں کہ ہر کوئی جو ہندوستان میں رہتا ہے وہ کسی بھی عقیدے سے متعلق
ہو۔ لیکن جو اس سرزمین ہندوستان میں بستا ہو اسے ہندو کہا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ چونکہ انگریز ہندوؤں کا ساتھ دے رہا تھا۔ انہیں سرکاری نوکریاں اور مراعات حاصل تھیں۔ ان کی نوکریوں کی وجہ سے ان کی تعلیم کا انتظام ہو رہا تھا۔ مسلمان انگریز کے زیرِ عتاب تھے تو اس وقت مسلمان اپنے بچاؤ کا ایک ہی راستہ دیکھ رہا تھا کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے بناء پر اپنے آپ کو انگریز کے مظالم سے بچا سکے۔

انگریز کو بھی اس کا اندازہ ہو چلا تھا کہ اگر ہندو اور مسلم نے اس کے خلاف اتحاد کیا تو ان کا مقابلہ مشکل ہو گا۔ اسی وجہ سے جب وہ پہلے اصلاحات کرنے لگا تو لوکل باڈیز اور میونسپل کونسلوں میں ہندوؤں کو اختیارات دینے کے نئے فرقہ وارانہ طریقہ انتخاب اپنایا اور اصلاحات کی پہلی قسط Morlay Minto Paper (مارلے منٹو پیپر) کے نام پر 1909ء کو دی گئی۔ جس کی دوسری مسلمانوں کو اور ہندو صرف ہندو کو ووٹ دے گا اور اسی طرح انگریز نے مذہبی عقیدے کی بنا پر جمہوری اداروں کے بنیاد کی پہلی اینٹ رکھ دی۔ انگریز کی طرف سے اس نظریے پر یہ پہلا وار تھا۔ جسے سر سید احمد خان ہندوستان میں پھیلانا چاہتے تھے۔ یعنی ایک قومی نظریے کے مقابلے میں دو قومی نظریے کی بنیاد رکھ دی۔ تاکہ ہندو اور مسلمان پر یہ واضح کرے کہ اگر کمیٹیوں اور میونسپلٹی میں آنا چاہتے ہو یا اس سے بھی آگے اداروں میں آنا چاہتے ہو تو مذہبی عقیدے کی بنیاد پر اپنے لئے الگ الگ پارٹی بنانی ہوگی تاکہ قومی تصور جڑ نہ پکڑ سکے۔

انگریز اس پالیسی سے بہت خوش ہوا اور مختلف وقتوں میں مختلف مذہبی فرقوں سے یہ کھیل کھیلتا رہا۔ چنانچہ 1912ء میں بنگال کی تقسیم کو دوبارہ توڑ دیا گیا اور مشرقی اور مغربی بنگال کے صوبوں کو از سر نو یکجا کیا۔ انگریز کو معلوم ہوا کہ اگرچہ ہندوستان میں اکثریت ہندوؤں کی ہے لیکن ان کی تمام آبادی ہندوستان کے اندر ہی ہے۔ باہر کی دنیا میں کوئی ہم مذہب نہیں لیکن مسلمان تو چاروں طرف بکھرا ہوا ہے۔ افغانستان سے لے کر ترکی اور بلقان کی تمام ریاستیں نیچے شمالی افریقہ۔ یہ اتنی پھیلی ہوئی قوت اور پھر اسی قوت میں Pan Islamic (پان اسلامک) تحریک کی موجودگی۔ * وہ مسلمان کی طرف سے خوفزدہ ہوا۔ پہلی جنگ عظیم شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی سلطنت عثمانیہ کی تباہی کے پیچھے پڑے ہوئے انگریز ہندوستان کے مسلمانوں کے خیر خواہ کیسے بن سکتے تھے۔ انگریزوں نے ایک بار پھر مسلمانوں کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

اسی دوران ایک دوسری قسط اصلاحات کی Montagu-Chelmsford (منٹگو چلمسفورڈ) کے نام پر دی گئی۔ اس میں بھی فرقہ وارانہ طریق انتخاب کو برقرار رکھا گیا۔ دوسری طرف جب پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں نے ترکوں کی خلافت پر حملہ کیا۔ یہاں ہندوستان کے مسلمانوں میں بے چینی کی ایک لہر دوڑا۔ * پان اسلام ازم کی تحریک سید جمال الدین افغان نے معروف انگریز مدبر منٹو وولف کے منصوبہ کے مطابق رارویں کا راستہ روکنے کے لئے شروع کی تھی جسے سوویت انقلاب کے بعد جہاں کی شکل میں استہساں کیا گیا۔

گئی اور وہ کھل کر انگریز کی مخالفت میں کھڑے ہو گئے لیکن انگریز دوسری وجہ سے حواس باختہ ہوا۔ جب گاندھی جی ورکامگریس مولانا محمد علی اور شوکت علی کے ساتھ اس تحریک میں شامل ہوئے۔ انگریز نے اندازہ لگایا کہ اس کے دو قومی نظریے کا کھیل ایک بار پھر بگڑ گیا ہے۔

خلافت کمیٹی نے چار تجاویز مسلمانوں کے سامنے رکھ دیں۔

1۔ سرکاری القابات کی واپسی۔

2۔ مسلمانوں کے سرکاری نوکریوں سے استعفیے۔

3۔ مسلمانوں کے فوج اور پولیس سے استعفیے۔

4۔ سرکاری ٹیکس دینے سے انکار۔

انگریز نے اپنی توجہ دوسری ورتیسری تجویز پر مرکوز کی۔ کیونکہ اس طریقے سے اس کی حکومت کو نقصان پہنچ رہا تھا اور اس کی بدنامی بھی تھی۔ اس نے اس کو یہ رنگ دیا کہ یہ ہندوؤں کی ایک سازش ہے اور اس طریقے سے وہ مسلمانوں کو سرکاری اداروں سے نکالنا چاہتے ہیں اور اسی طرح انہیں تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ انگریز نے یہ کوشش کی کہ اپنے کاسہ لیسوں کے ذریعے اس قومی اتحاد کو فرقہ وارانہ رنگ دے دے۔

انگریزوں کا کھیل یہ تھا کہ اس اتحاد کو مسلمانوں کے ہاتھوں توڑا دیا جائے اور چونکہ خلافت کی تحریک خالصتاً مسلمانوں کی تحریک تھی۔ ہندو تو غیرت میں آکر تحریک میں شامل ہوئے تھے۔ تو اگر اس اتحاد کو مسلمانوں نے توڑ دیا تو ہندو یقیناً بدظن اور مایوس ہو جائیں گے۔ چنانچہ خلافت کی تحریک کے برخلاف پہلا اعلان نظام حیدر آباد نے کیا۔ اس نے 20-5-22 کو ایک فرمان جاری کیا کہ خلافت کی تحریک چونکہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے۔ اس وجہ سے اس نے اس تحریک پر پابندی لگادی۔

خلافت تحریک کے دوران گاندھی جی اور علی برادران مل کر ساتھ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی گئے۔ اس اثر کو زائل کرنے کے لئے انگریز نے ادھر توجہ دی اور علی گڑھ کو مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور ہندوؤں کے ساتھ دشمنی کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔

اسی طرح وائسرائے ہند کے ایگزیکٹو کونسل کے ایک ممبر سر محمد شفیع کے اپنے ایک یہوداشت نامے میں 21-11-22 کو تجویز پیش کی کہ ہندوستان میں متحدہ تحریک کو کمزور کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کو اس سے الگ کر دیا جائے اور ایسا تب ہو سکتا ہے کہ انگریز ترکوں سے مناسب صلح نامہ پر دستخط کرے۔ دوسری تجویز ایک تنظیم بنانے کی تھی کہ:

Anglo Mohammadan union in the intrest of the British
Empire

ترجمہ۔ ”سلطنت برطانیہ کے مفاد میں اینگلو محمدان یونین۔“

اس کے نتیجے میں لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند 22-9-21 کو وزیر ہند کو لکھتا ہے کہ:

I have just sent you a telegram, which will show you, how near

we have been to a complete break between Muslim and Hindu.

I have been giving the greatest attention to this possibility, and

I have the greatest assistance from Shafi in my council, who is

a highly respected Mohamadan.

ترجمہ۔ ”میں نے آپ کو ایک تار ارسال کیا ہے جس سے آپ پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ ہم

قریب قریب ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین مکمل تفریق ڈالنے میں کامیاب ہیں۔ میری

جملہ توجہ اس مقصد کو ممکن بنانے میں پوری طرح مرکوز ہے۔ اس سلسلہ میں مسٹر شفیع (پنجاب

کے سر محمد شفیع) کی مجھے اعانت حاصل ہے جو میری کونسل کے رکن ہیں اور مسلمان انہیں

عزت اور توقیر سے دیکھتے ہیں۔“

* شاعر مشرق سر محمد اقبال بھی شفیع لیگ کے رکن تھے اور انہی کی سفارش پر انہیں ٹاٹ ہڈ کا اعلیٰ ترین خطاب ملا تھا۔ سر محمد شفیع

لیگ کے سربراہ تھے ان کی موت کے بعد مسلم لیگ کے دونوں دھڑے اکٹھے کر دیے گئے تھے۔ ان دونوں

دھڑوں کا اختلاف اس بات پر تھا کہ جناب صاحب جداگانہ انتخاب کے حامی نہیں تھے جبکہ شاعر مشرق اور

ان کے سرپرست سر محمد شفیع کا دھڑ جداگانہ انتخاب کا حامی تھا جداگانہ انتخاب کا مطالبہ 1906ء میں ہزاری نیس

مر آغا خان نے کیا تھا اس کے بعد مختلف انگریز نواز جماعتوں جیسے، احمدی جماعت نے بھی یہ مطالبہ کیا احمدی

جماعت کے ضیہ بشیر الدین محمود نے 1927ء میں ایک کتابچہ Hindu Muslim Problem جداگانہ

انتخاب کے مسئلے پر لکھا اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ انتخاب کی حمایت کی۔ سر شفیع لیگ عموماً احمدی

جماعت کے ماتحت عمل کی پیروی کا رہی تھی یہی وجہ ہے کہ جب سائنس کمیشن کا ہائیکٹ مسلمانان ہند نے کیا تو

ضیہ بشیر الدین محمود نے مسلک قادیانی کے ترجمان رسالے الفضل میں ایک طویل مضمون ”مسلمانان ہند کے

استحسان کا وقت“ کے عنوان سے لکھا جس میں سائنس کمیشن کے ہائیکٹ کی مذمت کر کے اس سے تودون کا مشورہ

دیا گیا۔ سر شیخ محمد اقبال نے سر شفیع لیگ صوبہ پنجاب کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے اس مضمون کے نکات کی رد

سے سائنس کمیشن سے تودون کا اعلان کروایا تھا۔

تقسیم کرو اور حکومت کرو

جوں جوں وقت گزرتا گیا، انگریز مجبور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ مسلمانوں کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے لئے یہ بہت آسان تھا کہ اپنا پیچھا اس بات سے چھڑائے کہ انگریز تو اختیار چھوڑ دینے پر تیار ہے اگر ہندو اور مسلمان اپنے اختلافات ختم کر دیں۔ لیکن یہ ان دونوں کی بدبختی ہے۔ دونوں کا باہمی متنق ہونا شرط تھی۔ دوسری طرف اپنے دمالوں کے ذریعے یہ کوشش کرتا رہا کہ ان میں اتفاق اور اتحاد کی کوئی صورت نہ نکل سکے۔ تاکہ دونوں فریق انگریز کے محتاج ہوں۔ اسی کے متعلق وزیر ہند برکن ہیڈ 22-01-25 Birken head کو یوں لکھتا ہے:

The more it is made obvious that there antagonism are profound and affect immense irreconcilable section of the population, the conspicuously is the fact illustrated that we, and we alone, can play the part of the composers.

ترجمہ: "یہ حقیقت بھی روشن ہے کہ دونوں فرقوں کے درمیان مناقشت اور تفرقہ بہت گہرا ہے اور آبادی کا نمایاں حصہ اس سے متاثر ہے اور سب سے اہم حقیقت تو یہ ہے کہ اس واردات کو صرف ہم ہی انجام دے سکتے ہیں۔"

اور جب کہ مقاصد کی نشاندہی ہو گئی تو ان مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے ذریعوں اور وسیلوں کے در حقیقت مسلم ہندو منافرت اور تقسیم کو سیاسی طور پر بڑھا دینے کے لئے پہلے 1906ء میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ 1905ء میں لیبر پارٹی برسر اقتدار آگئی جو اپنے منشور کے مطابق ہندوستان میں منتخب ادارے قائم کروانا چاہتی تھی جس پر اکثر مکملی اور دیگر استعماری مدبرین کی اشیرداد سے سر آغا خان سوم ایک وفد لے کر وائس رائے سے ملے اور جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا جداگانہ انتخاب کے متعلق لارڈ مینٹن جان سورے کو خط میں لکھتا ہے کہ ہندوستان میں ہمارے اقتدار کی کارئی مختلف قومیتوں کے منفرد رجحان و عقائد اور ایک دوسرے پر بے اعتدالی ہے یہ خط ممبر ہوس کی کتاب "آغا خان" ترجمہ "حیدر اختر" میں شامل ہے۔

کے ڈھونڈنے کا کام مکمل پڑا۔ آخر بہت کوششوں، کادشوں اور سازشوں سے یہ کام مکمل ہوا۔ وائسرائے ہند ریلنگ نے وزیر ہند کو نوڈیرسٹی جیسے کہ 1-1-25 کو لکھتا ہے:

The bridge Gandhi had built to span the gulf between the Hindus and Mohammadans has not only broken down, but think it has completely disappeared.

ترجمہ:- ”مسٹر گاندھی نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان پلیج پائنے کے لئے جو پلی بنایا تھا وہ نہ صرف ٹوٹ چکا ہے بلکہ بالکل معدوم ہو گیا ہے۔“

لیکن انگریز کے لئے سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ مسلمان بکھرے ہوئے ہیں۔ کچھ ایک تنظیم میں اور کچھ کسی اور جماعت میں انگریز کی تابعداری کو سب قبول کر رہے تھے لیکن ایک دوسرے کی بالادستی قبول کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا۔ اسی خط میں وائسرائے لکھتا ہے کہ حالات سازگار ہیں اور مسلمان اب کے ڈٹ کر حکومت کا ساتھ دیے کو تیار ہیں۔ لیکن:

There is no outstanding man to compose their differences and head them.

ترجمہ:- ”اب کوئی ایسی منفرد شخصیت موجود نہیں جو ان اختلافات پر نظر رکھے اور انہیں پاٹ سکے۔“

ان دنوں مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ جو لوگ اور تحریکوں اور جماعتوں کا ساتھ دے رہے تھے ان کو تو چھوڑیں خود مسلم لیگ بھی دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک حصہ جماعت سر محمد شفیع کی در دوسری جناح صاحب کی۔ جناح صاحب سے، مگر یہ اس لئے بدظن تھے کہ وہ غلط انتخابات کے حق میں تھا اس لئے کوشش یہ شروع ہوئی کہ وہ غلط کی جگہ جداگانہ طریقہ انتخاب کو مان لے۔ اسی سلسلے میں وائسرائے ہند 20-5-29 کو لکھتا ہے:

I had a long talk to Jinnah a few days ago which made it very clear to my mind that, he and all the Bombay people, who are not disposed to love Congress are disposed to swing in our direction if we can give them help later.

ترجمہ:- ”کچھ روز ہوئے میری مسٹر جناح سے تفصیل گفتگو ہوئی جس کے بعد مجھے یقین ہے کہ وہ اور بھی بے حرام لوگ جو کانگریس کو پسند نہیں کرتے۔ اگر ہم ان کی مدد کریں تو وہ

ہماری پالیسی سے متعلق ہو سکتے ہیں۔“

تو جب وائسرائے صاحب اور جناح صاحب کی ملاقات کے بعد انگریز اس نتیجے پر پہنچا کہ جناح صاحب سرکار کی طرف سے جھک جائے گا تو اب انگریز کے لئے یہ بات آسان ہو گئی کہ وہ مسلم لیگ کی پارٹی کو متحد کرے جیسے وائسرائے نے پیش گوئی کی ہے۔ 21-3-29

The two wings of the Muslim League are to meet in Dehli at the end of the month with a reapproachment between Sir Mohammad Shafi and Jinnah—Jinnah may be expected to regain before long his former commanding influence in the muslim League.

ترجمہ۔ ”اس مہینے کے آخر میں مسلم لیگ کے دونوں گروہ محمد علی جناح اور محمد شفیع کے درمیان صلح کے لئے دہلی میں کھٹے ہو رہے ہیں اور امید ہے کہ مسٹر جناح مسلم لیگ میں پہلے جیسا موثر وقار حاصل کر لیں گے۔

اندازہ لگائیں ابھی میٹنگ نہیں ہوئی۔ وائسرائے کو معلوم ہے کہ صلح ہو جائے گی اور وہ بھی ایسے کہ سر محمد شفیع جناح صاحب کے لئے راستہ چھوڑ دیں گے۔
یہ کام تو مکمل ہو گیا۔ اب تنظیم چاہئے اور تنظیم کے علاوہ رقم کا انتظام بھی کرنا پڑے گا۔ وائسرائے 26-11-29 کو لکھتا ہے:

I hear that suggestions are being put out that Govt. should intervene in some way towards raising fund in order to organise proper Muslim representation and of course we should like them to have best advocacy they can find.

ترجمہ۔ ”مجھے سنا ہے کہ حکومت کو چاہئے کہ مسلم لیگ کی مجلس نمائندگی کو منظم کرنے کے لئے کسی نہ کسی طور پر چندہ اکٹھا کرنے کے سلسلہ میں شامل ہو اور یقیناً جو کچھ ان کے بس میں ہوگا، ہم بہتر حمایت حاصل کر سکیں گے۔“

یوں لگتا ہے کہ انگریز نے یہ بھی ذمہ داری لے رکھی تھی کہ تنظیم کے سلسلے میں تمام گروپوں کو ایک کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ چندے کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک مضبوط اور منظم پارٹی ضروری ہے۔ وائسرائے بچارہ لگا رہا ہے جیسے سرفصل حسین سے اپنی ایک ملاقات کا حال 2-2-31 کو لکھتا ہے۔

He (Afzal Husain) developed the view that the only chance of some progress was that a strong party should come into being which should devote itself to fighting Congress.

ترجمہ:- ”افضل حسین کی رائے میں کانگریس کے ساتھ لڑائی کے سلسلہ میں ایک ہی حربہ ہے کہ ایک طاقتور پارٹی کو وجود میں لایا جائے اور صرف اس سے ہی اس مقصد میں پیش رفت ہو سکتی ہے“

کانگریس کے ساتھ لڑنے اور مقابلہ کرنے کے لئے تنظیم چاہئے اور وہ تنظیم مسلمانوں کی ہو۔ انگریز استاد پیچھے بیٹھ کر ساتھیوں کو ہدایت جاری کرتا ہے۔ یوں لگتا ہے اصل میں یہ مسلم لیگ کا صدر ہے یا جیسے لارڈ ارون 9-2-31 کو اپنی پارٹی کے کارکنوں سے خطاب کر رہا ہے

told him (Sir Mohammad Shafi) that I thought they would all have to fight hard and that it was no good supposing that a few packed meetings or newspaper articles out as whole time missionaries and carry the flaming torch through out the length and breadth of India. They must be prepared to build up a great organisation which might focus all constructive efforts to fight Congress.

ترجمہ:- میں نے اس (سر محمد شفیع) سے کہا کہ میرے خیال میں سخت مقابلہ ہے بڑے بڑے جیسے یا اخباروں میں اس سلسلہ میں مضامین سے کام نہیں بنے گا بلکہ اس سلسلہ میں بھرپور کوشش کے لئے مشنری کے طور پر کام کرنا ہوگا اور روشن مشعل لے کر ہندوستان کے طول و عرض پھیل جانا ہوگا۔ انہیں ایک بہت بڑی تنظیم بنانے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ جس کا کام یہ ہو کہ کانگریس کے ساتھ مقابلہ میں تعمیری کوششیں بروئے کار لائے۔“

وہ تسرائے نے یہ ہدایات دیں اور پھر وعدے و وعید ہوئے۔

and they proposed to get to work vigorous by and comprehensive This is encouraging, and I only hope their good resolutions do not fade away.

ترجمہ:- ”اور وہ اس سلسلہ میں جدوجہد اور مکمل کوشش کرنے پر آمادہ ہیں اور یہ حوصلہ افزا

ہات ہے اور میری یہ دعا ہے کہ ان کے یہ ٹیک ارادے مائدہ پڑیں۔

کہتے ہیں کہ ہم نے پورا منصوبہ تیار کر لیا ہے۔ رقوم والیان ریاست دیں گیا مگر بڑا کھیل یہ تھا کہ یہاں ہندوستان میں مسلمانوں کو سکھا کر کے ان کو ایک تنظیم بنادیں کہ لندن میں انگریز ہائی دنیا پہ یہ الجھن ایسے ظاہر کرے کہ ہندوستانی آپس میں الجھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ پہلی گول میز کانفرنس کے دوران انگریز نے ان فرقہ دارانہ اختلافات کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس کے بعد یہ کوشش اور بھی زور و شور سے شروع کی کہ مسلمانوں کو چھٹی دے کر کانگریس کے مقابلے کے لئے کھڑا کرے۔

اور پھر جب دوسری گول میز کانفرنس لندن میں بلائی گئی تو اگرچہ گاندھی جی بھی اس کانفرنس میں شریک تھے لیکن انگریز نے اپنا کھیل جاری رکھا۔ اس کے متعلق سر سیمول ہور (وزیر ہند) 2-10-31 کو لکھتا ہے:

The delegates are much further off with each other Than they were last year, and don't believe there is the last chance of a communal settlement in the minorities committee.

ترجمہ:- ”میرے خیال میں پچھلے سال کی نسبت مختلف فرقوں کے نمائندے، ایک دوسرے سے بہت دور ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اقلیتی کمیٹی میں فرقہ دارانہ سمجھوتہ کی آخری امید بھی ختم ہوگئی ہے۔“

ایک طرف تو انگریز کانگریس کو مسلمانوں کے دریغ پریشان کروانا چاہتا تھا تو دوسری طرف اس کی یہ کوشش تھی کہ ان اچھوتوں یا ہریجنوں (Depressed Classes or Untouchables) کو ذات پات کے مسئلے پر ہندوؤں سے الگ کر دے سکیں، تو اس طرح ہندوؤں کی قوت کم ہو جائے گی۔ بہت پر امید ہوئے کہ والیان ریاست کے علاوہ ہریجنوں کا سینڈرامبیڈ کرہا تھا آگیا۔

وزیر ہند 28-12-32 کو لکھتا ہے:

Ambadker has behaved very well at the confrence and I am most anxious to strengthen his hands in very reasonable way.

ترجمہ:- ”کانفرنس میں امبیڈکر کا رویہ اطمینان بخش تھا اور میری خواہش ہے کہ مناسب طریقہ پر اس کی ہر ممکن مدد کروں۔“

لیکن یہ کھیل گاندھی جی نے خراب کر دیا۔ گاندھی جی نے ہریجنوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے اور انہیں ہندوؤں کے معاشرے میں ایک باعزت مقام دلانے کے لئے مرن بھرت رکھا (یعنی مرنے تک

روزہ) اب امبیڈکر مشکل میں پڑ گیا۔ اگر ہریجنوں کا ساتھ دیتا ہے تو گاندھی جی کے مرنے کی ذمہ داری اگلے پڑے گی اور اگر گاندھی جی کے ساتھ انہی م و تفہیم کا کوئی راستہ نکالتا ہے تو انگریزوں کی امداد سے ہاتھ دھونا پڑے گا لیکن آخر کار گاندھی جی کا روزہ رنگ لے آیا۔ پورے ہندوستان کی رائے عامہ نے امبیڈکر کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ تمام ہریجنوں کے حقوق کا تحفظ چاہتے ہو تو پھر تو تمہیں گاندھی جی کا ساتھ دینا ہو گا۔ آخر کار (Poona Pact) پونا معاہدہ کے نام پہ گاندھی جی اور ہریجنوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا اور اس پر امبیڈکر نے دستخط کر دیے۔ انگریز کا یہاں تو خالی گیا۔ تو اب تو صرف اور صرف مسلمان رہ گیا۔ لیکن مسلمانوں کے سلسلے میں انگریز کو ایک اور مشکل درپیش تھی۔ جب سے لارڈ ارون کی جگہ لارڈ ولنگٹن وائسرائے بنا تو جناح صاحب ہمیشہ کے لئے ہندوستان سے سے انگلستان چلے گئے۔ ایسا سننے میں آیا تھا کہ ان دنوں جناح صاحب اور ولنگٹن کے مابین کچھ ناچاتی پیدا ہو گئی تھی۔

(سننے میں آیا ہے کہ ولنگٹن صاحب بھی کا گورنر تھا۔ اس نے اپنے گھر میں دعوت کی تھی جس میں جناح صاحب کو اس کی اہلیہ (جو پارسی تھی) کے ساتھ مدعو کیا تھا۔ گورنر ولنگٹن کی بیوی بہت جاہل اور استعماری رکھ رکھاؤ والی و کٹورین ذہنیت کی عورت تھی۔ اس نے جب مہمانوں کو دیکھا تو جناح صاحب کی اہلیہ نے لباس ایب پہنا تھا جو لیڈی ولنگٹن کے اندازے کے مطابق بہت کم تھا اور اس موجودہ محفل کے مناسب نہ تھا۔ تو لیڈی ولنگٹن نے اپنے A.D.C. کو کہا کہ مسز جناح کو سردی لگ رہی ہے۔ ایک شال لاؤ کہ اپنے گرد لپیٹ دے یہ بات سب نے سن لی۔ جناح صاحب نے محسوس کیا کہ میری تو بہن ہوئی ہے وہ مجھے اپنی اہلیہ کے اس محفل سے چل پڑا۔ اس طرح سے ان کے اور گورنر ولنگٹن کے تعلقات خراب ہو گئے تھے) جب تو ولنگٹن گورنر تھا۔ لیکن اب کہ وہ ہندوستان کا با اختیار سکمران بن کر وائسرائے کی حیثیت سے دہلی آیا تو جناح لارڈ نے خیریت اس میں دیکھی کہ ملک چھوڑ دے۔ چنانچہ جب قیسری گول میز کانفرنس کے لئے مسلمانوں کے نام وائسرائے بھیج رہے تھے تو اس میں جناح صاحب کا نام نہیں تھا بلکہ چھ مسلمان نمائندے یہ تھے۔ ہڑ پائی نس سر آغا خان، آئزہل سر چودھری ظفر اللہ، ڈاکٹر شعلات احمد خان، سر عبدالرحیم، سر محمد یعقوب اور سر محمد اقبال۔

چودھری ظفر اللہ خان سے البتہ جناح صاحب کو خاص رغبت تھی یہی وجہ ہے کہ ان کی 27 مارچ 1939ء کو سبلی میں تقریر کا حوالہ معروف دانشور عاشق حسین بخاری نے دیا ہے جو کچھ اس طرح ہے کہ میں آئزہل سر محمد ظفر اللہ خان کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ مسلمان ہیں اور گویا میں ان کی تعریف کر کے اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں جب کہ اس کے برعکس سر شیخ محمد اقبال جو کہ خود اس رائے کو نسل کے لئے امیدوار تھے چودھری ظفر اللہ کی تعیناتی کے بعد مسلک قادیان کے خلاف سخت موقف اختیار کر گئے۔ اور نہ ہی بنیاد پر اس مسلک کی تردید کرنے لگ گئے۔

لیکن انگریز مطمئن تھا۔ اس نے اپنی جانب سے فرقہ وارانہ اتفاق کے لئے اتنی کوشش کی تھی کہ اس نے وائسرائے ہند کو 31-10-32 کو کچھ یوں تسلی دی۔

The Hindus Sikh and Muslims are to meet on Nov.3 at Allahabad to endeavour to arrive at an agreement which will do away the communal award. I am assured by those who know that no agreement will ever be reached

ترجمہ۔ "3 نومبر کو لاہ آباد میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کا ایک اجلاس ہونا قرار پایا ہے جس میں فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کی جائے گی کہ کمیونل ایوارڈ پر فاتحہ پڑھ دی جائے لیکن مجھے ان لوگوں نے جو حالات سے باخبر ہیں یقین دہایا ہے کہ ایسا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا۔"

انگریز اپنی اس پالیسی سے بالکل مطمئن تھا اور اسے یہ کھس یقین تھا کہ نئے اصلاحات کی روشنی میں اگر اب ہندوستان میں دونوں فرقوں کے درمیان اتحاد اور اتفاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور انگریز مطمئن تھا۔ اس نے خود دیکھا کہ تیسری گول میز کانفرنس میں اختلافات، دوسری کانفرنس کے مقابلہ میں زیادہ تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ انگریز اس کھیل پر بہت خوش تھا۔ یہاں سے مختلف فرقوں کے رہنماؤں کو لندن لے جاتا ہے، وہاں بیوروں کی طرح لڑواتا ہے اور جب فہام و تفہیم کا کوئی راستہ نہیں نکل پاتا تو، انگریز دنیا کو یہ دکھاتا ہے کہ ہم کیا کریں۔ ہم تو جتنی محنت کریں خرچ کریں لیکن یہ ہندوستانی آپس میں الجھے ہوئے ہیں۔ ہمارے لئے رستہ ہی کونسا رہ جاتا ہے۔

انگریز یہ صاف دیکھ رہا تھا کہ جب فرقہ وارانہ طریقے سے انتخاب ہوگا تو لازمی بات ہے کہ اس میں سے جذبات ابھریں گے اور مسلمانوں میں وہ پارٹیاں مضبوط ہوں گی جو مذہب کے نام پر ووٹ مانگیں گی۔ اس میں دو فائدے نظر آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کانگریس کے مقابلے کے لئے مذہبی عقیدے پر منتخب ہونے والے مسلمان ممبران کھڑے ہوں گے، اور دوسرے یہ کہ قوم پرست مسلمانوں کے مقابلے کے لئے اسلام کا نام استعمال ہوگا۔ اس طرح سے قوم پرست لوگوں کی بجائے فرقہ وارانہ نمائندگی تسلیم کر لی جائے اور آئندہ کے لئے اتحاد کے لئے کبھی بھی کانگریس کا ساتھ نہیں دے گی۔

اب بھی اگرچہ وزیر ہند بار بار خطوط لکھتا ہے کہ وائسرائے ولکنڈن کو اس بات سے منع کیا جائے کہ انتخابات کرے۔ لیکن ولکنڈن اس بات پر مصر ہے کہ کانگریس بالکل کمزور ہو چکی ہے۔ کیونکہ ان کی سول تا فرمانی کی تحریک ناکام ہو چکی ہے۔ وائسرائے نے یہاں تک کہا کہ گاندھی ختم ہو چکا ہے۔ اس کے اپنے اسروں کی ڈائریوں اور رپورٹوں سے اسے یہ یقین ہو چلا تھا کہ الیکشن کے نتیجے میں فرقہ وارانہ جذبات

اس قدر گرم ہوں گے اور فرقوں کے مابین نفرت اور فحارت اس قدر بڑھ جائے گی کہ اس میں کانگریس کے انکیشن جیتنے کی مطلق گنجائش نہیں ہوگی۔ البتہ یہ بات معلوم ہے کہ کانگریس کے مقابلے میں کوئی مضبوط اور طاقتور جماعت نہیں۔ جیسے 9-9-34 کو لکھتا ہے۔

But alas! Our backers are a flabby crowd without any courage while the Congress, however stupid their actions, are not afraid of fighting.

ترجمہ۔ ”افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے حمایتی جن میں حوصلہ اور جرات کا فقدان ہے ایک جھوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گو کانگریس اپنے عمل میں احمق ہے لیکن وہ لڑائی سے نہیں ڈرتی۔“

خیر اس کی کوپورا کرتے کے لئے بھی واسرائل نے انتظام کر لیا۔ اگر کانگریس کے مقابلہ کے لئے سیاسی پارٹی نہیں تھی تو سرکار کے پسندیدہ لوگ تو تھے ہی۔ جیسے کہ 24-9-34 کو لکھتا ہے:

I have written to Governors asking him to give a hint to the ministers to help pro Govt. candidates and also asking them, if opportunity offers, to see that good candidates are selected—we have to sit quite still up here and say nothing except in private—on publicity we are doing the best we can—

ترجمہ۔ ”میں نے گورنروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ وزراء کو کہیں کہ وہ سرکار کے حمایتی امیدواروں کی مدد کریں اور یہ بھی کہا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے بہتر امیدواروں کا انتخاب کیا جائے۔ ہمیں اس سلسلہ میں بظاہر خاموش رہنا چاہئے اور اگر کچھ کہنا ہو تو نجی طور پر کہا جائے۔ جہاں تک تشہیر کا تعلق ہے جو بھی ممکن کوشش ہے کی جا رہی ہے۔“

صوبائی انتخاب کی تیاری

لارڈ ولنگٹن کے وائسرائے دور کا خاتمہ 1936ء میں ہوا۔ اس کی جگہ نیا وائسرائے لارڈ لینتھگو (Linlithgow) آیا۔ وہاں لندن میں وزیر ہند Sir Samaul Hours (سر سیمول ہورس) کی جگہ لارڈ زیمبلینڈ وزیر ہند مقرر ہوئے۔ ان دونوں نے مل کر بلکہ خصوصیت سے لارڈ لینتھگو نے مختلف فرقوں یعنی ہندو اور مسلمان کے تعلق کے اس مسئلے کو اس صفائی اور ہر مندی سے فروغ دیا کہ ان کے متحد ہونے کی قطعی گنجائش باقی نہ رہی۔ اس کو بھی پہلے وائسرائے لارڈ اردن کی طرح یہ تسلی تھی کہ یہاں جب انتخابات ہوں گے اور جداگانہ طریقہ انتخاب استعمال ہوگا۔ (یعنی ہندو ہندو کو اور مسلمان مسلمان کو ووٹ دے گا) تو ان انتخابات کے نتیجے میں فرقہ وارانہ جذبات ابھر سکیں گے۔ مختلف فرقوں کے امیدوار مختلف مذہبی جذبات اور خواہشات کی بنا پر ووٹ مانگیں گے اور نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ اسمبلی میں قومی یا ہندوستانی ذہن کے ممبر نہیں ہوں گے بلکہ ہندو اور مسلم مذہبی عقیدے کی بناء پر ہر مسئلے کا حل ڈھونڈ لیں گے اور اپنے سیاسی مستقبل کے لئے ہمیشہ اس بات پر نظر ہوگی کہ اس کے ووٹر اس سے ناراض یا ایسے نہ ہوں۔ اسی طرح سے سیاست پر قومی مفادات کی جگہ فرقہ وارانہ مفادات کا غلبہ اور قبضہ ہوگا۔

وفادار حلیفوں کے لئے استفسارات

Questions for Loyal Allies

کانگریس کی کسی کمزوری پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے وائسرائے لکھتا ہے کہ ایک وقت میں کانگریس میں باہمی اختلافات ابھر رہے تھے۔ گاندھی جی نے اسی خاطر کانگریس کا اجلاس اسی دسمبر میں بلایا ہے۔ اگرچہ معیار آئندہ سال اپریل تک ہے تاکہ نئے صدر کا انتخاب ہو۔ وائسرائے لکھتا ہے کہ صدارت پر بھی اختلافات ہیں۔ کیونکہ گاندھی جی کی خواہش ہے کہ راج گوپال اچاریہ صدر اور جواہر لال کی کوشش ہے کہ وہ اپنے بعد بادشاہ خان عبدالغفار خان کو صدر بنائے۔

لیکن جب انگریز نے صوبہ کی انتخابات کرائے تو ہندوستان کے صوبوں میں سے 8 صوبوں میں کانگریس کی اکثریت جیت گئی۔ اب تو انگریز کو اور مصیبت گلے پڑی۔ اب تو ہندوستانی قوم نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور اس بات کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی کہ کل کو 1935ء ایکٹ کے تحت دوسرا مرحلہ مرکزی اسمبلی کے انتخابات کا آئے گا تو مرکز میں بھی اختیارات کانگریس پارٹی کے ہوں گے۔

اب انگریز اس بات پر مجبور تھا کہ انتخابات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات کا از سر نو جائزہ لے اور کانگریس کے مقابلہ کے لئے اور قوتیں مجتمع کرے۔ انگریز نے جب چاروں طرف دیکھا۔ اس کی نظروں میں چار ایسی قوتیں تھیں جس سے کانگریس کا مقابلہ کیا جاسکے۔ سب سے بڑی اور وفادار قوت ہندوستان کے چھ سو سے زائد ریاستوں کے واسیان کی تھی۔ جن کے ہاں نہ انتخابات ہونے تھے اور نہ ہی قومی اور جمہور حکومتوں کے قیام کا امکان۔ دوسری قوت جو کانگریس کو نقصان پہنچا سکتی تھی وہ اچھوت (Scheduled Casts) کی تھی کہ انگریز یہ نعرہ دے کہ کانگریس تو برہمنوں اور خاندانی ہندوؤں کی تنظیم ہے اور یہ کہ ہریجن ایک الگ قوم ہے اور چرچل کے کہنے کے مطابق تقریباً ان کی آبادی 4 کروڑ ہے۔ تیسری قوت مسلمانوں کی ہے جو دس کروڑ کے قریب ہے۔

والین ریاست کے مقابلے کے لئے جواہر لال نے ایک تنظیم بنائی۔ جسے States Peoples Congress (اسٹیٹ پیپلز کانگریس) کہا کرتے تھے۔ والیان ریاست نے دیکھا کہ ملک کا کلی، لک

انگریز کانگریس کا مقابلہ نہ کر سکا تو ہم (بچارے) کیا کر سکیں گے۔ دوسرے یہ کہ انگریز ان کی قوت بھی ختم کر چکا تھا۔ اب ان میں کوئی ایسا فرد نہ تھا جس میں ذرا سی بھی خودداری یا عزت نفس ہو۔ انگریز نے بہت کوشش کی لیکن بات نہ بن سکی۔ آخر وزیر ہند ایرے اتھالیوس اور بدھن ہوا کہ ان نوابوں، راجاؤں اور شیخادوں کے متعلق یہ لکھے پر مجبور ہو گیا۔

It has been real mistake of ours in the past not to encourage
Indian princes to marry english wives for a succession of
generations and so breed a more virile type of a native
Ruler.(Document 1.10.43)

ترجمہ:- ”یہ ہماری سنگین غلطی رہی ہے کہ ہندوستانی شیخادوں کی انگریز عورتوں سے شادی
رچانے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی تاکہ ان کی نسل میں ایسی اولاد ہوئی جو ملکوں
مراجح قسم کے مقامی حکمران ہوتے۔“

مطلب یہ ہوا کہ ایرے کے مطابق تو ان کی یہ نسل ختم کر دینے کے قابل ہے۔ ان میں تو سرے
سے مردانگی نہیں اور علاج یہ دکھایا ہے کہ چاہئے تھا کہ ہم شروع سے یہ کوشش کرتے کہ والیان ریاست انگریز
عورتوں سے شادیاں کرتے تاکہ قانونیہ اوداد پیدا ہوتی۔ آج ہمارے کام آتی۔

ہریجنوں کا مسئلہ تو گاندھی جی نے حل کر دیا۔ اس نے ان کی حیثیت اور مساوی حقوق حاصل
کرنے کے لئے برت رکھا اور برت بھی تادم مرگ۔ ہریجنوں کا لیڈر امبیڈکر تو انگریزوں کے ہاتھوں میں
کھیل رہا تھا۔ انگریز بالکل مطمئن تھا۔ مگر گاندھی جی نے یہ مسئلہ پیدا کر دیا کہ ہندوؤں نے امبیڈکر کو کہا کہ اگر
حقیقتاً برہمنوں کا حق مانگتے ہو تو پھر تو چاہئے کہ گاندھی جی کے ساتھ مل کر کمر کس لو۔ کیونکہ تم دونوں کا مقصد
ایک ہے۔ امبیڈکر مجبور تھا۔ گاندھی جی نے اور کوئی راستہ چھوڑا ہی نہیں تھا۔ آخر گاندھی جی نے اس دن برت
توڑا جب امبیڈکر نے پونا پیکٹ پر گاندھی جی کے ساتھ دستخط کر دیئے اور اسی طرح انگریز کی یہ دوسری قوت
بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

ب تو صرف اور صرف مسمن ہی رہ گئے تھے کہ ان میں کام کیا جائے ورنہ انیس کانگریس کے
مقابلہ کے لئے تیار کیا جائے۔ مارڈ ولنگڈن کے جانے کے بعد جناح صاحب واپس آ گئے۔ وائسرائے ہند
نے ملاقات کے لئے بلایا۔ اس ملاقات کے متعلق اس نے جو خط وزیر ہند کو 37-9-37 میں لکھا اس میں یہ
بات لکھی۔

He took very strongly the view that we did not pay sufficient

attention to the Muslims, that there was the real risk of the Muslim being driven into the arms of the Congress.

ترجمہ - ”اس نے یہ موقف بہت شدت کے ساتھ اپنایا ہے کہ ہم نے مسلمانوں کی جانب پوری توجہ مبذول نہیں کی اور اس خطرہ کو نہیں بھانپا کہ اصل خطرہ تو یہ ہے کہ مسلمان کہیں کانگریس کی گود میں نہ چلے جائیں۔“

اور اس کی دلیل میں آگے جا کر لکھتا ہے کہ جناح صاحب گاندھی جی سے میری ملاقات پر شاکی

تھے:

He (Jinnah Shaib) suggested that the interview (with Gandhi) was largely responsible for the lifting of frontier province and the fall of Abdul Qayum's ministry.

ترجمہ - ”جناح صاحب کے بقول مسٹر گاندھی سے ملاقات کا بہت حد تک موضوع خان عبدالغفور خان سے پابندی اٹھانے اور ان کی سرحد میں واپسی اور صاحبزادہ عبدالقیوم کی وزارت کو گرا ہوا تھا۔“

مزے کی بات تو یہ تھی کہ سر صاحبزادہ عبدالقیوم تو مسلم لیگ کا ممبر بھی نہیں تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تب تک صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم ہی نہیں تھی۔ اس لئے سبلی میں مسلم لیگ کا ایک ممبر بھی نہیں تھا۔ لیکن چونکہ صاحبزادہ صاحب سرکار کا آدمی تھا اس لئے جناح صاحب کو ان کی وزارت کے ختم ہو جانے کا دکھ تھا۔ دوسری طرف بھی ذرا توجہ دیں۔ صاحبزادہ صاحب کی وزارت عدم اعتماد کے ووٹ کے ذریعے ختم ہوئی تھی۔ یوں لگتا ہے جیسے جناح صاحب نے جمہوری اداروں کو بھی کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔

بات چیت جیسے جاری ہے۔ اگلی ملاقات میں بات ذرا اس سے بھی زیادہ واضح ہو گئی۔ دائرے 19-8-38 کو لکھتا ہے۔

He (Jinnah) ended up with the suggestion that we should keep the centre as it is now that we should make friends with Muslims by protect- that, the, Muslim would protect us at the Centre.

ترجمہ - ”جناح صاحب نے اس تجویز پر اپنی بات مکمل کی کہ جیسا مرکز اب ہے وہ ایسا ہی رہنا چاہئے۔ بہر حال کانگریس کے صوبوں میں مسلمانوں کا تحفظ کر کے ہم مسلمانوں

سے مفاد امت اور دوستی کی راہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر ہم نے اس پر عمل کیا تو مسلمان ہماری مرکز میں مدد کریں گے۔

لگتا ہے یوں سودا بازی ہو جائے گی۔ انگریز کو معلوم ہے کہ اگر وہ مرکز میں انتخابات منعقد کرے تو یہاں وہی میں بھی اختیارات پر کانگریس کا قبضہ ہو گا۔ اس لئے اس کی یہ کوشش تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو وہ 1935ء کے ایکٹ کے تحت مرکز میں انتخابات سے بچھا چھڑالے تو جناح صاحب اس پر سودا کرنے پر تیار تھے۔ واضح الفاظ میں جناح صاحب کا مطلب یہ ہے کہ اختیارات انگریز کے پاس رہیں۔ ہندوستان کو نہ سوئے جائیں۔

والیان ریاست کے مسئلے پر بھی ایسا لگتا ہے کہ مسلم لیگ اور انگریس کی پالیسی ایک تھی۔ جیسے وائسرائے 1-39-29 کو لکھتا ہے:

"I gathered further that a resolution was actually passed at Patna to the effect the all India Muslim League would no longer be able to stand aside if Congress intervention in the affairs of the states continued.

ترجمہ۔ "پٹنہ میں دراصل ایک ریزولوشن پاس کیا گیا کہ اگر کانگریس نے ریاستوں میں مداخلت کی پالیسی جاری رکھی تو مسلم لیگ تماشائی کی حیثیت سے چپ نہیں رہے گی۔"

مطلب یہ ہوا کہ جناح صاحب ریاستوں میں اپنے والوں کے حقوق کے بھی خلاف تھے اور عجب بات یہ تھی کہ ان تقریباً چھ سو ریاستوں میں سے مشکل سے 10 ریاستیں مسلمانوں کی ہوں گی اور سب سے عجب بات یہ تھی کہ کشمیر کے مسلمان اپنے ہندو مہاراجہ کے خلاف اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے اٹھ کھڑے تھے۔ مسلم لیگ نے ان کو بھی بھڑکایا تھا اور آج ہندو والیان ریاست کے حق کے لئے کانگریس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

وائسرائے جناح صاحب سے ایک اور ملاقات کے متعلق 28-3-39 کو لکھتا ہے:

But he (Jinnah) is satisfied now, he thought that the present system would not work, and that a mistake, had been committed in going so far.

* ڈاکٹر عائشہ جلال The Sole Spokesman میں لکھتی ہے کہ اگست 1938ء میں جناح صاحب نے قائم مقام وائس رائے لارڈ براہورن سے یہ سودا بازی کی تھی کہ انگریز کانگریس حکومت والے صوبوں میں مسلمانوں کا ساتھ دے جو سب میں مسلم لیگ مرکز میں انگریز استعمار کا ساتھ دے گی (صفحہ 45) حالانکہ مسلم لیگ شروع ہی سے انگریز کی ایماء پر چل رہی تھی مگر جناح اس ایماء کو سودا بازی تک لے آیا۔

ترجمہ: "مسٹر جناح اب مطمئن ہیں کیونکہ ان کے خیال میں موجودہ نظام چل نہیں سکے گا اور اس مقام تک پہنچنے کیلئے فطرتاً ہی ہے۔"

مطلب یہ ہوا کہ وہ صوبوں کے حقوق دینے پر ناراض تھے۔ ایسی جناح صاحب اس بات پر سختی سے مصرع تھے کہ ہندوستان کو قطعی اصلاحات نہیں دینا چاہئے اور جو لوگ یہ مطالبہ کر رہے تھے وہ حالات سے بے خبر تھے۔ یہاں جمہوریت نہیں چل سکتی بلکہ غلطی ہو گئی کہ صوبوں میں بھی انتخابات کرائے ہیں اور اختیارات قوم کے منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیئے ہیں۔ وہ کہاوت ہے، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ انگریز تو خدا سے یہی چاہتا تھا کہ کوئی ایسی پارٹی پیدا ہو جو انگریز سے بھی بڑھ کر جمہوریت کی دشمن ہو اور جو بھی پالیسی انگریز کے فائدے میں ہو اس سے اتفاق کرے۔ بلکہ انگریز کے ساتھ مل کر اس کے مخالفین سے بھی لڑنے کو تیار ہو۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس وقت انگریز دنیا کے کونے کونے تک پہنچ چکا تھا۔ اور بہت فخر سے یہ بات کہتا تھا کہ انگریز کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا اور یہ بھی حقیقت۔ وہ پوری دنیا پر قابض تھا۔ کروڑوں انسان اس کے غلام تھے۔ ان ممالک کی دولت ان کے بچوں کی خوراک تھی۔ اس کے جوان اس کی فوجیں تھیں اس وجہ سے جیسے اس کی سلطنت بین الاقوامی تھی۔ اسی طرح اس کی پالیسی بین الاقوامی حالات کے تابع تھی۔ ہندوستان میں انتخابات کے بعد صوبوں میں کانگریس کی وزارتوں سے انگریز بہت دل برداشتہ اور پریشان تھا لیکن اور تو چھوڑیں۔ اس کے اپنے پڑوس میں یورپ پر ہلر قابض ہوتا چلا گیا۔ چھوٹے چھوٹے ممالک کو ہڑپ کرنا چلا گیا۔ اٹلی میں میسولینی بھی اس کے ساتھ ڈٹ کر کھڑا ہوا تھا۔ ادھر ادھر سے ہاتھ بڑھ رہی مار رہا تھا۔ انگریز نے اپنا تمام دار و سکہ ختم کر ڈالا لیکن وہ پشتونوں کی بات کہ جب زور آزمائی تک لوبت آ جاتی ہے تو پھر چالاک کام نہیں دے پاتی۔ آخر کار انگریز مجبور ہوا اور 3 ستمبر 1939ء کو جرمنی کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا۔ اب تو اس کے اپنے گھر کو آگ لگ گئی۔ کیونکہ جرمنی کا سامنا کون کر سکتا تھا۔ انگریز کی خوش بختی یہ ہے کہ اس کے اور جرمنی کے درمیان رد و بار انگلستان تھا۔ ورنہ اس کی بھی خیر نہیں تھی۔

حکومت برطانیہ نے جب جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کیا تو ہندوستان کی طرف سے بھی اعلان جنگ کر دیا۔ کانگریس نے اس پر اعتراض کیا کہ ہندوستان سے پوچھے بغیر وہ اس کی طرف سے اعلان جنگ کیسے کر سکتا ہے۔ کیونکہ اب تو کانگریس یہ دعویٰ کر سکتی تھی کہ گزشتہ انتخابات کی روشنی میں کانگریس حقیقت میں ہندوستانی قوم کی نمائندگی کرتی ہے۔ انگریز پہلے تو بہت حیران ہوا اور پھر پوچھا کہ ایک فسطائی (Fascist) قوت ابھری ہے ممالک کی آزادی کو سب کر رہی ہے، انہیں غلام بناتی ہے تو ہم کانگریس سے یہ پوچھنا

چاہتے ہیں کہ ان قوتوں کا ساتھ دینا چاہتی ہے۔ جو آزادی، امن اور صلح کے لئے لڑ رہی ہیں یا نہیں۔ کانگریس نے جواب دیا کہ اصولاً تو ہم آزاد ہیں، امن اور صلح کی قوتوں کے ساتھ ہیں اور فاشٹ نظام کے اصول خلاف ہیں۔ لیکن جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو وہ تو بہت پہلے سے غلام ہے۔ تو ماری بات ہے ہم ان قوتوں کا ساتھ دیں گے جو اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کرتی ہیں لیکن جہاں تک جنگ کا تعلق ہے تو آج جب انگریز جرمنی کے خلاف میدان جنگ میں اتر اہوا ہے تو انگریز تو یہاں ہمارا حاکم ہے اور ہم خود ان کے غلام ہیں تو اگر انگریز ایمانداری اور نیک نیتی سے قوموں کی غلامی کے خلاف ہے تو چاہئے کہ یہاں بھی یہی اصول قائم کرے اور یہ آزادی کا سلسلہ اپنے ہی گھر سے شروع کرے۔ کانگریس نے یہ مطالبہ کیا کہ ہندوستان تب اس جنگ میں حصہ لے گا کہ جب انگریز جنگ کے مقاصد (War Aims) کا اعلان کر دے اور اگر یہ جنگ دنیا میں آزادی، امن اور صلح کے لئے لڑی جا رہی ہو تو پھر انگریز اتنا کرے کہ ان مقاصد میں اس کا بھی اعلان کرے کہ جب اتحادی جنگ جیت جائیں گے تو ہندوستان کو آزاد کر دیں گے۔ کانگریس نے یہ بات واضح کر دی کہ ہم انگریز کی مصیبتوں سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے۔ اس وقت اور کچھ نہیں چاہتے، صرف اتنا اعلان کر دے اور یہ اعلان اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس اعلان کی روشنی میں ہندوستان جنگ میں خلوص دل سے اور پوری قوت سے بھرپور حصہ لے گا۔ کیونکہ اس طرح یہ جنگ ہندوستان کی اپنی آزادی کی جنگ ہوگی۔ لیکن انگریز ایسا کرنے کو کب تیار تھا۔ انگریز وزیراعظم چرچل کی بات، کہ میں اس لئے تاج برطانیہ کا وزیراعظم نہیں ہوا کہ اس کے سلطنت کے حصوں کو داؤ پر لگا دوں۔ تو پھر کانگریس اس بات پر سختی سے کاربند ہوئی کہ یہ جنگ یورپ کے ممالک کی آزادی کی لڑائی ہے، ہندوستان کی آزادی قطعی نہیں۔ اس لئے اس جنگ میں حصہ لینا اور اس کے ساتھ امداد کرنا اپنی غلامی کی زنجیروں کو اور مضبوط کرنے کے مترادف ہے۔ میں خود آل انڈیا کانگریس کمیٹی (A.I.C.C) کے اس اجلاس میں موجود تھا کہ کانگریس کے صدر جواہر لال نہرو نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی کہ اگر انگریز نے اپنے جنگ کے مقاصد میں یہ اعلان کیا کہ جب اتحادی جنگ جیت لیں گے تو ہندوستان کو آزاد کر دیں گے تو اس طرح

We shall be fighting for the liberation of our own country,

otherwise we shall be fighting to defend our chains.

ترجمہ۔ ”ہم اپنے ملک کی آزادی کے لئے لڑیں گے۔ ورنہ ہم اپنی بیڑیوں کا زنجیروں کا تحفظ کریں گے اور انہیں باقی رکھیں گے۔“

اب اتنا بے وقوف اور اندھا کون ہو گا کہ وہ جنگ بھی لڑے، قربانی بھی دے اور جنگ اس لئے لڑے کہ وہ غلام ہی رہے۔

کانگریس کے اس فیصلے سے انگریز کے صبر کا پیمانہ جھلک گیا۔ اب تک تو انگریز کو دکھ اس بات کا تھا کہ اس نے ہندوستان میں انتخابات کرائے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز کو ہندوستان کا تابع کر دیا اور اب اس کی کوشش یہ تھی کہ مرکزی انتخابات نہ ہوں کیونکہ انگریز یہ کب برداشت کر سکتا تھا کہ برطانوی شہنشاہیت اور (Imperial Crown) (تاج شاهی) کا نمائندہ وائسرائے صوبوں کے گورنروں کی طرح اپنے منتخب وزیروں کے مشورے کا تابع ہو۔ لیکن جب انگریز زندگی اور موت کی جنگ میں الجھا ہوا ہے۔ اس کا وطن قوم سب خطرات کی زد میں تھے۔ اس نازک وقت میں کانگریس کی یہ جرات وہ انگریز کو دوستی کا ہاتھ دینے اور اس کی مدد کرنے سے انکاری تھی۔ انگریز کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر ہندوستانی فوج، دولت اور وسائل اس کے پاس نہ ہوں تو وہ اس اتنی عظیم الشان سلطنت کو کیونکر قابو میں کر سکتا ہے۔ لازمی بات ہے کہ انگریز سب کچھ برداشت کر سکتا تھا لیکن یہ نہیں برداشت کر سکتا تھا اور اس لئے انگریز در بھی مجبور ہو گیا کہ کانگریس کے مقابلے کے لئے کھل کر میدان میں نکلے اور جس طریقے سے بھی ہو کوئی راستہ اپنا لگائے کہ کانگریس کا مقابلہ کیا جاسکے۔

جناب صاحب کے ساتھ اپنی ملاقات کے بارے میں لکھتا ہے۔ 28-2-39

He did not reject the Federal idea.

ترجمہ۔ ”اس (جناب صاحب) نے نظریہ وفاق نامنظور نہیں کیا“

یہاں سے انگریز کی پالیسی میں بہت بڑی تبدیلی آئی۔ یورپ کی جنگ نے ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بدل دیا۔ اس وقت تک انگریز سختی سے ہندوستان کے ایک وفاق کے حق میں تھا اور تمام کوشش اور محنت اسی لئے تھی۔ اسے نہ مسلمانوں سے سرکار تھا اور نہ ہی جناب صاحب کو اتنی اہمیت دیتا تھا۔ البتہ اتنی دلچسپی ضرور تھی کہ مسلمانوں کی پیٹھ ٹھونکنے تاکہ اسے کانگریس کے مقابلے کے لئے تیار کر سکے اور اس طرح کانگریس پر زور ڈالے کہ وہ انگریز کے ساتھ اشتراک اقتدار کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لے۔ لیکن کانگریس نے ایسا راستہ اختیار کر لیا کہ اس میں نہ صرف ہندوستان میں اپنی حاکمیت چاہتی تھی بلکہ یہ بھی چاہتی تھی کہ انگریز کو اتنا کمزور کرے کہ اس کی اپنی غلامی کی گنجائش بھی نکل آئے۔ اس مسئلے کی وجہ سے انگریز اور کانگریس دو مختلف مقامات پر کھڑے ہوئے تھے اور کانگریس اور انگریز دونوں کے لئے یہ زندگی اور موت کا سوال بن گیا۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ یہ ہندوستان اور برطانیہ دونوں کے لئے زیست اور موت کا سوال بن گیا تھا۔

حکومت ہند کی اس پالیسی کے خلاف کانگریس کے حکم پر احتجاجاً آٹھ صوبوں کی وزارتوں نے استعفیے دے دیے اور اس طرح سے یہ بات نہ صرف ہندوستان کے حکمرانوں بلکہ پوری دنیا پر واضح کر دی کہ

ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے آٹھ صوبوں کی وزارتیں کانگریس نے اس لئے چھوڑ دیں کہ انگریز یہ وعدہ نہیں کرتا کہ جنگ کے خاتمے پر وہ ہندوستان کو آزاد کر دے گا۔ اس سے انگریز آگ بگول ہو گیا اور اس کے بعد انگریز نے اپنا رویہ بالکل بدل دیا۔ پالیسی بدل گئی۔ آنکھیں بدل لیں، زبان بھی بدل گئی۔

دوسری طرف جب یورپ پر جنگ کے کھنکھانے بادل چھا گئے۔ انگریز نے اپنے آپ کو سمیٹنے کی کوشش شروع کی۔ کانگریس سے بدظن تو تھے ہی۔ آنکھیں جناح صاحب پر لگی ہوئی تھیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ جناح صاحب مسلم لیگ کے سربراہ تھے اور مسلم لیگ کی کسی ایک صوبے میں بھی حکومت نہیں تھی۔ صوبہ سرحد میں کانگریس کی حکومت تھی۔ سندھ میں اللہ بخش سومرو کی مخلوط وزارت۔ وہ بھی مسلم لیگ کے خلاف تھے۔ وائسرائے پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات اور بنگال کے وزیر اعلیٰ مولوی فضل حق سے اپنے تعلقات برقرار رکھے ہوئے تھے اور وقتاً فوقتاً ان سے سیاسی صلاح و مشورے بھی کیا کرتا تھا۔ دوسرے جنگ کے آنے والے خطرات کی روشنی میں پنجاب کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی تو وہ سکندر حیات کی بات، جواہروں نے وائسرائے سے کہی کہ جناح صاحب کو بہت سہولت چڑھاؤ۔ کیونکہ بنگال اور پنجاب تو ویسے بھی آپ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ وہ جناح کو نہیں مانتے تو

(جناح) Nothing should be done to inflate him

ترجمہ:- ”اس کی خوشامد نہیں کرنی چاہئے۔“

اور نو بہت یہاں تک پہنچی کہ 39-8-31 کو وائسرائے لکھتا ہے۔

Sikandar's admirable statement on Saturday last seems fairly effectively to have spiked the guns of Jinnah and Muslim League---its seems to be pretty clear that relations between the Muslim League and the Punjab, Bengal and other important Muslim centers are becoming definitely rather strained and that chances of a breakaway are considerable.

ترجمہ:- ”گزشتہ ہفتہ سکندر حیات کے قابل ستائش بیان نے مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی بندوڑوں کا منہ کند کر دیا۔ یوں صاف محسوس ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کے پنجاب، بنگال اور دوسرے مسلم مراکز کے ساتھ روابط کشیدہ ہو گئے ہیں اور ان کے مابین تعلقات ٹوٹنے کے امکانات غالب ہیں۔“

وائسرائے غصے میں ہے۔ اس لئے تو یہ باقی سب مسلمانوں کے رہنما بھی غصے میں ہیں۔ تو آگے

چل کر وائسرائے لکھتا ہے کہ میں بھی خاموش بیٹھا ہوں۔ اہمیت نہیں دیتا۔

[I do not propose to make any move to him. Until there is an out break of war or some other development necessitating immediate contact with all party leaders.

ترجمہ۔ ”میں ابھی اس ساتھ کسی تجویز کے سلسلہ میں پیش رفت نہیں چاہتا جب تک کہ جنگ کا آغاز ہو یا کوئی اور ہنگامی صورت پیش آئے جس سے تمام لیڈروں کے ساتھ ملاقات ضروری ہو۔“

یہ 31 اگست کا خط ہے لیکن جب تین چار دن کے بعد اعلان جنگ ہوا تو 39-9-5 کو وائسرائے وزیر ہند کو لکھتا ہے:

I felt it wise to be patient with Jinnah and endeavour to lead him into the direction which we desire. And indeed if I can give any help to these Muslim leaders to get more together than they are at the moment I shall do so.

ترجمہ۔ ”میں نے مناسب سمجھا کہ مسٹر جناح کے ساتھ میرے کام لینا چاہئے اور جس جانب ہم چاہتے ہیں اس طرف اسے موڑنے کی کوشش کرنی چاہئے اور میں اپنے امکان بحران مسلمان لیڈروں کو زیادہ سے زیادہ متحد کرنے کی کوشش کروں گا۔“

پانچ دن پہلے وائسرائے اس بات سے خوش تھا کہ سکندر حیات نے جناح صاحب کو آنکھیں دکھائی ہیں اور صرف پنجاب اور بنگال نہیں بلکہ اور بھی اہم مسلم مراکز اس سے ناراض ہوتے ہیں اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ مسلم لیگ سے الگ ہو رہے ہیں لیکن آج یورپ میں اعلان جنگ کے بعد یہ اس بات پر مجبور ہے کہ پوری ریاستی قلابازی لگائے اور اعلان کرتا ہے کہ میری یہ کوشش ہوگی کہ جیسے بھی ہو۔ ان مسلمان لیڈروں کو ایک دوسرے کے قریب کر دوں اور صرف اس لئے کہ انہیں ایسے راستے پر ڈالا جائے جس میں ہمیں فائدہ ہو۔

اس سے بڑھ کر واضح ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ انگریز مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو اس لئے یکجا کر رہا ہے اور انہیں ایسے راستے پر ڈال رہا ہے کہ اس سے انگریز کو فائدہ ہو۔ اب دیکھتے ہیں کہ کھلاڑی انگریز کیا کیا کرتب دکھاتا ہے اور اپنا مطلب کس سے اور کیسے نکالتا ہے۔

مسلم لیگ برطانیہ کی کٹھ پتلی

Muslim League Plays into British Hands

جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ انگریز کسی قیمت بھی اس پر تیار نہیں تھا کہ مرکز میں انتخابات کرے اور جبکہ یورپ میں جنگ شروع ہو گئی اور ہندوستان نے بھی اعلان جنگ کر دیا تو انگریز کسی صورت بھی اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ مگر انگریز کو مسلم لیگ کے لیڈر کیا مشورہ دیتے ہیں۔ نواب اسماعیل یوپی کی مسلم لیگ کا صدر تھا۔ اس کے مشورے کے مطابق وائسرائے 7-10-39 کو لکھتا ہے۔

The Nawab repeated that it was essential that any declaration should make it clear that a democratic system at the center is not acceptable to the Muslim community and went on to urge that defence was perfectly inadmissible .

ترجمہ۔ ”نواب نے یہ بات دہرائی کہ اس سلسلہ میں ایک واضح اعلان ضروری ہے کہ مسلم قوم کو مرکز میں ایک جمہوری نظام اور کانگریس کی جانب سے تمام ہندوستان کی نمائندگی کا دعویٰ درویشی پر پورا کنٹرول قطعی طور پر منظور نہیں۔“

مسلم لیگ کے صدر اعلان کرتے ہیں کہ مرکز میں جمہوری عمل میں مسلمانوں کو قابل قبول نہیں۔ انہیں کانگریس پر اعتراض ہے کہ وہ ہندوستان کے باشندوں کی طرف سے نمائندگی کا دعویٰ نہ کرتی ہے۔ کانگریس کی آٹھ صوبوں میں وزارتیں ہیں۔ وہ تو نمائندہ نہیں اور مسلم لیگ کے پاس ایک صوبہ بھی نہیں۔ وہ نمائندہ ہے۔ وہی مثل کہ ”خودمیاں فصیح اوروں کو فصیح“

مسلم لیگ کے دوسرے لیڈر سر عبداللہ ہارون وائسرائے کو تار بھیجتے ہیں۔

Sir Abdullah Haroon took the view that democratic development in the West did not suit India---The Muslims have no differences with Great Britain except over federation

which should be dropped. they wanted the British to say and

they are now growing popular with Muslim Community

ترجمہ:- ”سر عبد اللہ ہارون یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی ملک کی جمہوریت ہندوستان کے لئے مناسب نہیں اور مسلمانوں کا حکومت برطانیہ کے ساتھ ماسوائے وفاق کے نظریہ کے اور کوئی اختلاف نہیں۔ اس وفاقی طرز حکومت کے خیال کو ترک کر دینا چاہئے اور برطانیہ کو بتانا چاہئے ہیں کہ مسلم قوم میں ان کی مقبولیت بڑھ رہی ہے۔“

نواب اسماعیل خان کو وفاق پر یہ اعتراض ہے کہ مسلمان قبول نہیں کر رہے۔ سر عبد اللہ ہارون کی یہ دلیل ہے کہ جمہوریت ہندوستان کے لوگوں کے حراج کے مطابق نہیں تو وفاق کی کیا ضرورت ہے اور ایک قدم آگے چل کر کہتا ہے کہ مسلمان تو یہ چاہتے ہیں کہ انگریز یہیں رہیں اور نہ ہی جائیں۔

نواب سب لوگ خود سوچیں کہ جس وائسرائے کو مسلم لیگ کے رہنما اس قسم کے مشورے اور تسلی دیتے ہیں۔ یہی کچھ اسے بھلا لگتا ہے اور اس کے مقابلے میں وہ کانگریس کے لیڈروں کے رویے کو دیکھتے ہیں تو کانگریس کے متعلق وائسرائے کے جذبات کیا ہوں گے۔

مسلم لیگ کے لیڈروں کی نفسانفس کے علاوہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مرکزی ورکنگ کمیٹی نے تجویز پاس کی۔ کمیٹی کی صدارت جناح صاحب کر رہے تھے

Muslim League-----irrevocably opposed to any "Federal Objective" which must necessarily result-in a majority community rule under the guise of demo-cracy and parliamentary system of Govt. Such a constitution is totally unsuited to the general of various nationalities and does not constitute a national state.(page 218-Pakistan Movement by G Allana).

ترجمہ:- ”مسلم لیگ نے قطعی طور پر کسی بھی فیڈرل نظام کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ اس طرز حکومت سے اکثریتی فرقہ کو جمہوریت اور پارلیمانی نظام کے پردے میں فائدہ پہنچے گا۔ ایسے ملک میں جہاں مختلف قومیں بستی ہیں اور ایک واحد قومی ریاست نہیں۔ اس کے لئے وفاقی آئین ہرگز مناسب نہیں۔“

(تحریک پاکستان۔ از علی اللہ۔ صفحہ نمبر 218)

یہاں بھی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ جمہوریت ہندوستانی قوم کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی۔ یہاں مسلم لیگ صرف مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی نہیں کرتی بلکہ پوری ہندوستانی قوم کی طرف سے بات کر رہی ہے اور یہ دوسری دلیل اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے کہ یہاں چونکہ قومیتیں ہستی ہیں اور جس ملک میں مختلف قومیتیں آباد ہوں وہاں ایک قومی ریاست نہیں بن سکتی۔“

یہی کمیٹی آگے کہتی ہے۔

The committee further urges upon his Majesty's Govt. ask for an assurance that no declaration regarding the question of constitutional advance for India should be made without the consent and approval of the A.I.M. League nor any constitution be framed and finally adopted by His Majesty's Govt. and the British Parliament with out such consent and approval. (p.219 Pakistan Movement G.Atlana)

ترجمہ: کمیٹی نے مزید حکومت برطانیہ پر اس یقین دہانی کے لئے زور دیا کہ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے مشورہ اور تصدیق کے بغیر ہندوستان کے لئے آئینی سول پر پیش قدمی نہ کرے اور نہ ہی کوئی آئین بنائے اور نہ ہی حکومت برطانیہ اور برطانوی پارلیمنٹ اسے منظور کر دے جب تک کہ وہ مسلم لیگ سے مشورہ اور منظوری نہ لے لے۔“

(جی اے۔ تحریک پاکستان صفحہ نمبر 219)

مسلم لیگ نے اب یہاں تک مطالبہ کیا کہ حکومت برطانیہ مسلم لیگ کی ہر تسلی کرائے کہ مسلم لیگ کی مرضی اور تسلی کے بغیر کسی قسم کا آئین اس ملک کے لئے نہیں بنے گا اور یہی درخواست برطانوی پارلیمنٹ سے بھی کی ہے۔

اور پھر جب وائسرائے ہند نے اعلان کیا کہ مرکز کے لئے انتخابات نہیں ہوں گے تو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

The working committee appreciate the declaration of H.E. The viceroy which is in the interest of India and particularly the Muslims that the Federal embodies in the Govt. of India Act 1935, has been suspended. They wish that instead of its

being suspended it had been abandoned completely. P. 127

(G. Allana).

ترجمہ۔ ”مجلس عالمہ وائسرائے کے اس اعلان کا خیر مقدم کرتی ہے جو ہندوستان اور خصوصیت سے مسلمانوں کے لئے مفید ہے کہ 1935ء کے آئین کو جس میں وفاق کا تصور موجود ہے۔ معطل کر دیا گیا ہے۔ یہ تو توقع رکھتے تھے کہ بجائے اسے معطل کرنے کے اسے مکمل طور پر رد کر دیا جاتا۔“

(صفحہ نمبر 217۔ جی اللانہ)

مطلب یہ کہ مسلم لیگ انگریزوں سے بھی ایک قدم آگے تھی۔ انگریز یہ کہتا ہے کہ میں ہندوستانی قوم کا یہ حق تسلیم کرتا ہوں کہ انہیں حکومت دے دی جائے لیکن میں مرکز کے انتخابات نہایت مجبوری سے ملتوی کرتا ہوں کیونکہ جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ تو اس سے قوم یہ تاثر لے سکتی تھی کہ جب حالات سازگار ہونگے جنگ ختم ہوگی تو انتخابات ہوں گے اور قوم کو اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے حکومت کرنے کے اختیارات حاصل ہو جائیں گے۔ لیکن مسلم لیگ اس سے ناخوش تھی کہ وائسرائے نے ملتوی کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے۔ چاہئے تھا کہ وائسرائے اعلان کرتا کہ ہم نے اس منصوبے کو سرے سے ختم کر دیا ہے۔

پشتونوں کی کہادت کہ سوار سے پیادو تیز ہے۔ ایسے ہی موقع پر استعمال ہوتی ہے۔ بدبختی یہ ہے کہ یہ سب مطالبات مسلمانوں کی طرف سے کئے جاتے تھے۔ جن کی آبادی تقریباً دس کروڑ تھی اور کئی صوبوں میں ان کی کثرت تھی۔ وزارتیں بنی ہیں۔ بمبئی، یوپی اور ایسے صوبوں کے لیڈر جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اس خاطر وہ چاہتے تھے کہ حکومت قوم کی اکثریت کے حوالے نہ کی جائے بلکہ انگریز ہی حکومت کرتا رہے۔ دوسری طرف وہ اس کو بھی نظر انداز کئے ہوئے تھے کہ اس طرح مسلمانوں کے مفادات کو بھی نقصان پہنچے گا۔ ان صوبوں میں وہ اکثریت میں تھے۔ جیسے بنگال، پنجاب، سندھ اور ایک حد تک آسام وغیرہ۔ اور تو چھوڑیں جناح صاحب نے مسلم لیگ کے سامانہ اجلاس میں اپنی تقریر میں کہا۔

We felt we could never accept the dangerous scheme of the Central Federal Govt. embodied in the Govt. of India Act 1935 I am sure that we have made no small contribution towards persuading the British Govt. to abandon the scheme of Central Federal Govt. P.230

ترجمہ: ”ہم نے محسوس کیا ہے کہ ہم مرکزی وفاقی حکومت کی خطرناک اسکیم پر جو 1935ء کے ایکٹ کا مدعا ہے۔ کبھی اتفاق نہیں کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم نے برطانوی سرکار کو مرکز میں وفاقی حکومت پر مبنی دستور کو نافذ کرنے سے باز رکھنے میں کوئی دقیقہ اشا نہیں رکھا۔“

(صفحہ نمبر 230 جی رند)

یعنی جناح صاحب بہت فخر سے یہ بات کہتے ہیں بلکہ اسے اپنا کارنامہ تصور کرتے ہیں کہ ہم نے انگریز کو رخصت منہ کر لیا کہ وہ مرکزی وفاقی حکومت کا یہ منصوبہ ترک کر دے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مرکز میں انتخابات نہ کرانے کا فیصلہ انگریز کا تھا، یا مسلم لیگ کا کہ یہ منصوبہ مسلم لیگ کے رہنماؤں کے کہنے سے انگریز نے ختم کر دیا۔ لیکن اس کا فائدہ کس کو پہنچا۔ حکومت کس کی تھی۔ اسے ہوشیاری کہتے ہیں۔ انگریز مطلب اپنا پورا کرتا ہے لیکن بددوق مسلم لیگ کے کندھے پر رکھتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بددستی کسی قوم کی کیا ہو سکتی ہے جس میں ایک ایسی سیاسی تنظیم موجود ہو جو اپنی غلامی پر فخر کرے اور اسے اپنی کامیابی سمجھے۔ قوم کے اشغال اقتدار کا منصوبہ ناکام بنائے اور حکومت اپنے آقا کے سپرد کرے۔

ایہ معلوم ہوتا تھا کہ حالات اس رخ پہ چل پڑے تھے کہ انگریز اور مسلم لیگ مشترکہ مفادات کے لئے ایک دوسرے سے مکمل تعاون کریں اور اگر ایک طرف انگریز کی پالیسی کو آگے بڑھانے کے لئے مسلم لیگ نے خود ہیکش کی تھی تو دوسری طرف انگریز بھی ٹھلا نہیں بیٹھا تھا۔ وہ بھی اپنی طرف سے کوشش کر رہا تھا کہ جس قدر بھی ہو سکے قوم مسلمانوں کو مسلم لیگ کی تنظیم میں لے آئے۔

جناح صاحب کے ساتھ پھر ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا جیسے کہ ایک ملاقات کے متعلق دائرہ 39-10-5 کو لکھتا ہے

He (Jinah) thanked me with much graciousness for what I had done to assist him in keeping his party to gether and expressed great gratitude for this.

ترجمہ: ”مسٹر جناح نے نہایت شائستگی سے میرا شکریہ ادا کیا اور میں نے اس کی پارٹی کو اکٹھا رکھنے کے لئے جو مدد کی ہے اس کے لئے اس نے احسان مندی کا اظہار کیا۔“

پارٹی جناح کی ہے، لیکن ایک ساتھ رکھنے کی ذمہ داری جیسے دائرہ 39-10-5 پر ہو بلکہ اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہا ہے اور اس لئے تو جناح صاحب بار بار دائرہ 39-10-5 کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ایک اور مسئلہ جس کا ذکر دائرہ 39-10-5 نے اس خط میں کیا ہے۔ وہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ دائرہ 39-10-5

کہتا ہے کہ جناح صاحب نے بہت شکایت کی کہ کانگریس کی وزارتوں نے مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں۔ دائسرائے نے کہا کہ میں نے انہیں بتایا کہ میں نے تحقیق کی ہے۔ وزارتوں نے کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ یہ ایک نفسیاتی کیفیت ہے جو مسلمان احساس کتری کی وجہ سے محسوس کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں جناح صاحب دائسرائے کو کہتے ہیں کہ صوبہ سرحد کی حکومت نے حکم دیا ہے کہ ہندی قمام سکولوں میں لازمی مضمون قرار دی جائے گی۔

یعنی کانگریس کی وزارتوں کی اور باتیں تو شاید جھوٹ یا بیج ہوں۔ لیکن ان میں جناح صاحب کو یہ بات سو فیصد سچی معلوم ہو رہی تھی۔ اس لئے دائسرائے کو یہ مثال پیش کی۔ اچھا۔ تو اب اس سفید جھوٹ پر کوئی پردہ تو ڈالنا ہوگا۔

ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ سرحد کی حکومت نے پشتون بچوں کے لئے سکولوں میں پشتو زبان ضروری سمجھتے ہوئے اسے لازمی قرار دیا تھا۔ لگتا ہے جناح صاحب کو پشتو زبان بھی ہندی زبان نظر آرہی تھی۔ *

* 1937ء میں وزارت اعلیٰ کے قیام کے بعد فوری اصلاحات کے تحت صوبہ میں ایف سی آر۔ انٹراڈی مجلس عہدے کا خاتمہ، خواتین و رافق حقوق بل منکوری، ملاکنڈ الیکٹریٹی پراجیکٹ تنظیم، مردان شہر گزٹ کے قیام کے ساتھ ساتھ صوبہ میں پشتو کورٹری، عدالتی اور تعلیمی زبان بھی منکور کروایا جناح صاحب کا مطالبہ اس طرف اشارہ ہے۔

انگریز کی سیاسی قلابازی

اب کھلاڑی انگریز کی چال بازی دیکھیں کہ کیسے ہندوستان کی آزادی کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں اور اپنی سامراجی اور نوآبادیاتی پالیسیوں کو پورا کرے کے لئے کس حد تک جانے کو تیار ہے۔
4-12-39 کو وائسرائے وزیر ہند کو صاف الفاظ میں لکھتا ہے

I am fully alive, as my Letter to you about Jinnah's questions will have shown, to be objection to allowing the Muslim Minority to turn itself into a Majority with right of vote and that does seem to appear to be a position that we can accept.

ترجمہ۔ ”میں پوری طرح باخبر ہوں جیسا کہ میں نے مسٹر جناح کے سوالات کے بارے میں اپنے خط میں لکھا ہے کہ کس طرح مسلم اقلیت کو ڈیوکا حق دے کر اکثریت میں بدلا جاسکتا ہے کہ اور ہر جو صورت پیدا ہوگی وہ ہمیں قابل قبول ہو سکتی ہے۔“

مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کی اس تجویز کے متعلق وائسرائے اپنی پالیسی کی وضاحت کرتا ہے جو مسلم لیگ نے مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں حکومت برطانیہ یہ یقین دہانی دے دے کہ:

No declaration of Constitutional Advance for India should be made without the consent and approval of the All India Muslim League.

ترجمہ۔ ”ہندوستان کے لئے آئین کے بارے میں کوئی اعلان اس وقت تک نہ کیا جائے، جب تک اس میں آل انڈیا مسلم لیگ کی مرضی اور منظوری شامل نہ ہو۔“

وائسرائے کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کا مطلب تو صاف الفاظ میں یہ ہے کہ مسلمانوں کی اقلیت کو ہم اکثریت میں تبدیل کریں، یہاں تک کہ وہ ڈیوکا حق بھی اسی اقلیت کو دے دیں۔ یہاں چونکہ تاج برطانیہ کا تحفظ ضروری ہے۔ اس لئے مہذب اور شائستہ انگریز نہ بنیادی انسانی حقوق نہ جمہوریت اور نہ

ہی انتخابات کی بات پر کان دھرتا ہے بلکہ نہایت بے شری سے اعلان کرتا ہے کہ ہم یہ پوزیشن قبول کرتے ہیں۔ انگریز کی آنکھیں ہڈی نہیں تھیں بالکل بند ہیں۔ اپنی پالیسی آگے لے جا رہا تھا لیکن خود ایک طرف ہو کر مسلم لیگ کو آگے کر لیا اور اس کے ذریعے اپنی پالیسی چلا رہا تھا۔

اس کے بعد وائسرائے نے وزیر ہند کو اپنے خطوط میں اس طرف اشارہ کیا کہ اگر ہم مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں کو شمال مغرب کی طرف جدا کریں تو اس طرح سے بہت سہولت ہوگی۔ وزیر ہند چونکہ لندن میں آیا ہوا تھا اور بین الاقوامی حالات پر نگاہ تھی۔ اس نے وائسرائے کو لکھا کہ اگر تم غور کرو تو ہندو صرف ہندوستان کی سر زمین پر رہتے ہیں لیکن مسلمان تو یہاں چین کی سرحد سے لے کر مشرق وسطیٰ میں ترکی تک پھیلا ہوا ہے تو اس سے مسلمانوں کا رخ ایک بار پر جلال الدین افغانی کے پان اسلامزم کی طرف نہ مڑ جائے۔ سوائے یہ تھا تھا کہ کل کو اگر یہ مسلمان ایک بار پھر اٹھ کر انگریز کے خلاف روس کے ساتھ ساز باز کر لیں تو یہ سلطنت برطانیہ کے لئے خطرناک مسئلہ ہوگا۔*

وزیر ہند پر یہ بات بالکل واضح تھی کہ انگریز نے اب تک پوری دہائی صرف مسلمانوں ہی سے کی تھی۔ ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھٹی تھی اور ابھی ابھی رکوں کی خلافت عثمانیہ کے کٹڑے کٹڑے کر دیئے تھے۔ تو اس کا یہ خدشہ بے جا نہ تھا کہ اگر مسلمان روس کے ساتھ مل کر انگریز کی مخالفت پر تیار ہو جائے تو پھر۔

وائسرائے ہند نے اس غرض سے پورے ہندوستان کے مرکزی اعلیٰ جنس یعنی (Central Intelligence) سے پوری رپورٹ مانگی۔ وہی رپورٹ وائسرائے اپنی طرف سے 17-11-39 کو وزیر ہند کو لکھتا ہے:

میں نے مسلمانوں کے مختلف گروپوں، مسلم لیگ، وہابی، خاکسار، احرار اور باقی ان ماہرین سے جو افغانستان اور قبائلی مسکوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ بڑی تفصیلی گفتگو کی۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندو اور مسلمان کے درمیان اختلاف اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ بات اب تقسیم تک پہنچ جائے گی۔

"This, shortly, a nation of Muslim India must be established".

ترجمہ:- "مختصر یہ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی قوم بنائی جائے"

*پان اسلامزم انگریز یہودی مذہب ساز نکارڈرومنڈ دولف کے ذہن رسا کا کارنامہ ہے اس مفکرہ کی بنیاد ایٹرن کوئین (Eastern Question) پر ہے جس کا مطلب اسلامی جلاک بنا کر زبردستی کی راہ روکنا تھی سید جمال الدین

افغان کی دولف سے انگلستان میں ساز باز ثابت ہو چکی ہے۔

پہلے لوں کے مطالبہ پاکستان سے بھی پہلے کی بات ہے۔
ہاتی رہ جاتی ہے بات روس کی مدد سے انگریزوں کے خلاف محاذ بنانے کی تو۔

Such aid is out of question, as Bolshevik aid is accepted.
Islamic principles will be submerged and if an opportunity is
given to Russian influence to be felt south of the oxus, all
Muslim Nations will degenerate to the level of the Soviet
Central Asiatic (Muslim) state.

ترجمہ:- "اس مدد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ایک دفعہ باشوویک مدد لے لی گئی۔ اسلامی
اصول اس کے تابع ہو جائیں گے اور اگر اس کرہ کے جنوب میں روس کے اثر کو بڑھنے دیا
گیا تو تمام مسلم قومیں روسی وسطی ایشیائی مسلم ریاستوں کی طرح بے اثر ہو جائیں گی اور وہ
بھی وہی شہر ہوگا۔"

آگے چل کر بات اور بھی واضح کر دیتے ہیں۔

Muslim will not ask favours from the Anti God Bolshevik
RUSSIA.

ترجمہ:- "مسلمان خدا دشمن باشوویک روس سے مدد کے لئے نہیں کہیں گے۔"
یہ حال تھا مسلمانوں کا اور Pan Islamic کے مسئلے پر بھی دائرہ صاف کہتا ہے کہ۔

In the Turkish Treatise are seen the bearing of Bolshavism
from the Islamic world and a rapid development of the line-up
of Muslim Nations against Soviet expansionist policy

ترجمہ:- "ترکی کے معاہدوں میں اسلامی دنیا کی باشوکی نظام سے دوری نظر آتی
ہے اور مسلمان اقوام میں سویت کو وسیع پسند پالیسی کے خلاف ایک سوچ تیزی سے
ابھر رہی ہے"

دائیں دائیں اپنے منصوبے کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے یہ بات واضح بتا دیتا ہے کہ اس منصوبے
کی کامیابی کے ساتھ ترک معاہدے کی طرح روس کے خلاف مسلمان قوتوں کا ایک مکمل مورچہ بن جائے گا
اور یہ اسلامی قلعہ روس کی گردن میں طوق بن جائے گا۔ انگریز کی یہ کامیابی تھی کہ اس نے مسلمانوں میں
ایسے ساٹھی بنائے کہ وہ انگریز کی دونوں پالیسیوں یعنی داخلی اور خارجی میں حکومت برطانیہ کا ساتھ دینے کو

تیار تھے اور یہی ایک اسلام تھا جسے ہندوستان کے انڈر انگریز کے مفادات کے لئے اور اس کی حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے کانگریس کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ اب انگریز کے لئے بھی آسانی پیدا ہو گئی کہ وہ صرف ایک مسلم لیگ کو ہاتھ میں لے لے۔ باقی تمام کام مسلم لیگ اس کے اشاروں پر پورے کرتی رہے۔ صرف روس کا یہ آخری مسئلہ تھا۔ اس اٹلی جنس کی رپورٹ سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ انگریز کس طریقے سے یہاں اسلام روس کے خلاف استعمال کرے گا۔ یہاں حکومت انگریز کی تھی اور انگریز مسلمان نہیں تھا اور یہاں مسلمان ایک کافر کا غلام تھا۔ اس تاثر کو ختم کرنے کے لئے انگریز نے دوسرا نسخہ استعمال کیا کہ روس تو Anti God یعنی ضد خدا ہے۔ خدا کی ذات سے منکر ہے۔ یہ مجرب نسخہ انگریز نے نہایت ہوشیاری سے استعمال کیا جیسے آگے چل کر اور واضح ہو جائے گا۔*

اس سارے کھیل میں ایک طرف اگر علماء دیوبند آزادی کی جنگ لڑتے رہے تو دوسری طرف کچھ علماء مسلم لیگ کے حق میں درحقیقت انگریز استعمار کو مضبوط کرتے رہے علماء دیوبند میں شبیر احمد عثمانی کا ٹولہ جو دیوبند سے مولانا عبید اللہ سندھی کے اخراج کا سبب اور شیخ الہند ایسے عظیم مبارز کی دل شکنی کا باعث بنا تھا بھی شامل تھا اس ٹولے کو اشرف علی تھانوی جیسے نابہ عصر کی حمایت بھی حاصل تھی جو ایک طرف خوجہ اسماعیلی جماعت کو خارج از اسلام قرار دے چکے تھے تو دوسری طرف جناح صاحب کو امیر المومنین بنوانے پر تلے تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کی غلطی کا مجموعہ مکالمہ الصدرین سے انکشاف ہوا ہے کہ مولانا تھانوی بھی انگلش سرکار سے جو سو روپیہ مہینہ لیتے تھے اور یوں ان کی حمایت کی جتنی سلجھ جاتی ہے۔

پاکستان کا منصوبہ

وائسرائے نے یہ بات بار بار مسلمانوں کے رہنماؤں یعنی سر سکندر حیات اور مولوی فضل الحق سے کہی کہ مسلمان چل رہے ہیں کہ اختیارات کانگریس کو منتقل نہ کئے جائیں۔ یہ مرکز میں انتخابات نہ کرائیں تو یہ ایک منفی یعنی سوچ ہے اور اس میں وائسرائے اور وزیر ہند کو یہ مشکل درپیش ہے کہ وہاں وہ انگلستان میں پارلیمنٹ کے ممبروں کو اس بات پر مطمئن نہیں کر سکتے کہ کانگریس نے انتخابات جیت لئے ہیں تو کیوں نہ انہیں اختیار دے دیا جائے تو وائسرائے نے یہ بات کئی بار مسلمانوں کو بتائی کہ تمہیں چاہئے کہ کوئی مثبت اور تعمیری تجویز پیش کرو کیونکہ جمہوریت کا راستہ روکنے کے لئے اقلیت کو یہ اختیار دے دیں کہ وہ اکثریت کا راستہ روکے اور آئینی، قانونی اور جمہوری مطالبات کو ستر دکرے۔ اس بات کو مہذب دنیا کسی صورت قبول نہیں کرتی اور یہی بات سر سکندر حیات خان سے بھی کی ہے تو اس کے متعلق وائسرائے وزیر ہند کو لکھتا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں تمہاری اس بات کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں پیش کر لوں گا۔

He (Sikandr Hayat) thoroughly understands the necessity and importance of getting on to a Constructive line and having a scheme of his own on which to stand before attempting any propaganda in England--- He would let me know confidentially how matters went in the meeting of the Muslim League Working Committee on 3rd Feb.

ترجمہ: "وہ (سکندر حیات) برطانیہ میں کسی قسم کی بھی تشہیر کے لئے جو تعمیری تجاویز ہیں اور ان کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے۔ ان کے بارے میں تفصیلاً جانتا ہے اور اس کی ضرورت و اہمیت سے بھی واقف ہے۔ وہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے 3 فروری کے اجلاس کی کارروائی سے بھی مجھے رازداری کے ساتھ آگاہ کرے گا۔"

سکندر حیات وائسرائے کو تسلی دیتا ہے کہ مسلم لیگ جب اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرے تو میں تمہیں

Confidentially (خطیہ طور پر) بتا دوں گا۔

چنانچہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس کے بعد سکندر مرزا اور مولوی فضل حق دونوں اسٹھے وائسرائے سے ملنے گئے تھے۔ کہتا ہے سکندر نے مجھے بتایا:

That I should be intersted to learn that the W.C. of the M.L. has instructed a sub committee to draft constructive programme . I said I was delighted to hear it and that I should await its terms with the greatest interest.

ترجمہ:- ”اب مجھے یہ جاننے میں دلچسپی ہے کہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے ایک سب کمیٹی بنائی ہے جو ایک تعمیری پروگرام مرتب کرے۔ میں نے کہا کہ مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی اور اس کی تمام شرائط وغیرہ جاننے کا بے تابی سے انتظار کروں گا۔“

اس نے خوشخبری سنائی کہ تہاری تجویز کے مطابق مسلم لیگ نے ایک سب کمیٹی بنائی ہے کہ ایک تعمیری منصوبہ بنائے۔ وائسرائے کہتا ہے کہ میں Interested ہوں۔ مجھے ہے انتہا خوش ہوئی۔ اپنی دلچسپی یہاں ہی ختم نہیں کی بلکہ کہا، میں اس رپورٹ کے انتظار میں بھی ہوں۔

مسلم لیگ کی اس ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے بعد 40-2-6 کو جناح صاحب خود وائسرائے سے ملنے گئے۔ وائسرائے لکھتا ہے۔

After the usual compliments he (Jinnah) opened the proceedings by asking me what were we to do assuming the we meant Muslim League.

ترجمہ:- ”رہتی تکلفات کے بعد مسٹر جناح نے کمیٹی کی تمام کارروائی کے متعلق بتایا اور مجھ سے پوچھا کہ اگر ایسی صورت مسلم لیگ میں ہو تو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“

یہ ایک طویل ملاقات ہے۔ وائسرائے اور جناح صاحب کے درمیان بہت سی مطلب کی باتیں ہوئیں۔ کیونکہ وائسرائے کہتا ہے کہ جناح صاحب نے خود مجھ سے سوال کیا کہ اب ہم (مسلم لیگ) کیا کریں۔ اس کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلم لیگ کا صدر خود آتا ہے اور وائسرائے سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ وائسرائے نے یہ بات پھر دہرائی اور کہتا ہے کہ میں تو اس بات کے تکرار سے تنگ آ چکا ہوں:

At the risk of wearying him I was bound to repeat that it was

quite useless to appeal for support in Great Britain for a party who's policy was one of sheer negation.

ترجمہ:- "کسی قسم کی بات طے کرنے کے خطرے کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اپنی مجبوری ایک بار پھر دہرائی کہ ایک ایسی پارٹی کے لئے جس کی پالیسی صرف نفی ہو۔ میں حکومت برطانیہ سے تعاون کے لئے نہیں کہہ سکتا۔"

یہ ایک بہت ہی عجیب ملاقات ہے۔ وائسرائے جمہوریت اور منتخب وزارتوں کی بات کرتا ہے اور جناح صاحب کہتے ہی کہ کانگریس کو صاف صاف جواب دے دو۔ لارڈ ولنگٹن کی طرح۔ وائسرائے کہتا ہے کہ یہ لارڈ ولنگٹن کا زمانہ نہیں۔ آج کانگریس کی آٹھ صوبوں میں وزارتیں ہیں۔ کل کو اگر چاہیں تو یہی وزارتیں واپس لے سکتے ہیں۔ لیکن جناح صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ جب تک تم کانگریس کو دو ٹوک جواب نہ دو۔ اور بات ختم نہ کر دو۔ ہم تم پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ کانگریس کی اور وزارتوں کی بات ہوئی۔ ایک وزارت میں بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ اور وہ بھی صوبہ سرحد کی وزارت۔ ایک گزشتہ ملاقات میں وائسرائے نے جناح صاحب کو کہا تھا کہ اگر تم کوشش کرو تو صوبہ سرحد میں وزارت نہیں بن پائے گی۔ جناح صاحب نے وعدہ کیا تھا۔ میں اپنے ساتھیوں سے ملاقات کر لوں گا تو پھر بتا دوں گا۔ پھر اس بات کے متعلق کہتا ہے کہ میں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم خود سے وزارت بنانے کے قابل نہیں لیکن اگر گورنر سر جارج کیننگھم ان کی مدد کرے تو پھر کام بن سکتا ہے اور پھر جناح صاحب نے اس وزارت کے بنانے کی خبریاں اور فوائد بیان کئے کہ سب وائسرائے ضرور کیننگھم کو بتا دے:

Mr. Jinnah added that he was most anxious if possible to put this through, as he was convinced that there could be no more salutary Lesson for Congress and no better advertisement of the real position in India, whether before the country or through out the world that a non-Congress ministry should be established in the N.W.F.P. He was therefore most anxious to bring this matter to successful issue.

ترجمہ:- "مسٹر جناح نے مزید کہا کہ اگر ممکن ہے تو وہ یہ بات آگے بڑھانے کے لئے بہت بے چین ہیں کیونکہ سرحد میں غیر کانگریسی وزارت کے قیام سے زیادہ کانگریس کے لئے اور کوئی بات غیر سودمند اور نقصان دہ نہیں ہو سکتی اور خود ملک میں بھی اور باہر بھی ہندوستان کی

حقیقی صورت حال کی تشہیر کے لئے اس سے بہتر اور کوئی موضوع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کی زبردست خواہش ہے کہ اس مسئلہ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔"

حقیقت بھی یہی تھی کہ مسلم لیگ اور انگریز کی مشترکہ پالیسی اور منصوبے میں سب سے بڑی رکاوٹ بھی صوبہ سرحد تھا۔ کیونکہ اس صوبے میں ہندوستان کے سب صوبوں سے مسلمانوں کا تناسب زیادہ تھا اور یہی صوبہ دوس کی طرف سرحد پر بھی واقع تھا۔ وہاں جب مسلم لیگ کی بجائے خدائی خدمتگاروں کی وزارت ہوگی تو یہ بات نہ انگریز کی داخلی پالیسی میں اور نہ ہی خارجی پالیسی میں ٹھیک پہنچتی تھی۔ مطلب یہ کہ نہ کانگریس کے خلاف اور نہ ہی انگریز کی حکومت پر قرار رکھنے کے لئے یہ حکومت استعمال کی جا سکتی تھی۔ جناح صاحب کا اشارہ اس طرف تھا۔ اس صوبے میں ایک غیر کانگریسی حکومت قائم کرنا اس لئے ضروری تھا کہ ملک کے اندر اور بیرونی دنیا پر اس کا اچھا اثر پڑتا۔ تو اس لئے کننگھم کو چاہئے کہ وہ اس صوبے میں مسلم لیگ کی وزارت قائم کرے۔ حالانکہ حالت یہ تھی کہ اس صوبے میں گزشتہ انتخابات میں مسلم لیگ کے نام سے کسی نے انتخابات نہیں لڑا تھا۔ اس لئے اسمبلی میں مسلم لیگ کا ایک ممبر بھی نہیں تھا۔ وائسرائے نے تسلیم کر دیا ہے کہ۔

I would communicate his (Jinnah) views to the Governor. He and his friend would in due course and by one means or other, be put in possession of the governor's view.

ترجمہ: "میں مسٹر جناح کی تجویز کو گورنر تک پہنچا دوں گا جناح اور اس کے رفقاء مناسب وقت پر کسی نہ کسی صورت گورنر کے خیالات سے آگاہ کر دیئے جائیں گے۔"

اس سے صرف ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت مسلم لیگ اور انگریز بالکل ایک ہی مقام پر کھڑے تھے اور جس طرح جناح صاحب نے بڑی بے ہاکی سے یہ سوال کیا تھا کہ اب ہم کیا کریں گے، اسی طرح بے ہاکی سے وائسرائے نے بھی انجمنی سے ہاتھ نہیں کیے۔

لیکن جناح صاحب کو بھی یہ معلوم تھا کہ انگریز کے اپنے مفادات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ اپنا گروہ مضبوط کرے اور تو جھوڑیں اس نے وائسرائے کو یہ بھی تجویز پیش کی کہ وہ سندھ میں اللہ بخش سومرو کی وزارت توڑ دے۔ جناح صاحب وائسرائے کی جمہوریت والی بات کے جواب میں کہتا ہے:

"اللہ بخش سومرو کو بعد میں ایک سازش کے ذریعے سیاسی حریف ایوب کھوڑا سے انگریز استعمار نے قتل کر دیا کیونکہ وہ ایک قوم دوست سیاستدان تھے، اللہ بخش سومرو پاکستان موجودہ ساخت کے بجائے سندھ، بلوچستان، پنجتوخواہ اور کشمیر پر مشتمل ملک بنانے کے حامی تھے۔ انگریز پنجاب کے ہمراہ پاکستان نہیں بنانا چاہتا تھا کیونکہ اسے عسکری ٹکری یہاں سے ملتی تھی۔"

But the Chief Minister had made speeches recently copies of which he would send me, which made the position in Sind impossible if the Chief Minister remained in power. I said I would see the text of the item

ترجمہ:- لیکن وزیر اعلیٰ نے حال ہی میں جو تقاریر کی ہیں جس کی کاپی وہ مجھے بھیجے گا کے باعث اگر وزیر اعلیٰ پر سراقہ رہا تو سندھ میں صورت حال ناممکن ہو جاتی ہے میں نے کہا کہ ان کے متن دیکھوں گا۔“

انگریز کی یہ کوشش تھی کہ وہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو یہ سمجھا سکیں کہ وہ انگریز سے اگر کسی بھی بھلائی کی امید کریں تو انہیں چاہئے کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ وائسرائے نے نہ اس بات میں کبھی غار محسوس کی اور نہ ہی سستی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ یہاں تک تو آن پہنچا اور حالات کو بھی یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ وزیر ہند کو 21-2-40 کو لکھتا ہے کہ آپ بالکل نہ گھبرائیں اگر کانگریس ہمارے مقابلے میں آتی ہے تو:

All I can say is that if Congress are set on, having a fight here, they are going to have a fight not only with us, but with the Muslim (I am glad that Jinnah has made the statement).

ترجمہ:- ”مختصر یہ کہ اگر کانگریس یہاں مقابلہ کرتی ہے تو وہ نہ صرف ہم سے لڑے گی بلکہ مسلمانوں سے بھی لڑنا ہوگا۔ (میں خوش ہوں کہ مسز جناح نے اس بارے میں بیان دے دیا ہے)۔“

انگریز کہتا ہے کہ اگر کانگریس مقابلے کو نکلے تو میں کیسا نہیں ہوں۔ ”محبوبہ“ بھی ساتھ ہے۔ وائسرائے کہتا ہے کہ میں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنا بھٹو نہ مضبوط کر لیا ہے اور اس مرتبہ کانگریس کی لڑائی صرف انگریز سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے بھی ہوگی۔ میں حالات یہاں تک سازگار بنا چکا ہوں اور آپ کو کیا چاہئے۔ اس وقت مسلم لیگ کی حیثیت دیت کی پوری کی تھی جو انگریزوں نے اپنے سامنے رکھ کر مورچہ بنا دیا تھا کہ اگر کانگریس کی طرف سے وار ہوگا تو وہ اس پر پڑے گا۔ اگر پوری چھلنی ہو جائے تو اس سے انگریز کا کیا بگڑتا ہے اس کا مطلب تو صرف کانگریس کے وار سے اپنے بچاؤ تھا۔ اگر مسلمان اس بات پر رضامند تھا کہ انگریزوں کی غلامی کا طوق صرف اپنے گلے ہی میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے گلے میں ڈالے تو اس سے بڑھ کر نیکی وہ انگریزوں کے ساتھ اور کیا سکتا تھا۔

پاکستان کی مختلف تاویلیں

چونکہ انگریز نے عموماً اور وائسرائے لارڈ لنسٹھم کو نے خصوصاً مسلم لیگ کے رہنماؤں پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ برطانیہ کے حکمرانوں کو مثالی سیاست سے مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔ نہیں چاہئے کہ کوئی مثبت اور تعمیری منصوبہ پیش کریں اور ایسا ہی مطالبہ سرسکندر حیات کی معرفت مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کو بھی پیش کیا تھا۔ ہر ایک اپنی اپنی طرف سے مختلف طریقوں سے ایسا ہی منصوبہ بنانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ وزیر ہند کو وائسرائے نے لکھ دیا تھا کہ چودھری خلیق الزمان نے بمبئی کے گورنر Lunwely (لملے) کو کہا تھا کہ حکومت کو چاہئے، ہندوستان کو تین ڈومینین میں تقسیم کرے۔ یوں لگتا ہے کہ چودھری صاحب ہندو اور مسلم کے علاوہ والیان ریاست کی بھی ایک ڈومینین قائم کرنا چاہتا تھا۔

دوسری طرف سرحد کے گورنر سرجار ج کسٹنگھم نے وائسرائے کو لکھا ہے کہ جب سردار اورنگ زیب مسلم لیگ کی مرکزی مجلس عامہ کے اجلاس سے آیا، تو اس نے کہا کہ:

The scheme which they (Muslim League) were now contemplating would involve the creation of six or seven Indian dominions—and that this Novel scheme now holds the field in preference to the original Pakistan proposal.

ترجمہ:- ”مسلم لیگ ہندوستان میں چھ ریاست خود مختار ریاستیں بنانے کی اسکیم پر غور کر رہی ہے اور اس انوکھی اسکیم کے پردے میں ہی اصل پاکستان کی تجویز پنہاں ہے“

اس سے بہت پہلے وزیر ہند لارڈ زائٹ لینڈسرفیروڈ خان نون سے اپنی ایک ملاقات کا حال بیان کرتا ہے کہ میں نے اس سے تفصیلی باتیں کیں۔ اس نے کہا کہ ہندوستان کا شمال مغربی حصہ برما کی طرح ہندوستان سے الگ کر کے پاکستان کے نام پر ایک الگ مملکت بنا دیا۔ وزیر ہند کہتا ہے کہ:

I told him that I saw almost insuperable difficulties in the way

of our acceptance of such a policy.

ترجمہ:- ”میں نے کہا کہ اسکی پالیسی کو تسلیم کرنے کے معاملہ میں ہماری بے پناہ مشکلات ہیں۔“

فیروز خان نے جواب میں کہا۔ اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا۔

and he said, is that was so he would not himself encourage it when he returned to India.

ترجمہ:- ”اور اس نے کہا کہ اگر ایسا معاملہ ہے تو ہندوستان واپس جا کر اس پر توجہ نہیں دے گا۔“

(یہ خط 38-12-13 کا ہے)

یہ تو مختلف منصوبے تھے۔ کیمبرج کے ایک طالب علم چودھری رحمت علی کا پاکستان کا اپنا نظریہ تھا۔ سر محمد اقبال نے اپنی تجویز پیش کی۔ اب دیکھتے ہیں کہ بڑا استاد انگریز خود کیا کہتا ہے۔*

* حقیقت پاکستان چودھری محمد علی کی اپنی اخراج تھی چودھری صاحب اپنی کتاب Pakistan the Father Land of the Pakistan

(مترجم، قبال الدین احمد) میں لکھتے ہیں کہ سر شیخ محمد اقبال کا خطبہ الہ آباد ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی عید نہ رہے۔ یہ سب کا مطالبہ نہیں تھا بلکہ ہندوستان کے اندر مسلم یونٹ کا مطالبہ تھا اور پاکستان کا مطالبہ انہوں نے سب سے پہلے نوآریز کے ذریعے کیا تھا جن پر تین طالب علموں اسلم خٹک (آکسفورڈ) صاحبزادہ صادق (لاہور طالب علم) حمایت اللہ خان (ڈرنی طالب علم) نے دستخط کئے تھے۔ سر شیخ محمد اقبال نے ایڈورڈ تھا من کو خط لکھتے ہوئے اس اسکیم سے برأت کا اظہار کیا تھا یہ خط ان کے صاحبزادے جسٹس چوہدری اقبال نے زندہ دور میں نقل کیا ہے جس کی رد سے سر اقبال کہتے ہیں پاکستان میری سکیم نہیں میری سکیم ایک مسلم صوبے کے قیام کی تھی جو کہ انڈین فیڈریشن کا حصہ ہوگا جبکہ پاکستان سکیم علیحدہ ڈومین کی صورت میں گریٹ برٹین کا حصہ ہوگا۔ چودھری رحمت علی نے پاکستان کی طرح بنگالہ، سندھ اور عثمانیہ کی ریاستوں کا تصور بھی پیش کیا تھا۔ کیمینٹ مشن قبول کرنے کے بعد چودھری رحمت علی نے مسلم لیگ اور جناح صاحب کے خلاف The Greatest Betrayal (عظیم ترین غداری) نامی کتاب لکھی۔ جس میں جناح صاحب کو کوڑ لگ عظیم کا خطاب دیا واکم کوڑ لگ۔ ماروے کا غدار سیاست دان تھا جو تاریخ میں بہت بدنام ہے چونکہ پاکستان میں تاریخ سرکاری طور پر سچ کی جاتی ہے لہذا پرومیں سر شیخ محمد علی جیسے معروف نگار بھی اب 31 اگست 2005ء کو نوائے وقت میں Now or Never کو سر محمد اقبال سے منسوب کرتے ہیں۔ اس حوالے سے نئی تحقیق یہ ہے کہ چودھری رحمت علی ڈیرہ غازی خان میں حزاری قبیلے کے تعلق تھے وہاں انہوں نے سردار اسلم خان ملتانوی بلوچ سے پاکستان کا لفظ اور تجویز سنی تھی۔

انگریز کا پاکستان

یہ تو بچارے مسلمانوں کی اپنی تجویزیں تھیں۔ اختیار تو انگریز کا تھا۔ مسلمانوں کے رہنماؤں کا تو یہ حال تھا کہ جیسے فیروز خان نون کو انگریز کی رائے کا علم ہوا کہ وہ ہندوستان کی تقسیم نہیں مانتے۔ (1938ء میں) تو فیروز خان نون نے فوراً کہا کہ اچھا کہا کہ مجھے بتا دیا کہ پھر اس قسم کی کوئی بات منہ سے نہ نکالوں۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ انگریز کس چیز کے لئے تیار تھا اور کس منصوبے سے ان کے مقاصد پورے ہوتے تھے۔ آخر جب سکندر حیات خان اور مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی سے بات نہ بنی تو انگریز نے مسلمانوں کے تمام منصوبے نامنظور کر دیئے اور وائسرائے کے Vicroy Executive Council کے ایک ممبر چودھری ظفر اللہ* کو کہا گیا کہ تم دو ڈومینین کا ایک نقشہ پیش کرو۔ اس کے متعلق وائسرائے لکھتے ہیں 12-3-40 کو وزیر ہند کو لکھتا ہے۔

کہ میرے کہنے پر ظفر اللہ نے دو ڈومینین انٹینس کے متعلق ایک یادداشت لکھی تھی۔ جو میں پہلے بھیج چکا ہوں۔ کہتا ہے، میں نے کچھ اور وضاحتیں طلب کی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ تفصیلات میں بعد میں پیش کروں گا۔ لیکن اس کی (ظفر اللہ) یہ خواہش ہے کہ یہ بات کبھی بھی ظاہر نہ ہونے پائے کہ یہ خاکہ اس سے پیش کیا ہے۔ اس نے بہتہ مجھے یہ اختیار دیا ہے کہ میں جیسے چاہوں اس دستاویز کو استعمال کروں۔

I may do what I like with it including sending a copy to you;

thirdly that copies been passed to Jinnah and I think to Hydri

(Sir Akbar Hyde Prime Minister of Nizam Hyderabad) and

fourthly that which, he, 9 (Sir Mohammad Zafrullah)

* جب سر فضل حسین پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے تو انہوں نے اپنی جگہ اس رائے ایگزیکٹو کونسل کے لئے چودھری ظفر اللہ خان کو نامزد کر دیا تھا اس سیٹ کے لئے سر شیخ محمد اقبال بھی توقع ہمارے ہوئے تھے لیکن وہ ہے کہ وہ مختصہ دھن ہوئے اور اس زمانے میں چودھری صاحب کے مسلک کا دلائل کے خلاف بہت کچھ لکھا تھا چودھری ظفر اللہ عرصہ دراز تک اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے بعد میں ان خدمات کے عوض پہلے پاکستانی وزیر خارجہ بھی بنے۔

Zaffrullah, cannot of course admit its authorship, his document has been prepared for adoption by the Muslim League, with a view to being given the fullest publicity.

ترجمہ۔۔ ”میں اس سلسلہ میں جس طرح چاہے کر سکتا ہوں۔ ایک کاپی آپ کو بھیجنے کے علاوہ تین کاپیاں ایک مسٹر جناح اور ایک سر اکبر حیدری وزیر اعظم نظام حیدر آباد کے پاس جانیں گی اور جو تھے ظفر اللہ خان جو یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اس کا نام ظاہر کیا جائے کہ مسودہ اس نے تیار کیا ہے۔ اس کی یہ دستاویز مسلم لیگ کے اپنانے کے لئے تیار کی گئی تاکہ اس کی بھرپور تشہیر کی جائے۔

وائسرائے وضاحت کرتا ہے کہ مسودہ تو میرے کہنے پر تیار ہوا ہے۔ لیکن ظفر اللہ چونکہ مسلک کا قادیانی ہے۔ اگر مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ منصوبہ ایک قادیانی کا بنایا ہوا ہے تو پھر وہ شک میں پڑیں گے۔ وائسرائے کس تسلی سے مکمل کر رہتا ہے کہ اس کی ایک کاپی جناح صاحب کو دی گئی ہے تاکہ مسلم لیگ یہ منصوبہ اپنائے اور اس کی تشہیر کرے۔ یعنی کہ یہ جناح صاحب کی پالیسی اور مسلم لیگ کی سیاست بن جائے۔ سر اکبر حیدری کو ایک کاپی اس غرض سے دی گئی ہے کہ اس کے نئے مالی امداد کی ذمہ داری ان کی تھی۔ ان تاریخوں کو ذرا غور سے دیکھیں۔ یہ خط وائسرائے نے 40-03-12 کو لکھا ہے۔ منصوبہ تو پہلے ہی بھیجا جا چکا ہے اور مسلم لیگ نے یہی منصوبہ لاہور میں قرارداد پاکستان کے نام سے اپنے سامانہ اجلاس میں منظور کر لیا اور تشہیر کی (مارچ میں سر ظفر اللہ کی ایگزیکٹو کونسل کی ممبری کی معیاد ختم ہو رہی تھی۔ اسے ان خدمات کے صلے میں توسیع دی گئی)۔“

مسلم لیگ کی اس تجویز کے پاس ہونے کے دو دن بعد وائسرائے 40-3-25 کو لکھتا ہے:

”چونکہ جو ہدای ظفر اللہ خان نے وائسرائے سے یہ بات خفیہ رکھنے کی درخواست کی تھی لہذا تادم آفر بلکہ خفیہ دستاویزات کے منکشف ہونے تک کسی کو معلوم نہ ہوا کہ قرارداد لاہور ظفر اللہ خان نے لکھی ہے یہی وجہ ہے جو ہدای ظفر اللہ خان جنہوں نے قرارداد لاہور کی منظر پارک میں تائید کی تھی وہ بھی اپنی مشہور زمانہ کتاب ”پاتھ وے ٹو پاکستان“ صفحہ 297 پر لکھتے ہیں میں نے اپنی کوشش کی کہ پتہ لگاسکوں کہ اس تجویز کا مسودہ کس کا ہے مگر آج تک اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ عبدالرحمن صدیقی نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے سر سکندر حیات سے پوچھا تھا کہ کنڈراٹ کس کا ہے؟ تو انہوں نے کہا یہ تم اپنے صدر اور بیکر فری سے پوچھو۔ بہر حال یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ کنڈراٹ کسی ہندوستانی یا مسلم کا نہیں کیونکہ مسلم لیگ کے ریزولوشن تو میں برمن اور نواب اسامیل خان تیار کرتے تھے اور مسلم لیگ میں اس وقت ہم سے بڑھ کر کوئی ڈراٹ تیار کرنے والے نظر نہیں آتے تھے۔

As Congress are putting forward a perposterous claim (of being representative of the majority) which they know is incapable of acceptance he (Jinnah) equally will put forward just as extreme a claim, of the impracticability of realising which he is probably just as well aware but the existence of which will (1) while reaffirming the Muslim attitude of hostility to Congress claim, (2) take away some, at any rate of the damagings charges which has hitherto to been levelled against them (Muslim League) that they have no constructive ideas of their own.

ترجمہ:- جیسا کہ کانگریس اکثریت کی نمائندہ ہونے کا مہمل دعویٰ کر رہی ہے جبکہ وہ جانتی ہے کہ مسٹر جناح کو یہ ناقابل قبول ہے اور وہ اس کے مقابلے میں ایسی انتہا پسندانہ دعویٰ کرے گا جس کے حصول کے ناقابل عمل ہونے کا انہیں بھی اتنا ہی علم ہوگا مگر جس کے ذریعے وہ کانگریس کے دعوے کی مسلمانوں کی جانب سے مخالفت کا اعادہ کرنے کے ساتھ ساتھ کس حد تک ان پر عاید ہونے والے الزام سے بھی بچ سکیں گے کہ ان کے پاس اپنے کوئی حقیقی خیالات نہیں ہیں۔

وائسرائے بیچارہ تو چیختا رہا کہ کوئی منصوبہ پیش کرو۔ لیکن جب دلوں سے پورا نہ ہو سکا تو مجبوراً اپنا منصوبہ پیش کر لیا۔ یہاں بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو مسلمانوں سے سروکار نہیں۔ کامیابی اور کامیاب کرانے کی محجبا نفع نہیں۔ کہتا ہے کہ جناح صاحب کو معلوم ہے کہ یہ کام ہونے کا نہیں۔ لیکن انگریز تو اپنا مطلب نکال رہا تھا۔ ایک تو کانگریس کے خلاف مسلم لیگ کو نکالا۔ دوسری طرف مثبت اور تعمیری تجویز جب دیکھتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ انگریز اس کٹھ پتلی کے کھیل سے کتنا خوش ہوتا ہوگا۔*

”چوہدری علیق الزمان اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جب فضل الحق نے قرارداد اور پیش کی تو مسٹر جناح نے مجھے اس کی تائید کرنے کو کہا میں نے نہ چاہے ہوئے اس کی تائید کی ہوں لگتا ہے جیسے انہیں احساس تھا کہ وہ کسی غیر فطری و غیر منطقی مسئلے کے مرکب اور ہے ہیں اس لئے ہاتھ دے لو پاکستان مسودہ 792 پر لکھتا ہے کہ آج جب غور کرنا ہوں تو میرے روئے کھٹے کڑے ہو جاتے ہیں ہم چلے تھے کل انتخاب کا دعویٰ کرنے اور ہم نے اپنی عرضی دعویٰ میں ہی اپنے پیاس لیسر دعویٰ کو قلم زد کر دیا میری وہ رات بوی بے چینی سے گزری جس رات قرارداد کی تائید کی مگر یہ سوچ کر حاموش رہا کہ اگر اس وقت میں کوئی صورت اختلاف کی کرتا ہوں تو مجھے کامیابی ہو یا ناکامی بہر حال مسلم لیگ کا نظام یقیناً درہم برہم ہو جائے گا۔ اس سے اعادہ ہو سکتا ہے کہ مسلم لیگ کا سنجیدہ طبقہ اس قرارداد کے نتیجے میں آگاہ تھا لیکن بہر حال یہ قرارداد اس رائے کی طرف سے آئی تھی لہذا اس کا منظور کرنا کوئی امر الہی کے مترادف ہو چکا تھا۔

مسلم لیگ انگریز کی پارٹی

جب مسلم لیگ نے وائسرائے کی طرف سے سر ظفر اللہ کے منصوبے کو لاہور میں قبول کر لیا تو اب انگریز بالکل مطمئن ہو گیا کہ مسلم لیگ پر تکیہ کر سکتا ہے کہ انگریز کی پالیسی کو سو فیصد چلائے گی۔ اور کانگریس کے مقابلے کے لئے خود بخود تیار ہوگی۔ اب انگریز کے لئے یہ فیصلہ لازمی اور فطری تھا کہ اب وہ سوائے مسلم لیگ کے کسی اور کی قسم کی حیثیت بھی ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔

انہیں دنوں میں قوم پرست مسلمانوں کا ایک بہت بڑا نمائندہ اجلاس دہلی میں ہوا۔ جس کی صدارت سندھ کے وزیر اعلیٰ اللہ بخش سومرو نے کی۔ وزیر ہند مارڈ زٹینڈ نے اس اہم کنونشن کے متعلق وائسرائے سے پوچھا۔ وائسرائے (40-5-14) کو یوں لکھتا ہے:

I attach no particular importance to the Delhi conference of the Muslim which took place a few days ago. It has been well organised and the Congress press machine has written it up admirably—we both are, of course, aware that there is no important Muslim element outside the Muslim League—Indeed I am sure that Jinnah remained the man to deal with on Muslim side.

ترجمہ:- چند دن قبل دہلی میں مسلمانوں کی جو کانفرنس ہوئی میں اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا۔

صروف لکھاری پریز ہداری کی کتاب Sir Zafar ullah-contribution of the freedom Movement

میں سر ظفر اللہ خان نے خود اعتراف کیا ہے کہ وہ جس رائے کی بھاپا نہیں لے کر ارداد پاکستان کا ارادت تیار کیا تھا لیکن انہوں نے اپنا نام ظہیر رکھا۔ جبکہ اس سلسلے میں ان کی آخری دنوں میں جنرل ضیاء کی آمریت میں لیا گیا زبردستی کا ایک بیان دربار بھالا جاتا ہے جس میں اس بات کی تردید کوشش کروائی گئی ہے تاریخ مسخ کرنے کی پابجائی کھانا کی حرکت ہے۔

یہ کافی منظم تھی اور کانگریس پر یس نے اسے کافی اچھا لگا اور بے حد تعریف کی تھی۔ ہم دونوں سمجھتے ہیں کہ مسلم لیگ سے باہر مسلمانوں کا کوئی خاص و حصر موجود نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسز جناح ہی ایسا آدمی ہے جس سے مسلمانوں کے بارے میں طے کیا جاسکتا ہے۔“

کانگریس کا ساتھ دینے والے مسلمانوں کو انگریز کسی گنتی میں نہیں ڈالتے۔ جو اپنے ملک کی آزادی کے لئے کوششیں کرتے رہے اور قوم کو انگریز کی غلامی سے نکالنے کے لئے کانگریس سے مل کر جدوجہد کر رہے تھے بلکہ انگریز تو انہیں مسلمان مانتے سے بھی انکاری تھا۔ جو مسلم لیگ سے باہر وہ کراچی تنظیم بناتے رہے۔ بلکہ یہ ہزار سے زیادہ نمائندے جو ایک منتخب وزیر اعلیٰ کی سرکردگی میں جمع ہوئے تھے۔ انہیں تو انگریز تسلیم ہی نہیں کر رہا تھا اور وزیر ہند کو کھل کر لکھتا ہے۔ یہ ہمارا آدمی جناح ہے اور اسے تمام مسلمانوں کا نمائندہ تسلیم کرتے ہیں۔

خاکسار سے بھی عجیب پوزیشن خاکساروں کی تھی۔ باقی مسلمانوں پر تو اعتراض تھا کہ وہ انگریزوں کا ساتھ نہیں دے رہے بلکہ خاکسار نے تو ادا کی پیکش بھی کی تھی۔
جیسے وائسرائے 24-5-40 کو لکھتا ہے:

Meanwhile the Khaksars have formally renewed their offer to me of 50,000 men to help in War

ترجمہ۔ ”اس دوران خاکساروں نے جنگ میں پچاس ہزار آدمیوں کی پیکش کو میرے لئے دوبارہ دہرایا ہے۔“

ان بھائیوں نے تو انگریز کے ساتھ جرمن کے خلاف جنگ لڑنے کی بھی پیکش کر دی تھی۔ لیکن انگریز کہتا ہے کہ جناح کا بیان واضح ہے۔

Formal statment by Jinnah that he accepts no reponsibility for Khaksars or their activities that they have declined to accept his advice.

ترجمہ۔ ”لیکن اس معاملے میں مسز جناح نے اپنے روائتی بیان میں خاکساروں سے متعلق ان کی کسی سرگرمی کے بارے میں ذمہ داری قبول کرے سے انکار کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کی تجویز پر غور کرنے سے انکار کر دیا ہے۔“

وائسرائے اپنے ذہن اور پالیسی میں بالکل واضح ہے کہ خاکسار چونکہ جناح صاحب کی ہدایت

نہیں مانتے اس لئے وائسرائے کہتا ہے۔

That considering to present Attitude of the Khaksars in the Punjab would not be advisable for me to enter into any correspondent with them or their leaders, and I propose accordingly to leave the Telegram unanswered.

ترجمہ:- ”پنجاب میں خاکساروں کے رویہ کو مد نظر رکھتے ہوئے میرے لئے ان سے اور ان کے رہنماؤں سے مزید رابطہ رکھنا مناسب نہیں اور میری تجویز ہے کہ ان کی پیشکش کے تار کا کوئی جواب ہی نہ دیا جائے۔“

انگریز تو کھل کر یہ کوشش کر رہا تھا کہ ہر ایک ہندوستانی مسلمان پر یہ بات واضح کر دے کہ انگریز سوائے جناح صاحب اور مسلم لیگ کے اور کسی کو تسلیم نہیں کرتا۔ اگر کوئی چاہتا ہے کہ انگریز اسے تسلیم کر لے تو مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ کانگریس کے خلاف تو انگریز کو ایک مضبوط بہانہ ہاتھ لگا تھا کہ انہوں نے چونکہ ہمارے ساتھ جنگ میں مدد نہیں کی۔ اس لئے ہم ان سے تعاون نہیں کرتے۔ لیکن خاکساروں نے تو بچوں ہزار رضا کاروں کی خدمات پیش کر دی تھیں۔ لیکن خاکسار چونکہ جناح صاحب کی بات نہیں مانتے۔ اس لئے وائسرائے ہند اتنی اخلاقی گراوٹ اپنا چکا تھا کہ ان کے تار کا جواب بھی عداوت اور قصد نہیں دیا۔

لارڈ زینڈ کی معیاد پوری ہو گئی۔ اس نے اپنا آخری الوداعی خط 40-5-14 کو لکھا۔

I.S. Amery (آئی۔ ایس۔ ایمرے) نے وزیر ہند مقرر ہوئے۔ اس نے اپنا پہلا خط

16-5-40 کو لکھا ہے۔

صوبائی وزارتیں اور جناح صاحب

جب ہندوستان کے آٹھ صوبوں سے کانگریس نے وزارتوں سے استعفیہ دے دیے تو صوبوں میں دفعہ 93 کے تحت گورنر کی ذاتی حکومتیں قائم ہوئیں۔ یعنی گورنر راج شروع ہوا۔ جناح صاحب نے وائسرائے سے درخواست کی کہ ان صوبوں میں سیاسی اور غیر سرکاری ایڈوائزری یعنی مشیر مقرر ہوں۔ یعنی مطلب یہ تھا کہ جن صوبوں میں کانگریس نے وزارتیں چھوڑ دی ہیں۔ وہ مسلم لیگ کی طرف سے مقرر کئے ہوئے مشیروں کے حوالے کر دی جائیں۔ جب اسے دیکھا جائے تو یہ ایک عجیب ناروا مطالبہ تھا۔ یعنی جناح صاحب کے قول کے مطابق کانگریس (یعنی ہندوؤں) کے صوبوں کا اختیار بھی جناح صاحب کو سونپ دیا جاتا۔ اور ایسے حالات میں کہ اور تو چھوڑیں کہ ان صوبوں میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ بلکہ کسی ایک صوبے میں بھی مسلم لیگ کی حکومت نہیں تھی۔ لیکن جب جناح صاحب نے انگریز کی مرضی کے خلاف مطالبہ کرنے کی جرات کی تو وائسرائے نے 10-7-40 کو لکھا:

I hope that Jinnah will not continue to press his extra vagant claims.

ترجمہ۔ ”مجھے امید ہے کہ مسٹر جناح اپنے بے بنیاد دعویٰ پر زیادہ اصرار نہیں کریں گے۔
لیکن اگر آرام سے نہیں بیٹھتا اور اپنے اس ناروا مطالبے پر مصر رہا تو۔

If he does I think myself that we may definitely have to consider whether we should continue the effort which I so far made to keep the Muslim together whether we should not let the balance of the Muslims League as represented by Sikandar Fazalul Haq have their break represented Jinnah. But I do not want to see such a break if we can reasonably avoid it.

ترجمہ۔ ”اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو مجھے سوچنا پڑے گا کہ مسلمانوں کو کٹھا کرنے کی اپیل

جو میں نے کوششیں کی ہیں ان کو جاری رکھا جائے یا نہیں۔ ہمیں اس تو دن کو نہیں چھوڑنا چاہئے جو سکندر اور فضل حق کے جناح سے ٹوٹنے سے بگڑے گا۔ میں ذاتی طور پر ٹوٹ کے خلاف ہوں اور ہمیں حتی المقدور کوشش کرنی چاہئے کہ یہ ٹوٹ نہ ہو۔
انگریز جناح صاحب در مسلم لیگ کی حیثیت اور حقیقت کو جانتا تھا۔ جیسے 28-8-40 کو

لکھتا ہے

I hope that Sikander and Fazlul Haq will be able to bring pressure on Jinnah to make him to be the line, if he does not I shall go without him

ترجمہ:- ”مجھے امید ہے کہ سکندر اور فضل حق جناح کو راہ راست پر لانے کی پوزیشن میں ہیں اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو میں اس کے بغیر ہی کام چمکوں گا۔“

انگریز اس سے اچھی طرح واقف تھا کہ مسلم لیگ کی کوئی بنیاد نہیں۔ وہ انگریز کی جیسا کہیوں پر کھڑی ہے۔ سریقینا و پر ہے لیکن جب انگریز چاہے کہ اپنی پیس کہیں کھینچ لیں۔ تو مسلم لیگ اوندھے منہ گر پڑے گی اور کہیں ٹھکانہ نہ ملے گا۔ انگریز کو یہ بھی تسلیم تھا کہ مسلمانوں میں کبھی بھی اسے کام لیسوں کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ اگر ایک طرف سکندر حیات خان اور مولوی فضل حق مسلمانوں میں اپنی ایک حیثیت کے مالک تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں کے منتخب حکومتوں کے سربراہان تھے۔ تو دوسری طرف جب یہ بات پھیلی کہ انگریز جناح صاحب سے ناراض ہے تو ہر ایک مسلمان نے اپنی خدمات پیش کرنی شروع کیں۔

اس سلسلے میں وائسرائے سر حیدری کے متعلق لکھتا ہے (جو نظام حیدر آباد کا وزیر اعظم تھا)

29-8-40

You may be amused to hear that Haidri, during our conversation a few days ago, coyly hinted to me, that if there should be trouble with Jinnah and the Muslim League there was at any rate a very prominent Muslim, who could steer the country through the trouble waters that may lie ahead.

ترجمہ:- ”آپ کو یہ سن کر حیرت انگیز خوشی ہوگی کہ مجھے دنوں ملاقات کے دوران حیدری نے مجھے اشارہ دیا کہ اگر مسلم لیگ یا مسز جناح کچھ گڑباز کریں تو بہر حال ایک نامور مسلمان

موجود ہے جو ملک کو اس پیچیدہ صورت حال سے نکال سکتا ہے اور سنبھال سکتا ہے۔“

وائسرائے کہتا ہے کہ میں نے شکریہ ادا کیا کہ نظام کی نمائندگی تمہارے لئے بہتر تھی۔ وائسرائے کو معلوم تھا کہ یہ عاشق و معشوق کے ناز و غرے سیای کھلاڑیوں کی عادت ہے۔ انگریز ارادنا جناح صاحب اور مسلم لیگ کو اتنی اہمیت بتا رہا تھا اور انہیں صرف اتنا با اختیار سمجھتا تھا کہ اگر کل کو کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان کوئی تصفیہ کی بات چل نکلے۔ تو جناح صاحب اس مقام پر پہنچ چکے ہوں۔ جہاں سے ان کا واپس آنا خود ان کے لئے بھی محال ہو۔ اس وجہ سے جناح صاحب جتنی بھی ناجائز بات کرے تو انگریزوں سے دھم دھم بیٹھا رہے گا۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ مسلم لیگ کی جماعت کی سب طاقت اور حیثیت انگریز کے اپنے ہاتھ میں ہے جیسے وائسرائے کہتا ہے کہ یا تو جناح صاحب ہماری پالیسی چلائے گا اور یا پھر خود بغیر اس کے اپنا راستہ بناؤں گا۔ لیکن کوشش یہ ہے کہ

I still think it important to hold the Muslim League together if we can do so and in those circumstances there is nothing for it but to be patient with Jinnah, though one's patience is beginning definitely to run out.

ترجمہ۔۔۔ ”میرا اب تک یہ خیال ہے کہ مسلم لیگ کو (اپنی) گرفت میں رکھنا ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ اگر ہم یہ کر سکیں جبکہ ان حالات میں چنداں مشکل نہیں لیکن جناح صاحب کے ساتھ تحمل مزاحی کا برتاؤ کرنا چاہئے اگرچہ اس میں تحمل مزاحی شروع ہی سے نہیں ہے۔“

اسی دوران جناح صاحب نے حکومت ہند سے یہ مطالبہ کیا۔

"That the Muslim League should be taken in to full and equal partnership with H M Govt. in the ruling of this country & authority share with them"

ترجمہ۔۔۔ ".... کہ مسلم لیگ کو "پریزیڈنسی" کی گورنمنٹ میں اس ملک پر حکومت کرنے کے سلسلے میں مکمل اور مساوی شراکت اور اختیارات میں حصہ (ملنا) چاہئے" 5-9-40 کا وائسرائے کا خط۔

یعنی مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان کے سب کے سب ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی اچھوت اپنی اپنی جگہ رہ جائیں گے اور ہندوستان کی حکومت انگریز اور مسلم لیگ برابر کی حیثیت سے چلائیں گے۔ یعنی کہ اب مسلم لیگ تمام کے تمام ہندوستانیوں کی نمائندگی کی دعویدار تھی۔

وائسرائے کی یہ کوشش تھی کہ کانگریس کے بغیر ایک مشاورتی کونسل بنائے۔ اچھوت لیڈر امبیڈکر اور ہندو مہاسجا کے لیڈر اینے (Aney) سے بات ہو چکی تھی لیکن اس میں چونکہ جناح صاحب کو مکمل اختیار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ اس لئے اس نے شمولیت سے انکار کر دیا۔ اس وجہ سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا اور وائسرائے نے اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ جناح صاحب سے پوچھتے کہ 1937ء کے انتخابات میں اس کی نمائندہ حیثیت کیا تھی۔ وائسرائے کو اچھی طرح معلوم تھا جیسے 19-9-40 کو خود لکھتا ہے:

He (Jinnah) is subjected to very considerable criticism for various sections of the community. He has against him the Prime Ministers of the two majority Muslim provinces, the line he has been taken is unsympathetic to large numbers of Muslim of position even in Muslim minority provinces such as Bihar & U P

ترجمہ:- ”مسٹر جناح پر مسلمانوں کے مختلف دھڑوں کی طرف سے اعتراضات ہو رہے ہیں۔ مسلم اکثریت صوبوں کے دو وزرائے اعلیٰ بھی اس کے خلاف ہیں۔ مسٹر جناح کے نقطہ نظر کے بارے میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کا جو سوسائٹی میں مقام رکھتے ہیں۔ غیر ہندو راجہ رویہ ہے بلکہ اقلیتی صوبوں میں بھی مثلاً بہار اور یوپی میں بھی ایسی صورت حال ہے۔“ *

پنجاب اور بنگال کے علاوہ باقی دونوں مسلمان اکثریتی صوبوں یعنی سندھ اور سرحد میں بھی جناح صاحب کی مخالف تنظیمیں موجود تھیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود بھی وائسرائے کہتا ہے۔

Indeed I am sure Jinnah is the man to deal with on Muslim side.

ترجمہ:- ”لیکن مجھے پھر بھی یقین ہے کہ جناح ہی وہ آدمی ہے جس سے مسلمانوں کے بارے میں بات چیت کی جاسکتی ہے۔“

* اس کی وجہ جناح صاحب کا خوجہ اسماعیلی آفاخان ہونا تھا جنہیں علماء مسلمان نہیں گردانتے جیسے کہ شرف علی تھانوی اپنی کتاب ”یوادر انوار“ میں، اسماعیلی آفاخان کو قطعی کافر قرار دیتے ہیں انسا نیکلو پیڈیا سما معلوم مرتب، ممتاز علی تاج، مدین صادق علی کی رو سے جناح کا نام اصل میں مامدان جینا سر آفا خان کی والدہ محترمہ لیڈی علی شاہ نے خوجہ روایت کے مطابق رکھا تھا جی وجہ ہے کہ عام مسلمان علماء ان کے مخالف تھے۔

مسلم لیگ کو قائم رکھنے کے سلسلے میں جتنی مشکلات درپیش تھیں۔ انگریزوں نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ سے ایک ایک کر کے حل کرنا ہے۔ مثلاً پنجاب۔ یہاں سر سکندر حیات کی سربراہی میں یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی۔ اس میں ہندو اور سکھ بھی شامل تھے۔ یہاں جناح صاحب اور مسلم لیگ جتنا تقسیم ہند کے مسئلے پر زور ڈالتے تھے اتنی ہی پنجاب میں سکندر حیات خان کے لئے مشکلات پیدا ہو رہی تھیں چونکہ ہندوستان کے اندر غیر مسلم یہ حالات دیکھ رہے تھے تو انہوں نے یہ مطالبہ شروع کیا کہ پاکستان کے مطالبے اور تجویز کے متعلق انگریز اپنی پالیسی کا واضح اعلان کرے۔ وائسرائے اس اعلان کی مخالفت میں لکھتا ہے:

(41-3-1 مورخہ)

It should not only be a mistake but it would be very near a breach of faith, were we to do anything of the sort.

ترجمہ: "اگر ہم ایسا کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو یہ نہ صرف غلطی ہوگی بلکہ باہمی اعتماد کو بھی دھچکا لگے گا۔"

اور اسی لئے وائسرائے اس خط میں لکھتا ہے کہ سکندر حیات آئے اور مجھے کہا کہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ساتھ پاکستان کے مسئلے پر میرا اختلاف رائے ہے اور میں اس کی کمیٹی سے استعفیٰ دے رہا ہوں۔ لکھتا ہے کہ میں نے خود اسے نہیں کہا۔ لیکن پنجاب کے گورنر سر ہنری کریک Sir Henry Craik کو کہا کہ تم سکندر حیات کو استعفیٰ دینے سے منع کرو اور پھر اس کی وجہ بیان کرتا ہے

This is not the moment at which I want to be any split in the Muslim League which I think is very important (tiresome and its activities may be in some ways) to maintain as a solid political entity.

ترجمہ: "یہ موقع نہیں ہے کہ میں چاہوں کہ مسلم لیگ میں انتشار ہو جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت ضروری ہے کہ مسلم لیگ اپنی ٹھوس سیاسی بنیاد بنائے۔ اگرچہ کس طرح سے اس کی سرگرمیاں تکلیف دہ رہی ہیں"

اور مسلم لیگ کی تنظیم میں دلچسپی کیوں ہے۔

That is the more desirable since we are moving into the next phase of Gandhi Satyagraha campaign and any fissure in the Muslim ranks, more particularly over this vital question of

Pakistan——would be a very great encouragement to the anti-war party and might will make our position in dealing with the Satyagraha more difficult.

ترجمہ۔ ”یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ہم مسٹر گاندھی کی سٹیج گرہ تحریک کے دوسرے مرحلے میں داخل ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کی صفوں میں کسی قسم کا انتشار اور خاص طور پر پاکستان جیسے اہم سوال پر ہونے سے جنگ کی مخالف قوتوں کی انتہائی حوصلہ افزائی ہوگی اور سٹیج گرہ تحریک سے ٹھٹھنے میں ہماری پوزیشن کو مشکل سے دھچکا کر دے گی۔“

انگریز کو مسلمان سے کوئی سروکار نہیں۔ بار بار لگتا ہے کہ پاکستان ماننے اور چلنے والی چیز نہیں۔ لیکن انگریز تو اپنے بنیادی دشمن کانگریس کے مقابلے کے لئے کسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اس لئے تمام تر توجہ مسلم لیگ پر تھی کہ اگر کبھی بھی کانگریس نے انگریز کو لٹکارتا تو مسلم لیگ کھل کر انگریز کا ساتھ دے گی۔ سکندر حیات خان نے اپنے یونیٹ ساتھیوں کی تسلی کے لئے ایک بیان دیا جس کی طرف وزیر ہندائمر نے اپنے 41-10-8 کے خط میں اشارہ کیا ہے۔ اس بیان میں سکندر حیات خان نے تجویز پیش کی ہے کہ انگریز سرکاری اعلان کرے اور ایک مقررہ میعاد رکھے کہ اگر اس مقررہ وقت میں ہندوستان کے مختلف فرقوں نے آپس میں ایک مکمل فیصلہ نہ کیا اور متفقہ آئین منظور نہ کیا تو پھر برطانوی حکومت باہر مجبوری ہندوستان کے لئے اپنی فٹا کا آئین بنا دے گی۔ اس خط کے حاشیے پر دائسرائے ہند نے اپنے ہاتھ سے بہت بار یک لکھائی میں لکھا ہے:

And make if perfectly certain that the Muslim would refuse to play till the Limit (the situation will have) brought us in.

ترجمہ۔ ”اور اس بات کو یقینی بنادے کہ مسلمان اس معاملہ میں ہماری مرضی کے مطابق کردار ادا کرنے سے انکار کر دیں۔“

اس سال زیادہ واضح الفاظ میں دائسرائے اپنی پالیسی کا اعلان نہیں کر سکتا کہ انگریز کی صرف یہ کوشش تھی کہ مسلمان کسی صورت بھی صلح اور قسبے پر رضامند نہ ہوں۔ تاکہ اختیار انگریز کے سپرد کریں اور اس غرض اور مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انگریز اتنا کھل کر سامنے آیا ہے اور اس طرح سے اپنا ضمیر واضح کر دیا کہ کسی قسم کے شک کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ اس سلسلے میں سندھ کے وزیر اعلیٰ اللہ بخش سومرو کا ایک واقعہ بیان کرنے سے بات بالکل واضح ہو جائے گی۔ یہ تو پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ اسی اللہ بخش سومرو کی سربراہی میں قوم پرست مسلمانوں کا ایک اجتماع ہوا تھا۔ لازمی بات ہے کہ دائسرائے اس پر براہم تھا کیونکہ اس کا

مسلم لیگ کی پارٹی سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ وہ ایک صوبے کی منتخب اسمبلی کا نمائندہ تھا اور اسی صوبے کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے وائسرائے ہند کی ڈیفنس کونسل کا ممبر بھی تھا۔ اس کے باوجود بھی وائسرائے کالاب و لہجہ سخت بلکہ تنک آمیز تھا۔ وائسرائے کے استغفر پر اس نے کچھ تجاویز ڈیفنس کونسل کو پیش کیں۔ جس کے ذریعے ان فرقہ وارانہ اختلافات کی ایک حد تک پیش بندی ہو سکے اور یہ تجویز بھی پیش کی کہ جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد کو جو اس وقت قید تھے رہا کیا جائے۔ تجاویز پیش کرنے کے بعد پھر وائسرائے سے پوچھا۔ اس کے متعلق وائسرائے اپنے 11-10-41 کے خط میں لکھتا ہے۔

"When" he said " am I likly to hear from you have decided?" I replied, "you will hear nothing you are not are one of my advisres, but the Prime Minister of Sind --- I have not least intention of talking you how I propose to handle my business and I trust you understand that" He said " you are very frank " I said " I am bound to be frank this is my business and my responsibil ty

ترجمہ:- "جب اس نے کہا کہ میں تم سے سنتا چاہتا ہوں کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ تم مجھ سے کچھ نہیں سنو گے۔ تم میرے مشیروں میں سے نہیں ہو تم صرف سندھ کے وزیر اعلیٰ ہو۔ میری ذرا بھی خواہش نہیں ہے کہ تمہیں بتاؤں کہ میں اپنے معاملات کس طرح چلاتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ بہت بے ہاک ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اس بے ہاکی کے لئے مجبور ہوں۔ یہ میرا کام اور ذمہ داری ہے۔"

کرپس مشن

Cripps Mission

عجیب مذاق ہے۔ وائسرائے ہند اپنے ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ اور اپنی ڈیفنس کونسل کے ایک ممبر کو تو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ ان تجویز کے متعلق اس کی رائے معلوم کرے۔ لیکن دوسری طرف مسلم لیگ کے رہنماؤں کے ساتھ ملکی اور سیاسی معاملات میں صلاح مشورے اور اجلاس کرتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے اس لہجے اور انداز گفتگو کو ذرا دیکھیں۔ کتنا تکبر و فرعونیت ہے اس میں۔ انگریز کا مقصد صرف ایک تھا کہ ایک مسلمان پر یہ واضح کرے کہ مسلم لیگ سے باہر اور جناح صاحب کی لیڈری اور وفاداری کے بغیر وہ کسی بھی مسلمان کی حیثیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کے اکثریتی صوبہ کے منتخب اسمبلی کا وزیر اعلیٰ اور یا وائسرائے کی اپنی ڈیفنس کونسل کا ممبر ہی کیوں نہ ہو۔

انگریز کی یہ بھی کوشش تھی کہ بین الاقوامی سطح پر جناح صاحب اور مسلم لیگ کو دنیا کے ساتھ متعارف کرائے۔ انہیں دنوں حکومت چین کے سربراہ چانگ کائی شیک حکومت برطانیہ کی دعوت پر ہندوستان کے دورے پر آ رہے تھے۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ وہ گاندھی جی اور جواہر لال نہرو سے ملنا چاہتے ہیں۔ وائسرائے لکھتا ہے کہ یہ اس لئے بھی مشکل ہے کہ ان لیڈروں سے میری بول چال بند ہے لیکن خیر یہ بھی انتظام ہو سکتا ہے۔ لیکن فکر کی بات دوسری ہے جیسے 42-1-26 کو لکھتا ہے:

I know you would at once take the point of his seeing Jinnah as well as the other two, and I shall have to coax him to relieve the read of the Muslim League, whether he feels inclined or not."

ترجمہ۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ ان دو کے علاوہ مسٹر جناح کو بھی ملانا پسند کریں گے۔ میں انہیں یہ بات منانے کی کوشش کروں گا کہ وہ اس (مسٹر جناح) سے مسلم لیگ کے سربراہ کی حیثیت سے ملیں لیکن شاید وہ (چانگ کائی شیک) اس پر رضامند ہوں یا نہ ہوں۔"

چانگ کائی شیک اس بات پر مصر تھا کہ ہندوستان کے مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ جاپانی انگریز کی پٹائی کر رہا ہے۔ سنگاپور پر قابض ہو گیا تھا۔ براہ فتح کر ڈالا تھا اور اب ہندوستان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا تو چانگ کائی شیک خود بھی لگا ہوا تھا اور دوسری طرف امریکہ کی وساطت سے بھی انگریز پر زور ڈال رہا تھا کہ جیسے بھی ہو ہندوستان کے مسئلے کا کوئی حل نکالے۔ امریکہ کو اس بات میں بہت وزن محسوس ہو رہا تھا کہ انگریز کے اپنے انتخابات کے نتیجے میں کانگریس کی آٹھ صوبوں میں وزارتیں بنی تھیں اور آج ان آٹھوں صوبوں میں منتخب حکومتیں نہیں تھیں بلکہ گورنر راج کی بدولت انگریز خود حکمران تھا۔ امریکہ اس بات پر زور دے رہا تھا کہ آج کی جنگیں قوم کی حمایت کے بغیر لڑی نہیں جاسکتیں۔

انگریز کو خود بھی یہ احساس ہو چلا تھا کہ وہاں یورپ میں جو کچھ بھی ہو رہا تھا لیکن یہاں ایشیا میں اسے کافی نقصان پہنچ چکا تھا اور اس نے پہلی بار یہ محسوس کیا کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ انگریز کو ہندوستان سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ ان نئے حالات کی روشنی میں انگریز نے ایک بار پھر اپنی پالیسی پر غور کرنا شروع کیا۔ انگریز اب تک ڈٹ کر ہندوستان کے وفاق اور وحدت کے حق میں تھا۔ جناح صاحب اور مسلم لیگ کی وہ صرف اس لئے پیٹھ ٹھونک رہا تھا کہ جب تک کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان افہام و تفہیم نہیں ہوگی اقتدار خود انگریز کے ہاتھ میں ہوں گے اور تو اور اچھوت لیڈر امبیڈکر کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ:

He was perfectly content himself, he said, with that states of things and in favour of the Pakistan idea quite frankly, because it meant that the British would have to stay in India

ترجمہ:- "اسے مکمل اطمینان تھا۔ اس نے کہا کہ ایسی صورت حال میں پاکستان کی تجویز کی حمایت کے کھلے اظہار کا مقصد صرف یہ ہے کہ برطانیہ ہندوستان میں رہے"

۔ (وائسرائے کا خط 40-11-19)

لیکن اب جبکہ انگریز کو خدشہ لاحق ہوا کہ شاید اسے ہندوستان چھوڑنا پڑے۔ تو اس نے فیڈریشن اور وفاق کے متعلق اپنا اصرار چھوڑ دیا اور وہ کانگریس کو چھیڑنے اور تنگ کرنے کے لئے جو تقسیم کا منصوبہ سودا بازی کے لئے پیش کیا تھا۔ اسے سنجیدگی سے اپنی نئی پالیسی کے سلسلے میں سرٹیفورڈ کرپس کے ذریعے باقاعدہ ہندوستان بھیج دیا۔

ذرا غور کریں۔ یہ 1942ء کا زمانہ ہے۔ ابھی پاکستان کے مطالبے نے زور پکڑا ہے اور نہ ہی اس کے لئے مسلم لیگ نے کوئی تحریک چلائی ہے۔ لیکن اس وقت کے حالات کو اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو

اس سلسلے میں انگریز ہمہ وقت صرف اپنے مفادات کو مد نظر رکھے ہوئے تھا اور اس مقصد کے لئے ہر پہلو پر کھ رہا تھا۔ انگریز امریکہ سے مجبور تھا۔ ورنہ وہ تو کسی صورت بھی کانگریس کے رہنماؤں سے بات چیت کرنے پر آمادہ نہ تھا اور اس کے لئے اس کے پاس معقول بہانہ تھا کہ یہاں عالمی جنگ شروع ہے۔ جب امریکہ کے ہاتھوں مجبور ہوئے تو کانگریس کو تو بھیج دیا۔ لیکن دائسرائے کی بات بھی ذرا سننے کے قابل ہے تاکہ پتہ چلے کہ انگریز کی نیت پہلے ہی دن سے کیا تھی جیسے 23-3-42 کو لکھتا ہے۔

I know that I have considerable hopes that whether the scheme succeeds or fails, that is to say it is accepted or rejected, there maybe looking to the propaganda value involved in face of American opinion, a balance of credit our side.

ترجمہ۔ ”مجھے امید و ثق ہے کہ اسکیم کامیاب ہو یا ناکام، کوئی منظور کرے یا نا منظور۔ امریکیوں کی نظر میں ایک تشدد کا ہتھیار ہے جو ہماری پوزیشن کے توازن کو بہتر کرے گا۔“

وہاں وزیر ہند ایمرے دوسری طرح سے دیکھتا ہے اور اسی سلسلے میں اپنی پالیسی کی وضاحت بہت تفصیل سے کی ہے۔ اس نے اپنے 10-3-42 کے خط میں یہ بات بالکل واضح لکھی ہے

Consequently the only way out & incidentally a way of gaining a little time was to send some one to discuss and negotiate.

ترجمہ۔ ”آخر کار اس کا حل صرف انتقال طور پر تموزے سے وقت کا حصول ہے تاکہ کوئی جا کر ان سے بحث و تمحیص کر سکے“

اس طرح سے ایک تو وقت کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ دوسرے بیرونی دنیا کو غموں اور امریکہ کو خصوصاً یہ تاثر ملے گا کہ ہم بہت سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل چاہتے ہیں اور سی لئے ایک ذمہ دار وزیر کو بات چیت کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ انہیں پہلے دن سے یہ بات یقینی طور پر معلوم تھی کہ اس مسئلے میں افہام و تفہیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ جیسے وہ خود لکھتا ہے:

After all once it is laid down that there must be agreement & no coercion of important minorities then the only conclusion is that things must wait indefinitely.

ترجمہ۔ ”بالآخر ملے ہوا کہ اہم اقلیتوں سے جتنا تاخیر معادہ ہو جس کے نتیجے میں معاملات غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی ہوں۔“

لیکن وزیر ہند ایمرے اپنے مطلب کی بات بہت کھل کر لکھتا ہے۔ 24-3-42 کے اپنے خط میں
کچھ یوں لکھتا ہے:

Jinnah, I shall have thought will be content to real se that he
has now got his Pakistan in essence, whether as something
substantive or as a bargaining point.

ترجمہ۔ ”مجھے سوچنا پڑے گا کہ کیا مسٹر جناح یہ ماننے کے لئے رضامند ہوگا کہ اس نے اپنا
اصل پاکستان حاصل کر لیا ہے اور آیا وہ یہ مطالبہ بنیادی ضرورت کے تحت کر رہا ہے یا کسی
سوئے بازی کے لئے“

لازمی بات ہے کہ جب جناح صاحب کو یہ تسلی ہو کہ انگریزوں سے پاکستان دے رہا ہے تو اس سے
کون توقع رکھ سکتا ہے کہ وہ کانگریس کے ساتھ تصفیہ کرنے بیٹھ جائے اور پھر جب انگریز یہ شرط بھی سختی سے
رکھے کہ تصفیہ ضروری ہے اور ساتھ میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ بھی ضروری ہے۔ پھر تو جیت صرف انگریز کی
ہے اور کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔ جناح صاحب کو پاکستان نہیں ملے گا۔ کانگریس سے ان کی جیتی ہوئی حکومتیں
چھن جائیں گی اور انگریز ہا اختیار رہا دشاؤ تھا اور ہا دشاؤ رہ جائے گا۔

اسی خط میں وزیر ہند ایمرے نے دائسراے لے لیتے تھ گھو کو تسلی دی ہے کہ ہم نے جو تجویز کر رہے
کے ذریعے پیش کی ہیں وہ سب کی سب ہمارے ہی مفادات کی ہیں۔ وہ ایک ایک کر کے تجویز لگتا ہے۔

- (1) The viceroy will have to remain not merely as
constitutional Governor General, but as representative of
broader imperial aspect of govt. for a good long time to come.
- (2) Supposing that Pakistan does come off, there will possibly
be, two Muslim areas, the whole of the state, Hindu British
India (if that does not divide itself) & finally at least one
important primitive Hill tribe area.

ترجمہ۔ ”اگر پاکستان بن جاتا ہے جو یقیناً دو مسلم علاقوں پر مشتمل ہوگا باقی تمام ریاست ہند،
برٹش انڈیا۔ اگر وہ تقسیم نہ ہوئے تو کم از کم ایک انتہائی اہم پہاڑی علاقہ پر حکمرانی ہوگی۔“

تو جب یہ پورا ہندوستان اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور ایک مرکزی وفاقی حکومت نہ ہو تو
پھر ن مختلف یونٹوں کے لئے اپنی فوج، بحری اور ہوائی فوج رکھنا ممکن نہیں۔ یہ پھر انگریز کے محتاج ہوں گے۔

There will, therefore have to be some one in the absence of a Central Self Governing federal scheme to take control of these matters.

ترجمہ:- ”اس لئے ضروری ہے کہ وفاقی خود مختار حکومت کی تنظیم کی غیر موجودگی میں اس کے متبادل کے طور پر کچھ ہو جو ان معاملات کو کنٹرول کرنے کی ذمہ دار ہو۔“

یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین رکھئے کہ پہلے تو تہادیز ایسی ہیں کہ انہیں قبول کرنے کا مکان ہی نہیں اور جب تک کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا انتقال اقتدار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر یہ ناممکن ممکن بھی ہو جائے تو پھر بھی یہ سب کچھ انگریز کے مفادات ہی کے لئے ہے۔ البتہ یہ ہدایت کرتا ہے کہ غور سے سنو!

So what ever you do or agree to, you had better keep in mind the desirability of retaining Delhi and a considerable area around it, as an ultimate federal territory of an eventually united India & not it pass into the hands of any one of the "Dominions" that may temporarily emerge out of the first experiment in constitution making.

ترجمہ:- ”اس سلسلے میں آپ جو کچھ بھی کریں اور جس بات پر رضامند ہوں۔ ایک بات دھیان میں رہے کہ دہلی اور اس کے آس پاس کا مناسب علاقہ متحدہ ہندوستان میں ایک آزاد وفاقی علاقہ کے طور پر رکھنا ہے اور یہ کسی طرح بھی آزاد ہونے والی کسی بھی ایک خود مختار ریاست میں شامل نہیں کرنا ہے جو کہ آئین سازی کے پہلے تجربہ میں ظہور میں آئیں۔“

یہ کرپس مشن کی حقیقت تھی۔ یہ تھ منصوبہ اور یہی تھی پالیسی برطانوی حکومت کی۔ وزیر ہند نے کہا کہ اگر یہ منصوبہ منظور اور کامیاب بھی ہو جائے تو وائسرائے کو یہ ہدایات دیں کہ تم مرکز کو قابو رکھو۔ کیونکہ یہ تقسیم عارضی ہوگی اور آخر کار ایک بڑے پھر پورے کا پورا ہندوستان انگریز سامراجی نوآبادیاتی سلطنت کا حصہ بنے گا۔

وائسرائے وزیر ہند کو یہ تسلی دیتا ہے کہ کرپس مشن کے دوران میں نے باقاعدگی سے اپنا رابطہ جناح صاحب سے قائم رکھا ہے۔ جیسے 42-4-14 کو خط میں لکھتا ہے:

However I was at pains without delay & before Cripps left, to

sound Jinnah through Firoz Khan Noon who has been a most useful intermediary with the result which I have already reported to you by Telegram

ترجمہ:- 'بلا کسی توقف میں اس فکر میں رہا کہ مسٹر کرپس کے جانے سے پہلے مسٹر جناح کی فیروز خان نوں کے ذریعے رائے معلوم کی جائے۔ وہ (فیروز خان نوں) اس معاملہ میں ایک انتہائی مفید واسطہ رہا ہے۔ نتائج کے نتیجہ میں بذریعہ تار میں نے آپ کو رپورٹ کر دی ہے۔'

نتیجہ تو صاف ظاہر ہے کہ انگریز نے تقسیم کے اصول تسلیم کر لئے۔ کانگریس نہیں مانتی۔ عجیب حالت ہے تحریک کانگریس چلا رہی تھی۔ حکومت کے خلاف قربانیاں وہ پیش کر رہی تھی۔ جیل خانے اس نے بھرے۔ گولیاں اس نے کھائیں۔ وزارتیں چھوڑیں قربانیاں کانگریس کی اور مطالبے مانے جارہے تھے مسلم لیگ کے۔ جس کی نہ کوئی تحریک ہے۔ نہ قربانی۔ نہ ہی انتخابات میں کوئی کامیابی اور نہ ہی کوئی سیاسی قوت۔

سر سیٹھ فورڈ کرپس کو جس مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا۔ لگتا ہے اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا کیونکہ دائرے 42-6-7 کو وزیر ہند کو یہ خوشخبری سناتا ہے۔

Jinnah statements in the last few days have brought out emphatically the continued reluctance of the Muslim League to see any compromise reached except on their own terms.

ترجمہ:- "پچھلے دنوں میں مسٹر جناح کے بیانات سے واضح اظہار ہوا ہے کہ مسلم لیگ مسلسل اپنی رائے پر قائم ہے کہ وہ کوئی معاہدہ اپنی شرائط منوائے بغیر قبول نہیں کرے گی۔"

برطانوی دعویٰ کا کانگریس پر اطلاق

British Claimdown on Congress

انگریز اپنی ذاتی اغراض کی وجہ سے اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ اسے کسی قسم کے اخلاق یا اصول کی پروا نہ تھی۔ ایک طرف اگر مسلم لیگ کی کوئی سیاسی حیثیت نہیں تھی جس کا ثبوت انگریز کے اپنے کرائے ہوئے انتخابات سے مل چکا تھا اور تو اور مسلمانوں کی اکثریتی صوبوں میں بھی کوئی نمائندہ حیثیت نہیں تھی۔ اس کے باوجود انگریز انہیں یہ تسمیٰ دیتا رہا کہ وہ اسے سب مسلمانوں کی واحد نمائندہ تسلیم کرتا ہے۔ اس کے باوجود ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی کل آبادی کا $\frac{1}{4}$ تھی۔ یعنی 40 کروڑ میں سے تقریباً 10 کروڑ مسلمان تھے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ انگریز نے اس سوال سے بھی آنکھیں بند کر لی تھیں کہ اگر غیر مسلموں کے اکثریتی صوبوں میں جناح صاحب اپنی حیثیت تسلیم کروانا چاہتے ہیں تو انگریز ان کی یہ حیثیت تسلیم کرتا ہے لیکن کیا جناح صاحب کانگریس کو بھی یہی حقوق مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں دینے کو تیار ہیں اور آیا انگریز بھی یہی اصول مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں تسلیم کرنے کو تیار ہے جو غیر مسلموں کے صوبوں میں وہ تسلیم کر چکا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انگریز کو نہ مسلمان کی پروا تھی اور نہ ہی ہندو کی۔ اسے تو اپنے مفادات کی فکر تھی اور وہ سب کچھ کرنے کو تیار تھا جس میں اس کا، اس کے تاج و تخت کا فائدہ ہو۔ یہ بات واضح ہے کہ اگر کانگریس اور مسلم لیگ کا آپس میں فیصلہ نہیں ہوتا تو اقتدار انگریز کے پاس رہتا۔ انگریز کا فائدہ اس میں تھا کہ مسلم لیگ کو اس بات پر مجبور اور آمادہ کرے جس میں مسئلے کے حل اور تصفیے کا کوئی امکان نہ ہو۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ اس طرح سے اقتدار مسلم لیگ کے بھی ہاتھ نہیں آتا اور اس کی اس ہٹ دھرمی کا تمام تر فائدہ انگریز کو پہنچتا رہا۔

انگریز کا دوسرا مورچہ

کانگریس کی قومی تحریک کا راستہ روکنے کے لئے انگریز نے کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ حلال و حرام۔ جائز و ناجائز سب طریقے استعمال کئے۔ کانگریس اپنے مقام پر مضبوطی سے ڈٹی ہوئی تھی۔ وہ کسی صورت بھی ہندوستان کی آزادی اور حق خود ارادیت انگریز کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہ تھی اور تو انگریز نے اپنے نظریاتی مخالفین اور اپنے دشمنوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا اور ہر وہ سیاسی قوت جو انگریز کی حمایت کرنے کو تیار تھی یا اپنی سیاست کو انگریز کے لئے دائر پر لگا سکتی تھی۔ انگریز اس کا ساتھ دینے کو تیار تھا۔ چنانچہ وائسرائے نے ہندوستان کمیونسٹ پارٹی سے ہندش اٹھانے کی تجویز پیش کی اور سودا اس پر طے ہوا کہ ان کا لیڈر ایم این رائے کانگریس کی مخالفت کرے گا۔

وزیر ہند ایرا پنے 42-7-7 کے خط میں لکھا ہے۔

I believe there may be much to be said for giving much more encouragement to Ray (M N) and every kind of left wing, Communist, students peasants or trade union organisation— it may be that the elements we encourage may be not be reliable in the future, but they may be influenced in a better direction in the sunshine of official favour.

ترجمہ:- ”میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ ایم این رائے اور ہر طرح کے بائیں بازو کمیونسٹ۔ طالب علم۔ کسانوں اور ٹریڈ یونین تنظیموں کی حوصلہ افزائی کی جائے ممکن ہے کہ یہ عناصر جن کی ہم حوصلہ افزائی کریں گے۔ مستقبل میں ہمارے لئے قابل اعتماد ہوں۔ لیکن سرکاری حمایت کے ہوتے ہوئے ان کے اثرات کی سمت درست رہے گی۔“

انگریز کے مقصد کو جاننا مشکل نہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کا عظیم رہنما مسٹر ایم این رائے ایک طرف تو ملک اور آزادی کی مخالف قوتوں کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنے کو تیار تھا اور طالب علموں، مزدوروں، کسانوں اور ٹریڈ یونین کی تمام تنظیمیں اس بات پر آمادہ تھیں کہ اپنی تمام قوت نوآبادی سامراجی قوت کی حمایت پر صرف کریں اور دوسری طرف اسلام اور کمیونزم کے اس تعاون کو دیکھیں کہ کس طرح انگریز نے اپنی چالبازی سے شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پر پانی پینے کے لئے تیار کر دیا تھا اور کس طرح دو متضاد اور دشمن قوتیں اور نظریے انگریز کے سامراجی اور نوآبادیاتی مفادات کے لئے مل کر کام کرنے پر تیار ہو گئے۔

کانگریس کے مقابلے کی تیاری

اس وقت انگریز مطمئن تھا کہ میں نے والیان ریاست، اچھوت، مسلم لیگ، ہندو مہا سبھا، کمیونسٹ پارٹی اور اس کی سب ذیلی تنظیموں کو اپنی حمایت پر راضی کر لیا تھا۔ اب صرف کانگریس ہی کا سوچہ باقی رہ گیا تھا۔ جس کے ساتھ اس نے اپنا حساب کتاب برابر کرنا تھا۔ کمرہ مشن کی وجہ سے امریکہ کو بھی ایک گونہ تسلی ہو گئی تھی کہ انگریز کوئی راستہ نکال رہا ہے اور کانگریس اور مسلم لیگ کی مخالفت کو انگریز نے اتنی اہمیت دے دی کہ ہات اپنے سر سے ٹال دی اور ہندوستان کے سر تھوپ دی۔ اس طرح سے وہ بین الاقوامی طور پر بھی مطمئن ہو گیا۔ وزیر ہند ایمر سے برابر وائسرائے کو لکھتا ہے کہ یہی وقت ہے، جھپٹ پڑو۔

The sooner you pounce on them the better 24 7.42

ترجمہ: ”جتنی جلدی آپ ان پر جھپٹا مار کر قابو کریں اتنا ہی بہتر ہے۔“

مزید لکھتا ہے کہ ان سب لیڈروں کو نکال کر یوگینڈا جلا وطن کر دو۔ وائسرائے لکھتا ہے کہ گاندھی جی کی صحت ٹھیک نہیں، بیمار ہے۔ ایمرے کہتا ہے عدن بھیج دو۔ لیکن ہندوستان سے نکال باہر کرو۔ وائسرائے ان دنوں کے خطوط میں یہ بھی خوشخبریاں دیتا رہا کہ قوم گاندھی سے مایوس ہے۔ کانگریس بہت بدنام ہو چکی ہے۔ وزارت کے دوران صاحب رائے لوگ ناراض اور مایوس ہو چکے ہیں اور تحریک چلانے کی قوت بالکل نہیں۔ قصہ مختصر کہ کانگریس سے الجھنے کے لئے بہترین موقع ہے۔ چنانچہ جب اگست میں A.I.C.C آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں ہوا۔ اور انہوں نے انگریز کو لٹکا راکہ ”ہندوستان چھوڑ دو“ Quit India۔ انگریز تو تیار تھا ہی، بلکہ مدت سے اپنی تیاری کر چکا تھا۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے سب ممبر گرفتار کر لئے گئے۔ سرکار نے پوری قوت سے قومی حرکت کو کچلنے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ دیہاتوں اور جلوسوں پر ہوائی جہاز سے بم گرائے گئے۔ گولیاں چلیں۔ جیل خانے بھر گئے۔ جہازوں سے بمباری کے متعلق وائسرائے خود 17-8-42 کو یوں لکھتا ہے:

I am most grateful for your support over the use of airpower

against saboteurs, I am certain that we ought not to shirk from using any of the means at our disposal in dealing with a movement so dangerously revolutionary as the present one.

ترجمہ۔ ”میں تحریک کاروں کے خلاف ”پ“ کی ہوائی طاقت کی مدد پر بے حد مشکور ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمیں حالیہ خطرناک انقلابی تحریک کے خلاف ہر قسم کے وسائل جو ہمارے پاس موجود ہیں استعمال کرنے سے ہچکچانا نہیں چاہئے۔“

وائسرائے یہ بات خود مانتا ہے کہ کانگریس کا ابھی تحریک چلانے کا کوئی ارادہ نہ تھا بلکہ وہ بات کو طول دیئے جا رہی تھی اور تاک میں تھی کہ کب انگریز پر اس سے بھی سخت وقت آن پڑے اور کہیں شکست کا سامنا کرنا پڑے، تو پھر یہاں یہ لوگ تحریک شروع کر دیں گے اور اس موقع سے فائدہ اٹھائیں گے۔ جیسے اسی خط میں آگے چل کر لکھتا ہے:

We have this different and for more important reason to be thankful that we have brought on this business at a time when the war position is not such as to offer any immediate threat to India, whether from the west or from the East. I have not the least doubt that Gandhi's plan was to wait for bad war news before raising the standard of revolt.

ترجمہ۔ ہمارے پاس مختلف اور اہم وجوہ ہیں جو باعث شکر ہیں کہ موجودہ صورت حال ایسے وقت درپیش ہوئی جب کہ ہم جنگ میں ایسی پوزیشن میں ہیں کہ ہندوستان میں ہمارے لئے فوری طور پر کوئی چیز باعث تشویش نہیں ہے نہ مغرب کی طرف سے اور نہ ہی مشرق کی طرف سے۔ مجھے ذرا بھی شک نہیں ہے کہ گاندھی کا منصوبہ حالیہ بغاوت کو شروع کرنے سے پہلے جنگ میں کسی بری خبر کے لئے انتظار کرنے کا تھا۔“

اگرچہ کانگریس نے ابھی تحریک کا اعلان نہیں کیا تھا اور زیادتی انگریز کی طرف سے ہوئی تھی لیکن قوم نے اتنی عظیم قربانی دی۔ اسے جوش، جذبہ اور دلیری سے انگریز کے مقابلے کے لئے صف آرا ہوئے، اور اس قدر شجاعت کا مظاہرہ جو انوں، بزرگوں اور خصوصیت سے خواتین نے کیا کہ انگریز خود حیران ہو کر رہ گیا۔ اسے تو اس کے خوشامدی درباریوں نے یہ تسلی دی تھی کہ قوم کانگریس سے ہزار ہے۔ لیکن جب تحریک

نے اتنا زور پکڑا کہ بات پولیس ملیشیا اور فوج سے بھی نہ بنی اور نوبت ہوائی جہاز بمباری اور گولہ باری تک جا پہنچی تو وائسرائے خود لکھتا ہے۔ (24-8-42 مورخہ)

I continue to be rather puzzled that our intelligence should not have been able to give us rather more warning that it has of way thing were likely to go.

ترجمہ:- ”مجھے حیرانگی ہے کہ ہماری انٹیلی جنس (خفیہ ادارے) نے ہمیں خطرے سے اس قدر بھی مطلع نہیں کیا جتنا عام حالات میں ویسے ہی ہوا خبر ہوتے ہیں۔“
ہمارے کورنر کے متعلق کہتا ہے کہ۔

He and his Govt. were taken by surprise.

ترجمہ:- ”وائسرائے کہتا ہے کہ وہ (ہمارا کورنر) اور اس کی حکومت حیران رہ گئے۔“
وائسرائے کو جیسے معلوم نہ تھا کہ خوشامدی، درباری اور پچھلے طبقے کے سرکاری افسر تو اپنے آقاؤں سے وہی بات کرتے ہیں جس سے وہ خوش ہیں۔ انگریزوں نے تو اپنے اندازے کے مطابق کانگریس کو تحریک کے میدان سے ہر تصور کر لیا تھا اور بہت مشکل سے یہ حساب کتاب لگایا تھا۔ یہ معلومات انگریزوں کے وزیر اعظم ”چرچل“ کے اپنے خط میں ہے۔ ”قصہ یوں تھا کہ جب قوم نے کانگریس کے جھنڈے تلے اپنی تحریک آزادی کے سلسلے میں بے پناہ قربانیاں دیں اور انگریز کو اس جذبے کو کچلنے کے سلسلے میں مشکلات پیش آئیں۔ تو چین کے سربراہ چانگ کائی شیک نے ایک بار پھر امریکہ کے صدر روزولٹ کو اپنی تشویش کا اظہار کیا اور اس بات پر زور دیا۔ ”امریکہ کو چاہئے کہ انگریز کو مجبور کرے کہ بین الاقوامی مالی جنگ کے دوران قوم کے منتخب نمائندوں سے اس قسم کی زیادتی اور ناروا سلوک نہ کرے۔“ صدر روزولٹ نے چانگ کائی شیک کا یہ خط چرچل کے پاس بھیجا۔ چرچل نے واپس روزولٹ کو لکھا:

The Congress party in on way represents India & is strongly opposed by over 90 million Mohammadans, 40 million untouchable & the India states comprising 90 million--- the military classes on whom every thing depends are thoroughly loyal. infact over a million have volunteered for the army

ترجمہ:- کانگریس پارٹی کسی بھی طرح ہندوستان کی نمائندگی نہیں کرتی اور 9 کروڑ مسلمان، 4 کروڑ اچھوت اور ہندوستانی ریاستوں کے 9 کروڑ لوگ اس کی شدید مخالفت کرتے

ہیں۔ فوجی طبقہ جس پر ہر ایک چیز کا دار و مدار ہے۔ ہمارے ساتھ مکمل وفادار ہے۔ حقیقتاً 10

لاکھ سے زائد افراد نے اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر فوج کے لئے پیش کیا ہیں۔

انگریز کے جب اپنے مفادات ہوں تو آنکھوں پر پٹی باندھ لیتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کانگریس ہندوستان کی نمائندگی نہیں کرتی۔ انگریز کے پاس اس کے کئے ہوئے انتخابات کا کوئی علاج نہ تھا۔ جن میں کانگریس کو ہندوستان کے گیارہ میں سے آٹھ صوبوں میں وزارتیں بنانے کا موقع ملا اور دوسری طرف ہندوستان کے سب مسلمانوں کو جناح صاحب کے کھاتے میں ڈال دیا گیا تھا۔

سیکھستان

انگریز کانگریس کی اس قومی تحریک سے ہر اسماں ہوا اور ادھر ادھر ہاتھ پیر مارنے لگا۔ کوشش یہ تھی کہ ہندوستان کی قومی یکجہتی اور اتحاد میں کچھ دردناک پیدا کرے۔ مسلمانوں کو تو وہ اپنی جموں میں سمجھتا رہا۔ ہندوؤں، اچھوتوں کے نام سے اہیڈ کر کے ڈریے کافی کام کر چکا تھا۔ اب آخر میں سکھوں پر نظر پڑی۔ وزیر ہند ایرے لندن سے وائسرائے کو لکھتا ہے کہ تم اپنے ایک افسر کو اس کام پر لگاؤ کہ وہ تحقیق کرے کہ آیا سکھوں کی اپنی کوئی ریاست مسلم لیگ کے پاکستان کی طرح بن سکتی ہے یا نہیں؟ ایرے تو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ اگر مسلمانوں کی طرح سکھوں کو بھی اپنی ریاست کے مطالبے پر تیار کیا جاسکے تو یہ کانگریس کے لئے ایک الگ مصیبت بن جائے گی اور ہندوستانوں کا ایک اور حصہ اپنے آپ کو جدا کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا اور اسی طرح کانگریس کی قوت بھی کمزور پڑ جائے گی۔ وزیر ہند تو اس خیال سے بہت خوش ہو رہا تھا لیکن وائسرائے جو موقع پر بیٹھا ہو تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سکھوں میں اس قسم کی تحریک کی حوصلہ افزائی بالواسطہ پنجاب کو متاثر کرے گی۔ جس میں انگریزوں کو دو طرح سے نقصان تھا۔ ایک یہ کہ اس مسئلے کی اصل مشکلات پنجاب کو پیش آئیں گی اور پنجاب میں کانگریس کی حکومت نہیں تھی۔ وہاں تو مسلمان تھے اور پھر حکومت کے وفادار، نابعدار یونینسٹ تھے۔ جن کی سربراہی سرسکندر حیات خان کر رہے تھے۔ صوبائی حکومت کو مشکلات پیدا کرنے کے علاوہ یہ مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان ایک مسئلہ بن جائے گا۔ جس میں کانگریس صاف نکل جائے گی۔ انگریز کا اصل مقصد تو کانگریس کا مقابلہ تھا۔ دوسرے یہ کہ پنجاب انگریز کے فوج بھرتی کرنے کا علاقہ ہے اور موجودہ وقت میں وہاں اس قسم کی شورش پیدا کرنا انگریز کے فائدے میں نہیں۔ اس لئے وائسرائے نے اس تجویز کی مخالفت کی اور 7-9-42 کو لکھا ہے:

I am certain that if we did show the very slightest of sign of talking "Sikhistan" seriously in the least degree, not only shall we aggravate communal tension gravely in the Punjab, but we should never hear the end of it.

ترجمہ:- ”مجھے یقین ہے کہ اگر ہم سکھستان کے مسئلے پر تھوڑی سی سنجیدگی سے توجہ دیں تو اس سے نہ صرف ہم پنجاب میں مذہبی فسادات بھڑکا سکتے ہیں بلکہ یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہوگا جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔“

ایک وقت میں انگریزوں نے ہندوؤں کی اکثریت اور قوت کم کرنے کی خاطر ایک اور تجویز بھی پیش کی تھی اور وہ تھی اچھوتوں کی جدا حیثیت۔ لیکن وزیر ہند کی بات کہ:

Protection of scheduled castes is , of course, impossible on any geographical basis, such as the right of on accession gives the predominantly Muslim provinces.

ترجمہ:- ”شیڈول کاسٹ کا تحفظ جغرافیائی بنیادی پر ممکن نہیں جیسا کہ مسلمان صوبوں کا حق غیر شمولیت کے ذریعے تحفظ دیا گیا ہے۔“

کہتے ہیں کہ اچھوت ہندوستان میں ایسے بکھرے ہوئے ہیں۔ ورنہ ایک اور ”اچھوتستان“ کی جنمناش پیدا ہو سکتی تھی۔ البتہ ایک اور طریقہ ہے۔ ایمرے کہتا ہے کہ اگر یہ اچھوت مسلمان ہو جائیں یا عیسائی۔ تو پھر ان کے حقوق کے تحفظ کا مناسب بندوبست ہو سکتا ہے۔

ہندو مہا سبھا

وزیر ہند کی اس تجویز کی مخالفت وائسرائے نے کی۔ لیکن وہ اور راہوں کی تلاش میں تھا تا کہ فرقہ دارانہ سیاست کی آگ پر اور تیل ڈال سکے۔ جیسے ذکر آچکا ہے کہ چین اور امریکہ کی یہ کوشش تھی کہ کانگریس کے ساتھ تعینے کا کوئی راستہ نکل سکے، تو وائسرائے نے یہ لازمی سمجھا کہ فرقہ دارانہ مخالفت کو ذرا اور ہوا دی جائے۔ کانگریس کے سب چھوٹے بڑے لیڈر، کارکن جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بند تھے اور جناح صاحب کے بیانات کچھ اس لئے بھی عجیب لگ رہے تھے کہ دوسری طرف سے کوئی جواب ہی نہیں دے رہا تھا۔ دوسری بڑی بات یہ تھی کہ کانگریس جنگ آزادی کے میدان کا سوراٹھی۔ اس نے اپنے بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں سب کو ملک کی آزادی کے لئے قربان کر دیا تھا تو کسی کو ہندوستان میں اتنی جرات ہو سکتی تھی کہ وہ ایسے وقت میں انگریز کی حمایت کرے۔ لیکن انگریز تو سارا کھیل خود کھیل رہا تھا۔ اب اس نے ہندو مہا سبھا سے ساز باز کرنا شروع کی کہ اسے مسلم لیگ کی تقسیم ہند کی مخالفت میں میدان میں نکال سکے تاکہ ہندو اور مسلمان کے درمیان صلح و صفائی کے امکانات ہی ختم ہو جائیں اور دنیا کو عموماً اور امریکہ کو خصوصاً یہ تاثر دے کہ مسئلہ بہت سنگین ہے اور قصہ صرف کانگریس کا ہی نہیں بلکہ اور بھی ایسی قوتیں ہیں جو مسلم لیگ کے اس مطالبے سے بنیادی اختلاف رکھتی ہیں۔ یہاں اب موجودہ حالات میں صرف جناح صاحب ہی لگے ہوئے تھے۔ اپنی بات کہہ جا رہے تھے (شاید انگریز ہی کی بات کہہ جا رہے تھے) اور جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ جواب دینے والے تو سب قید میں تھے۔ لہذا سیاسی مباحثہ کون کرتا۔ ایک طرف سے تو بات بن نہیں سکتی۔ مخالف فریق کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی مقصد سے وائسرائے 12-42-15 کو لکھتا ہے:

I have endeavoured to encourage the mohsabha etc by reverting to the topic of the Unity of India though I trust in terms sufficiently guarded so far as the Muslims are concerned to avoid giving Jinnah a legitimate grievance. but I have also thought it well, for the point is a most important one and the

centre of our position, to bring out that the difficulties of this country are not due to our reluctance to transfer power, but to the fact that we have offered to transfer power

ترجمہ:- ”میں نے متحدہ ہندوستان کا مسئلہ اٹھا کر مہاسجا کی حوصلہ فزائی کی کوشش کی ہے مگر جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ایسا لحاظ انداز اختیار کیا ہے کہ مسٹر جناح کو ناراضگی کا حقیقی جواز فراہم نہ ہو۔ مگر میں نے یہ بھی مناسب سمجھا ہے اور یہ نقطہ اہم دور ہمارے موقف کا مرکز ہے کہ واضح کیا جائے کہ اس ملک کے مسائل ہماری جانب سے اقتدار منتقل کرنے میں ہچکچاہٹ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس حقیقت کے باعث ہیں کہ ہم نے اقتدار منتقل کرنے کی پیشکش کی ہے“

انگریز کی چال بازی کو دیکھو کہ کیسے ان مختلف متضاد اور ایک دوسرے کی دشمن قوتوں کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتا ہے۔ ہندو مہاسجا کے ساتھ وائسرائے ہندوستان کی وحدت کے لئے تعاون کرتا ہے اور مسلم لیگ اور جناح کے ساتھ تقسیم کے لئے اور اس طرح یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے سے الجھ گئیں۔ جناح صاحب کو تو ایسے مقام تک پہنچا دیا جائے کہ وائسرائے خود یہ کہنے پر مجبور ہے کہ:

Th Muslims will do no business except on their own terms

ترجمہ:- ”مسلمان اپنی شرائط کے سوا معاملہ کرنے کو تیار نہیں۔“

ان کی شرط ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کا قیام ہے۔ دوسری طرف مہاسجا کے لیڈر کہتے ہیں کہ تقسیم ہند تو مقدس گائے کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔ یہ دونوں فرقہ وارانہ تنظیمیں اپنی اپنی جگہ مضبوطی سے ڈٹی ہوئی تھیں لیکن ان کی تمام حرکت اور کوشش کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انگریز دنیا کو بتا سکے کہ میں تو آج ہی اقتدار حوالے کرنے کو تیار ہوں لیکن یہ آپس میں الجھے ہوئے ہیں۔ وائسرائے خود کہتا ہے کہ جناح صاحب نے اب اس قسم کے مطالبے شروع کر دیئے ہیں

That it is almost inconceivable that the Hindu majority could accept them.

ترجمہ:- ”لیکن یہ بات قطعی ناقابل فہم ہے کہ ہندو اکثریت اس بات کو تقسیم کر لے“

1943ء کا نیا سال شروع ہونے تک وائسرائے نے جناح صاحب کو آخری سیڑھی پر چڑھا دیا اور ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا تھا کہ وزیر ہند کو خوشخبری سنائی کہ جناح صاحب کا موجودہ رویہ کچھ ایسا ہے۔

26-1-43

Attitude which might be summed up by saying that if the Congress accepts his terms in full he would treat them kindly.

ترجمہ: ”ان کے رویے کا اس طرح جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ اگر کانگریس ان شرائط کو پوری طرح تسلیم کرے تو ان کا رویہ امداد نہ ہوگا۔“

انگریز کے اس طنز پر ذرا غور کرنا چاہئے۔ وہ وزیر ہند کو لکھتا ہے کہ مانتے ہو کہ میں نے جناح صاحب کو آج ایسا ششے میں اتارا ہے اور ایسے مقام تک پہنچایا ہے کہ اس نے یہ رویہ اختیار کر لیا ہے کہ اگر کانگریس اس کے سب مطالبے پورے پورے تسلیم کرے تو شاید وہ ان سے مہربانی سے پیش آئے۔ یعنی یہ بات مان لینی چاہئے کہ انگریز کو جناح صاحب اور اس کی مسلم لیگ کی اصلی طاقت اور قوت کا اندازہ نہیں۔ 1937ء کے انتخابات کے نتیجے کیا اسے معلوم نہیں اور کیا مسلم لیگ کا موجودہ اتحاد اور یک جہتی انگریز کی کوشش سے وابستہ نہیں؟

گاندھی جی کی قومی حکومت کی تجویز

گاندھی جی اور کانگریس کے سب رہنما ان دنوں جیل میں تھے۔ گاندھی جی نے ”بھرت“ رکھا تھا۔ ان دنوں گاندھی جی کی رہائی کے لئے ایک تحریک چلی۔ گاندھی جی نے ایک خط میں حکومت کو یہ مشورہ دیا کہ کانگریس کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں۔ اگر حکومت برطانیہ اختیارات جناح صاحب کے حوالے کر دے تو وہ ایک قومی حکومت بنالے۔ گاندھی جی کے اس خط نے انگریزوں کو بڑا پریشان کیا۔ لیکن وائسرائے نے اپنے 16-2-43 کے خط میں حکومت برطانیہ کو تسلی دی کہ جناح صاحب نے ان لیڈروں کے اجلاس میں بھی شریک ہونے سے انکار کر دیا جناح صاحب اور لیاقت علی خان دونوں نے اس قسم کی حکومت بنانے سے انکار کر دیا:

And his statement and that of Nawabzada Liaquat Ali Khan, in the Assembly have death pretty effectively with the suggestion that the Muslim League are willing parties to either Gandhi's fast or to his suggestion that a National Govt. can be formed by them with his good will in a day.

ترجمہ:- ”اور اس کے بیان واسطی میں نوابزادہ لیاقت علی خان نے یہ تاثر دیا کہ مسلم لیگ مسٹر گاندھی کے بھرت سے یا قومی حکومت کی تجویز سے متفق ہے جو کہ باہمی رضامندی سے ایک دن میں بن سکتی ہے“

اس سے زیادہ کانگریس کیا کرتی۔ افہام و تفہیم کی خاطر وہ کہاں تک پہنچے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ انتخابات ہم نے جیتے ہیں۔ حکومت کرنے کا حق ہمارا ہے لیکن کوئی بات نہیں اختیارات جناح صاحب کے حوالے کر دو۔ لیکن اقدار ہندوستان کو دے دو۔ مگر عجیب تماشا تو یہ تھا کہ اس پیشکش پر انگریز خاموش رہا لیکن قومی حکومت بنانے کی مخالفت جناح صاحب اور لیاقت علی خان نے کی۔ اڑھائی کی بھی حد ہوتی ہے۔ انگریز نے اپنی تمام تر بے ایمانی، بدعتی، بدیانتی، دھوکہ، فریب، علم، زیادتی سب کچھ کو نہایت صفائی اور چالباری

سے مسلم لیگ اور جناح صاحب کے گلے میں ڈال دیا اور مسلم لیگ اور اس کے اس وقت کے لیڈر کتنی دیدہ دلیری سے انگریز کی اس پالیسی کو کس خوش دلی اور فخر سے آگے لے جا رہے تھے۔ میں کہتا ہوں، اسلام کا مقام تو بہت ہی بلند ہے۔ یہاں تو انسانیت اور شرافت کے تقاضے بھی پورے نہ ہو سکے۔ اگر مسلم لیگ حقیقت میں مسلم لوگوں کا حق مانگ رہی تھی۔ ہندوستان کی حکومت لینے سے انکار اس لئے تو نہیں کیا کہ یہ قدار مسلم لیگ انگریز سے چھیننے گی۔ کیونکہ اس کا جھگڑا انگریز سے تو نہیں کانگریس سے تھا۔ کیا ہوا۔ اگر کانگریس ملک کی آزادی کی جدوجہد میں جیل خانوں میں بند ہے۔

انگریز بھی کیا عجب مخلوق ہے۔ کیسے آپس کی خط کتابت میں نہایت بے باکی سے بچ لکھا ہے اور جیسے اور لوگوں پر سے پردے ہٹاتا ہے اسی طرح کبھی کبھار اپنے متعلق بھی لکھ دیتا ہے درتو اور (سادہ) ایرے کو بھی یہ بات معلوم ہے جیسے 8-2-43 کو وائسرائے کو لکھتا ہے:

I don't believe that you will ever get Indian politicians setting down to a reasonable discussion of their own internal problems, so long as they can shirk than by putting the blame on an alien Govt. to that extent there is really something in Ghandhi's plea that Indian's can only agree once we are out of their way

ترجمہ:- ”مجھے یقین نہیں ہے کہ تم ہندوستانی سیاستدانوں کو کبھی ایک جگہ اکٹھا کر سکو جہاں وہ اپنے داخلی مسائل پر معقول بات چیت کر سکیں وہ تو غیر ملکی حکومت کو مورد الزام ٹھہرا کر پہلو تہی کرتے ہیں۔ یہاں تک تو گاندھی کی بات میں معقولیت ہے کہ ہندوستانی اس بات پر رضا مند ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم (انگریز) ان کے راستے سے ہٹ جائیں۔“

پاکستان کے مسئلے پر الجھن

Confusion over Pakistan

مسلمان وزراء

جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب گاندھی جی نے جیل میں ہجرت رکھا اور حکومت ہند نے جس طرح اس کی کوئی پروا نہیں کی، تو وائسرائے کی اپنی کونسل کے چند ممبروں نے اٹھنے دے دیئے۔ یہ سب غیر مسلم تھے۔ وائسرائے جب ان غیر مسلموں کے رویے سے مایوس ہوا۔ تو اس وجہ سے قیامت بچہ مسلمانوں پر دی کیونکہ اسے یہ تسلی تھی کہ یہ اتنی خودداری اور عزت نفس کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ اور ہوا بھی یہی۔ ایک مسلمان وزیر عزیز الحق کو وزارت میں لیا اور خوراک کا محکمہ اس کے سپرد کیا۔ اس کے متعلق وائسرائے نے وزیر ہند کو تسلی دی کہ امید ہے اس وزیر سے پہلے والے لوگوں کی طرح کی کوئی شکایت نہ ہوگی۔ جو دنیا میں ہمیں بدنام کرے۔ کیونکہ کونسل کے ممبر تو منتخب نہیں۔ یہ تو وائسرائے کی اپنی مرضی سے مقرر کردہ ہیں۔ وائسرائے اپنے 43-5-2 کے خط میں لکھتا ہے:

I saw him (Aziz ul Haq) yesterday and gave him a talking to him I would run the food department myself, though not publicly, for the time being and he readily accepts that public responsibility will, of course, be entirely with him, and he will have to defend the action of the department in public and of course, keep in touch with what is going on inside, as regards Commerce, Industries and Civil Supplies I begged him out to make the mistake of immersing himself in a great deal of detail, that was properly to be handled by the secretaries not to over load himself or to show down action by frequent

interference from his high level—He took all this every well

and expressed himself ready to play

ترجمہ: ”میں نے کل اسے (وائسرائے کونسل کے رکن برائے خوراک عزیزالحق) دیکھا اور بات چیت کی۔ وقتی طور پر پس پردہ خوراک کے محکمہ میں خود چلا جاؤں گا۔ اور وہ (عزیزالحق) اس بات پر رضامند ہے کہ عوام میں (اس محکمہ کی) تمام ذمہ داری و قبول کرنے کو تیار ہے۔ محکمہ کے تمام اقدامات کا عوام میں دفاع کرے گا اور جو کچھ وہاں اندر ہو رہا ہوگا ہمیں اس سے مطلع رکھے گا۔ جہاں تک تجارت، صنعت اور سول سپلائز کا تعلق ہے۔ میں نے اس سے درخواست کی ہے کہ وہ ان معاملات میں زیادہ دخل اندازی کرے کی فلمی نہ کرے۔ یہ معاملات پوری طرح سیکرٹریوں پر چھوڑ دے اور اپنی طرف سے ان معاملات میں ہر بار مداخلت کر کے نہ اپنے اوپر بوجھ ڈالے اور شان کاموں میں سست روی کا موجب بنے ان باتوں کو اس نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور اس پر عملدرآمد کے لئے مکمل تیار ہے۔“

یہ فیصلہ وائسرائے نے پہلے سے کر رکھا تھا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غیر مسلم وزراء بھی وائسرائے نے خود چنے تھے اور یہ مسلمان بھی وائسرائے کی پسند کے تھے۔ دونوں کے کردار، عمل اور خودداری میں اس واضح فرق کو جب دیکھتے ہیں تو پھر انگریز حق بجانب نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنا پورا اتحاد مسلمانوں پر کیا تھا۔ چاہے وہ سرکاری انسر یا وزیر، اور یا پھر سیاستمدار۔ انہی دونوں وزیر ہند امیر نے یہ ہدایت بھیجیں کہ جن غیر مسلموں نے گاندھی جی کے بھرت کے سب سے استغفہ دیئے ہیں۔ انہیں فوراً منظور کر لیا جائے اور یہ بھی کوشش کرنی چاہئے کہ اگر کسی غیر مسلم پر ذرہ برابر بھی یہ شک ہو کہ اس کی ہمدردیاں کانگریس کے ساتھ ہیں تو انہیں فوراً نوکری سے الگ کر دیا جائے۔

”سردار شوکت حیات جناح صاحب کے قریبی معتد اپنی کتاب ”مجموعہ گفتہ قوم“ اشاعت 1995ء میں عزیزالحق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ 1947ء کے اوائل میں جناح صاحب نے مجھے سیاست سے کنارہ کشی اور دولت کمانے کا مشورہ دیا میں نے کہا نہ مجھے دوران جنگ میدان چھوڑنا آتا ہے نہ میں بڑی دولت کمانے کا طریقہ جانتا ہوں تو جناح صاحب نے اپنے پرانیوٹ سیکرٹری کے ایچ خورشید سے کہا کہ وائسرائے کونسل کے اتھیریٹیکٹو ممبر عزیزالحق کے ساتھ لون پر بات کراؤ بات چیت کے بعد سردار شوکت کو وہاں بھیج دیا انہوں نے چیف کنٹرولر رور آمد سسر مہد اور چیف کنٹرولر برآمد میاں امین الدین کو بلا کر ان کو ایک کروڑ سے زیادہ کے پرمٹ دلوائے اس کے بعد جناح صاحب نے بمبئی کے سینٹرل ایمر کے ذریعے یورپ سے سردار شوکت حیات کے لئے آرڈر بک کرائے کیونکہ ان کی یورپ میں تجارت تھی۔ اور یوں ان کو ایک ہی لمبے میں بڑا ہاتھ مارنے دولت کمانے کا طریقہ عملی طور پر بتا دیا۔

جناب صاحب اور پاکستان کی تشریح

سر سکندر حیات خان کی وفات ناگہانی کے بعد سر خطر حیات ٹوانہ پنجاب کے نئے وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اس کے ساتھ یونیسٹ پارٹی میں ہندو اور سکھ بھی تھے اور وزیر بھی۔ چونکہ مسلم لیگ کی طرف سے پاکستان کے مسئلے کی مختلف باتوں میں پیش کی جا رہی تھیں۔ تو ان غیر مسلم پنجابیوں نے اپنے وزیر اعلیٰ پر زور ڈالا کہ حکومت کو چاہئے کہ جناب صاحب پر زور ڈالے کہ وہ پاکستان کی تشریح کریں۔ کیونکہ لاہور میں پاس شدہ قرارداد میں ایک ”ریاست نہیں بلکہ ریاستوں“ کا ذکر تھا۔ اب جناب صاحب نے یہ شوشہ بھی چھوڑ ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ایک کوریڈور ہوگا جو مسلمانوں کا ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس سلسلے میں خطر حیات ٹوانہ نے وائس رائے سے پوچھا کہ جناب صاحب جو تاویلیں بیان کرتے ہیں۔ اس سے تو اور ابہام پیدا ہوتا ہے۔ تو بہتر یہی ہوگا کہ جناب صاحب کو مجبور کیا جائے کہ وہ پاکستان کے منصوبے کی تشریح اور وضاحت کریں۔ کیونکہ ہمیں پنجاب میں مشکلات پیش آئیں گی۔ دوسرے یہ کہ اس وضاحت کی روشنی میں مسلمان بھی اپنا فیصلہ کر سکیں گے۔ وائسرائے کب یہ بات مانتا تھا وہ کبھی ایک اور کبھی دوسرے بہانے سے وقت بٹاتا رہا۔ وائسرائے کی دلچسپی تو پاکستان کی وضاحت میں نہ تھی اور نہ ہی مسلمانوں یا ہندوؤں اور غیر مسلموں سے کوئی سروکار تھا۔ اسے تو پاکستان کے منصوبے بنانے اور تشہیر سے ایک ہی مقصد تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین کسی طرح بھی صلح نہ ہونے پائے۔ انگریز کا فائدہ تو اسی میں تھا کہ یہ چیز مبہم رہے اور جتنا یہ ابہام زیادہ ہوگا اتنا ہی خطرناک ہوگا اور مخالف جماعت اتنا ہی خوفزدہ ہوگی۔ خطر حیات ٹوانہ کو وائسرائے نے جو کچھ کہا، لیکن وزیر ہند کو صاف صاف لکھا۔ 43-5-4 کا خط۔

From his (Jinnah) own point of view half the strength of his position is that he has refused to define it (Pakistan). Thus I have no doubt that the famous corridor by which he proposes to link North West Pakistan with North East Pakistan a corridor which would presumably run via Delhi, Lucknow, Allahabad and Patna, cutting off the area North of the corridor from the Hindu

majorities in the South of it would almost in inevitably figure and he would be a fool if he did not make all sorts of excessive demands in respect of tariffs, defence the use of ports and the sites.

ترجمہ۔ ”اس کے (جناب) نے نقطہ نظر کے مطابق اس کی اپنی حیثیت کا نصف دار مدار اس بات پر ہے جو اس نے پاکستان کی تفصیل بتانے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن مجھے اس پر بالکل شک نہیں ہے کہ شمال مغربی پاکستان کو شمال مشرقی پاکستان سے ملانے کے لئے ایک ایسے راستے کی تجویز ہے جو دہلی، لکھنؤ، الہ آباد اور پٹنہ سے گزرے گا اور یہ راستہ ہندوستانی کثرتی شمالی علاقوں کو جنوبی علاقوں سے کاٹ دے گا اور اس طرح یقیناً اس (جناب) کی انتہائی غلطی و حماقت ہوگی جو وہ رسائی کے لئے محصولات، دفاع، بندرگاہوں کا استعمال اور دیگر جگہوں کے حق کا مطالبہ نہیں کرتا۔“

انگریز تو خوش تھا کہ جتنا بلند دعویٰ جناب صاحب کریں گے۔ اتنی ہی صلح صفائی کی گنجائش ختم ہوتی جائے گی۔ انگریز کو کیا پڑی تھی کہ وہ پاکستان کے منصوبے کی وضاحت اور تشریح کے لئے جناب صاحب پر زور ڈالے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس وقت تک جناب صاحب یا مسلم لیگ کے اور میڈر خود اپنے ذہن میں بھی واضح نہیں تھے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر راجداری کے اس مسئلے کو لیں۔ جب انسان اس پر سوچے تو حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ لاہور سے لے کر کلکتے تک یہ راجداری ہندوستان کو درمیان سے کاٹ کر مسلمانوں کی ہوگی۔ آخر کس بناء پر یہ حق بنتا ہے۔ اس پندرہ سو میل لمبے (Corridor) کی نگہداشت کیونکر ہو سکے گی اور پھر اس کی حفاظت کے لئے کتنی ساری فوج درکار ہوگی۔ شمال میں بھی اور جنوب میں بھی۔ ہزاروں سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں۔ جس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان رہنماؤں کے ذہن میں کوئی واضح نقشہ پاکستان کا نہیں تھا کیونکہ یہ ان کا منصوبہ تھا ہی نہیں اور پھر کیا انگریز یہ نہیں جانتا تھا اور تو چھوڑیں۔ یہ ایک راجداری ہی کی تجویز ہی کتنی نامستول ہے۔ وزیر ہند ایمرے خود جانتا ہے۔ 43-5-6 کے خط میں لکھا ہے:

The practical case, indeed against Pakistan seems to me overwhelming.

ترجمہ۔ ”عملی حوالے سے پاکستان کے خلاف کیس خاصہ مضبوط ہے۔“

کیا اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کچھ زیادہ عقل اور منطقی دلیل کی ضرورت ہے پھر کیوں انگریز یہ کھیل کھیل رہا تھا۔

گاندھی جی کا خط جناح صاحب کے نام

جب گاندھی کے پیسے خط کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا جو اس نے حکومت ہند کو لکھا تھا کہ: اقتدار جناح صاحب کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کا جواب حکومت ہند نے نہیں بلکہ جناح صاحب اور لیڈر علی خان نے دیا اور اس قومی حکومت کی تجویز کو نامنظور کیا تو گاندھی جی نے سیدھا ایک خط جناح صاحب کے نام جیل سے لکھ دیا۔ جسے حکومت ہند نے ضبط کر لیا اور تو چھوڑیں برطانیہ کا وزیر اعظم سر ڈسٹن چرچل ان دنوں امریکہ کے دورے پر تھا۔ جب اسے گاندھی جی کے خط کا علم ہوا تو وہاں سے کہنا بھیجا کہ

W nston telegraphed from America urging that there should be
no communique and the letter simply suppressed. 24.4.43

ترجمہ۔ ”مسٹر ڈسٹن چرچل نے امریکہ سے مارا کہ اس طرح گاندھی اور جناح کے درمیان خط و کتابت نہیں ہونی چاہئے اور اس خط کو با دیا جائے۔“

لندن میں انگریز پریس اور خوف زدہ ہوئے کہ گاندھی جی کی جناح صاحب کی سربراہی میں قومی حکومت کی پیشکش سے انکار کی وجہ سے جناح صاحب کافی بدنام ہو چکے ہیں، تو اب اگر گاندھی جی کا یہ خط آنے دیا جائے تو ممکن ہے الہام و تفہیم کی گنجائش نکل آئے۔ وائسرائے کی رائے میں اس خط پر بندش نہیں ہونی چاہئے تھی۔ اس کا خیال تھا کہ نگر یزدوں نے جناح صاحب کو ایسے مقام تک پہنچا دیا ہے کہ وہاں سے نیچے آنا اب خود اس کے لئے بھی مشکل ہے اور دوسری طرف کانگریس نے بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ پارے ہندوستان کی حکومت اس نے جناح صاحب کو پیش کی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا تھا جو گاندھی جی جناح صاحب کو پیش کریں۔

وائسرائے کو یہ یقین تھا کہ صلح صفائی اور مصالحت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ تو اس صورت میں حکومت یہ خط کیوں رکوائے اور کیوں خود کو موٹ کرے۔ کیونکہ وہ تو دنیا پر یہ بات ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ہم تو آج ہی اقتدار چھوڑ دینے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ ہندوستانی رہنما آپس میں رضامند ہوں۔

جناح صاحب نے اس بات کا برا منایا کہ سے گاندھی جی کا خط کیوں نہیں دیا گیا۔ خولہ ناظم الدین

کے متعلق دائرے لکھتا ہے کہ اس نے دہلی میں کھل کر یہ بات کہی کہ اس مسئلے میں ہم جناح صاحب کے ساتھ ہیں اور اس معاملے میں دینے تک کو تیار ہیں۔ خط نہ دینے پر جناح صاحب کو انگریز پر غصہ تھا اور دباؤ بھی خوب ڈالا لیکن پھر ایک عجیب قسم کا بیباک دے دیا۔ جس کے متعلق دائرے 43-6-1 کو خود لکھتا ہے۔

Meanwhile the fact Jinnah has wholly associated himself, in his public statement on Gandhi's letter, with the principle that there can be no communication with Gandhi so long as the Mahatma does not call off the policy of last August, is a very valuable advance.

ترجمہ۔۔ "اس دوران مسٹر جناح نے گاندھی جی کے خط کے بارے میں پبلک میاں جاری کر دیا کہ گاندھی جی سے اس وقت تک کوئی خط کتابت نہیں ہو سکتی جب تک وہ گزشتہ اگست کی پالیسی کو واپس نہ لے لیں۔ یہ حکومت کے لئے ایک باعث تقویت قدم تھا۔"

ایک طرف تو خط نہ دینے پر اعتراض۔ دوسری طرف کہنا کہ گاندھی جی کے ساتھ خط کتابت کا تب تک سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک گاندھی اپنی گزشتہ اگست کی پالیسی نہ بدلے۔ گاندھی جی کے اگست کے مہینے کا مطالبہ یہ تھا کہ انگریز ہندوستان کو آزاد کرے۔ تحریک ہندوستان کی آزادی کے لئے چل رہی ہے۔ گاندھی جی نے جناح صاحب کو بات چیت کرنے کی دعوت دی کہ مالی جنگ شروع ہے۔ ملک میں افراتفری ہے۔ جرمنی نے جاپان اور پوری دنیا کو آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ چاہئے کہ ہم بھی مل بیٹھ کر اپنے مستقبل کا سوچیں۔ گاندھی جی ملاقات کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ جناح صاحب ملاقات کی درخواست اس شرط پر قبول کرتے ہیں کہ پہلے گاندھی جی (Quit India) کی تحریک کو واپس لینے کا اعلان کرے۔ یعنی گاندھی جی پہلے یہ مانیں کہ ہم نے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ چھوڑ دیا ہے۔ اس کے لئے اپنی تحریک اور جدوجہد ختم کر دی ہے۔ تب جا کر کہیں جناح صاحب ان سے بات چیت کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ سوال پوچھنے کا تھا کہ یہ تحریک تو ہندوستان کی آزادی اور اپنے حق خود ارادیت کے لئے سامراجی نوآبادیاتی انگریز کے خلاف چل رہی تھی۔ اس سے جناح صاحب اور مسلم لیگ کو کیا تکلیف تھی۔ یہ کام تو انگریز کا تھا کہ وہ گاندھی کو یہ شرط پیش کرے۔ یہ کتنی تکلیف دہ بات ہے۔

مسلم لیگ نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے جو انگریز کی تھی۔ اس طرح جناح صاحب نے حکومت ہند کے اس فیصلے کے لئے بھی جواز پیدا کر دیا ہے جو اس نے گاندھی جی کے خط پر پابندی لگائی تھی۔ یہ تو مردہ کتے والی بات ہوتی۔

کہتے ہیں۔ ایک آدمی اپنے دوست کے پاس گیا اور کہا۔ گرمی کے فصل سنبھالنے کے دن ہیں۔ میں چند دن دیہات میں فصل سنبھالنے کے لئے رہوں گا۔ تم اپنا کتا چند دلوں کے لئے مجھے دے دو تاکہ وہ وہاں میرے ساتھ چوکیداری کر سکے۔ دوست نے کہا۔ میرا کتا تو مر چکا ہے۔ یہ کہہ کر رک جاتا تو کوئی بات نہیں تھی لیکن آگے چل کر کہا کہ اگر زندہ ہوتا تو بھی تمہیں نہ دیتا۔ جناح صاحب بھی کہتے ہیں کہ سرکار نے گاندھی جی کا خط دیکھا اور نہ دیا۔ لیکن میں جواب دے رہا ہوں اور جواب بھی وہی جو انگریز دیتا۔ واسرائلے کو اس بات سے جو خوشی ہوئی ہوگی وہ تو ایک طرف۔ وزیر ہند میرے اس کے متعلق کیا لکھتا ہے۔ 43-6-2 کا خط

I confess I admire the shali with which Jinnah has been advantage of your deflation of Gandhi over this business of deflation him one further, while at the same time adroitly saving his own face by making it clear that the only latter which would have satisfied him & which he dared you not to forward , was one one abandoning the whole congress policy (i e to extent making his condition identical with yours)

ترجمہ۔ "مجھے اعتراف ہے کہ مسٹر گاندھی کی اہمیت گھٹانے کی آپ کی پالیسی میں مسٹر جناح جس قدر مفید ثابت ہوا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ خود پر حرف لائے بغیر مسٹر گاندھی کی اہمیت مزید گھٹانے کے سلسلہ میں کمال مہارت سے واضح کیا ہے کہ فقط ایسا خط ہی اسے مطمئن کر سکتا تھا اور جسے نہ پہنچانے کا آپ کو چیلنج بھی کیا گیا۔ جس میں کانگریس کی ساری پالیسی ترک کرنے کی بات یعنی اس حد تک اپنے مطالبہ اور آپ کی شرط کو ایک کیا گیا۔"

انگریز کا مطلب یہ ہے کہ گاندھی جی کی بے عزتی کرے۔ تب جا کر اس سے بات ہو سکتی ہے کہ پیسے اس سے وہی تحریک واپس کر دئے جو انگریز کے خلاف ہندوستان کی آزادی کے لئے چل رہی تھی۔ ایمرے تو اس لئے کہتا ہے کہ جناح صاحب نے گاندھی جی کی بے عزتی بھی کی۔ بات بھی انگریز کی کر ڈالی یعنی جناح صاحب اور انگریز کی ایک ہی شرط تھی جب اس قسم کے واقعات پر انسان غور کرے تو ہر بار یہ بات یاد کرانی پڑتی ہے کہ آیا اس وقت مسلم لیگ کے لیڈروں نے اپنے رویے اور پالیسی پر کبھی اس رخ سے بھی سوچا تھا کہ ہمارے اس رویے سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ یا انہوں نے آنکھیں بند کر کے انگریز کی نیت پر نیت باندھی کہ جو کچھ وہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ وہی کچھ انتہائی خوش اور فخر سے کرتا رہا ہے۔

جناب صاحب کی حیثیت

انگریز کی نظر میں

چونکہ اس وقت تک انگریز نے ہندوستان چھوڑنے کا ردہ نہیں کیا تھا اور وہاں لندن میں بیٹھے ہوئے وزیر ہند کے دل میں کبھی کبھار یہ خدشہ پیدا ہو جاتا تھا کہ وائسرائے جناب صاحب کے ساتھ جو طریقہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ غالب امکان ہے کہ جناب صاحب اس حد تک آگے جائے کہ کل کو وہ انگریز کے لئے معصیت بن جائے اور پھر جب وقتاً فوقتاً وائسرائے یہ بھی لکھتا ہے کہ میری حتی الوسع یہ کوشش ہے کہ مسلم لیگ میں انتشار اور نفاق پیدا نہ ہو تو اس سے وزیر ہند اور بھی پریشان ہوا کہ پارٹی بھی تم مضبوط کراؤ اور پھر وہ آدمی بھی اس قدر ناجائز مطالبات کرے تو "سندھ بھی ہمارے لئے گاندھی اور کانگریس سے بھی بڑھ کر پریشانی کا سبب بن جائے گا۔ تو آخر کار وائسرائے ہند (Linlithgow) لنلٹھگوانے یہ فیصلہ کیا کہ وزیر ہند ایرے کی ترمیم ترسٹوش ختم کر دے۔ اس نے جناب صاحب کی سیاسی حیثیت کا تجزیہ مسلم لیگ کی قوت اور پھر اس کا موازنہ کانگریس سے بہت تفصیل سے صاف الفاظ میں نہایت بے باکی سے اپنی 43-6-10 کی رپورٹ میں کیا۔

Your comments on Jinnah's attitude----- I think he probably looks a little not alarming from London that he does here. I don't however think he wants a row with the Govt. Through on the other hand (like unfortunately a.l these Leaders) he exists on being as rude to Govet. (& to his political oppornents) as he thinks he dares. I doubt if any one takes it very seriously, and his threats do not cause me any sleepless nights. As I have consistently felt and said both the let land & you, Jinnah would

be quite as bad a master as Ghandi. But Jinnah is not as strong a position as Ghandi & Congress & he is never likely to be in the near future, since he effectively hold a minority & a minority that can effectively hold its own with our assistance. Nor of course is his organisation as deep rooted as is likely to continue to be not merely non constructive but positively destructive, and to endeavour to play his hand so as to get the maximum in the way commitments favourable to his community & the maximum in the way of hurdles to be taken by the Hindus, but with out facing a showdown with the Govt.

ترجمہ :- "جناب کے رویے کے بارے تمہارا تبصرہ میرا خیال ہے کہ وہ لندن کی نسبت یہاں زیادہ خطرناک نظر آتا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ وہ گورنمنٹ سے جھگڑنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ گو دوسری جانب وہ (بد قسمتی سے ان تمام لیڈروں کی طرح) زندہ ہی ممکنہ حد تک (اپنے سیاسی مخالفین) کی جانب ترش رویہ اختیار کرنے کے بل پر ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ کوئی اسے سنجیدگی سے کہتا ہے اور اس کی دھمکیاں میری رات کی نیند میں خلل نہیں ڈالتیں۔ جیسا کہ میں نے مسلسل غور کیا اور زبانی طور پر بھی کہا ہے جناب بھی قریباً اتنا ہی برا ما سز ثابت ہوگا۔ جتنا گاندھی مگر جناب، گاندھی اور کانگریس جیسی مضبوط پوزیشن میں نہیں در نہ ہی مستقبل قریب میں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ ایک اقلیت کی نمائندگی کرتا ہے، ایک ایسی اقلیت کی جو ہماری مدد سے خود اپنا بندہ بست کر سکتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ نہ صرف غیر تعمیری بلکہ واضح طور پر تخریبی ہی رہے گا اور اپنے سے اس طرح کیسے کی کوشش کرے گا کہ اپنی جماعت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفادات اور ہندوؤں کی زیادہ سے زیادہ مشکلات کے فیصلے کروا سکے۔ مگر حکومت کے ساتھ محاذ آرائی مول لئے بغیر"*

* خود جناب صاحب کو اپنی کم مائیگی کا احساس تھا اس لئے جب دوسری جنگ عظیم کے بعد ان کو زیادہ اہمیت ملی تو وہ حیران ہو گئے پچاس کے سینئر اپنی کتاب "انشغال اقتدار" میں ان کا بیان نقل کرتے ہیں کہ جب مجھ سے گاندھی جی جیسا سلوک کیا گیا تو میں حیران رہ گیا کہ کیوں چانک میرے مرتبہ میں، تنازعہ نہ ہوا کہ مسز گاندھی کے برابر جگہ دی گئی۔

بس ہو چکی بات۔ یا اب بھی کوئی گنجائش ہے۔ انگریز تسلیم کرتا ہے کہ نہ جناح صاحب کی اپنی کوئی قوت ہے اور نہ ہی کوئی مضبوط تنظیم۔ یہاں تک کہتا ہے کہ مستقبل قریب میں بھی اضافی قوت کا امکان نہیں۔ وہ اقلیتی فریقے کا ہیڈ رہے اور یہی اقلیتی فرقہ صرف ہماری امداد پر اپنی حیثیت قائم رکھ سکتا ہے اس لئے تو وہ وزیر ہند کو تسلی دیتا ہے کہ گھبرانے کی بات نہیں وہ حکومت سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس سے بڑھ کر واضح الفاظ میں وائسرائے کہنے بھی تو کیا۔ وہ برطانوی حکومت کو تسلی دیتا ہے کہ جناح صاحب کی نہ کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی کوئی قوت۔ اسے تو یہ حیثیت ہم ہی نے دی ہے لیکن سوال یہاں یہ اٹھتا ہے کہ وائسرائے ہند کے کہنے کے مطابق نہ جناح صاحب کی کوئی نمائندہ حیثیت ہے اور نہ ہی کوئی قوت یا مضبوط تنظیم تو وہ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیسے کرے گا۔ یہ تو انہیں خود بھی معلوم ہے کہ اس کی طاقت و قوت انگریزوں کے ہاتھوں میں ہے اور آج وہی انگریز کہتا ہے کہ میں نے ہندوستان میں خود انتخابات کرے تو بات صاف واضح ہے کہ ہندوستانیوں نے کس پر اعتماد کیا ہے تو میں صرف قوم کے ان منتخب نمائندوں اور اس سیاسی تنظیموں کے ساتھ ہندوستان کے مستقبل کے لئے مشورہ کروں گا۔ کیونکہ قوم نے انہیں اسی سے منتخب کیا ہے تو پھر مسلم لیگ اور جناح صاحب کی حیثیت کیا ہوگی۔ بات یہ نہیں کہ صرف وائسرائے کو یہ معلوم تھا کہ جناح صاحب کی کوئی قوت اور حیثیت نہیں۔ جناح صاحب یہ خود بھی محسوس کر چکے تھے اور تو چھوڑیں لاہور میں اسی اجلاس میں جس میں پاکستان کی تجویز پاس ہوئی اپنے مسلم لیگ کے ساتھیوں کو بتایا کہ اب تک تو وائسرائے بغیر گاندھی کے کسی کو ماننا ہی نہ تھا جو کچھ تھا گاندھی ہی گاندھی تھا۔ لیکن جب یورپ میں جنگ چھڑی تو وائسرائے نے مجھے بلایا۔ الفاظ یہ ہیں

After the war (began) I was treated on the same basis as Mr Gandhi, I was wonder struck why all of a sudden I was promoted & given a place side by side with Mr. Gandhi

ترجمہ۔ "جنگ (شروع ہونے) کے بعد مجھ سے گاندھی کے برابر سلوک ہونے لگا۔ میں حیران تھا کہ چاکر مجھے ترقی دے کر گاندھی کے ساتھ جگہ دی جا رہی ہے۔"

جناح صاحب خود حیران ہے کہ میری ترقی کیسے ہوئی اور وائسرائے نے مجھے گاندھی کے مساوی حیثیت کیسے دی۔ تو قصہ مختصر کہ وائسرائے صاحب کو بھی جناح صاحب کی حیثیت حقیقت اور قوت کا علم ہے اور خود جناح صاحب کو بھی کہ نہ تو میں انتخابات جیتا ورنہ ہی اپنی سیاسی تنظیم اتنی قوی اور مستحکم ہے تو پھر کیوں انگریز نے مجھے یہ بلند مقام دیا تو اس کا لازمی نتیجہ ایک اور صرف ایک ہو سکتا ہے کہ جناح صاحب کی ہمیشہ یہ کوشش ہوگی کہ انگریز کی دی ہوئی حیثیت اور مقام کبھی ہاتھ سے نہ لٹکے۔ جناح صاحب کو اس کا بھی علم ہے

کہ انگریز کے پاس کانگریس کا مقابلہ کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی اور نہیں تو اس کی بھی ہر قوت یہ کوشش تھی کہ اس مجبوری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔ لیکن یہ بات بھی ہمیشہ نظر رکھی کہ کہیں بات اتنی دور نہ نکلے کہ ہالٹ نہ انگریز سے مقابلہ کی نوبت آ جائے۔

لیکن وزیر ہند ایمرے کی تسلی نہیں ہو رہی تھی تو دوسرے خط میں وائسرائے لکھتے ہیں کہ مسلم لیگ کے متعلق بنیادی بات لکھ دی۔ لکھتا ہے کہ ان کے اخباری بیانات کو نہیں دیکھنا چاہئے۔ 4-10-43 کے خط میں یوں لکھتا ہے:

But I believe as I have often said to you in these matters that he Muslim. (ie Mr. Jinnah) thought they are bound to abuse us in the interest of keeping their place in the public eye & so safeguarding their reputation as good nationalist, have nothing to gain from a further weakening of that connection & do not want any such weakening.

ترجمہ۔ ”مگر میرا یقین ہے کہ جیسا کہ میں نے تم سے اکثر ذکر کیا ہے کہ ان معاملات میں مسماں (یعنی جناح) کو عوام کی نظر میں رہے اور اچھے قوم پرستوں کی شہرت قائم رکھنے کی خاطر ہمیں برا بھلا ضرور کہیں گے مگر انہیں برطانوی رابطے کے منقطع ہونے یا اس رابطے کے مزید کمزور ہونے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، اور وہ ایسی کمزوری کے خواہشمند نہیں۔“

وائسرائے کہتا ہے کہ جناح صاحب ہمیں برا بھلا اس لئے کہتا ہے کہ قوم کو یہ تاثر دے کہ وہ ایک قوم پرست لیڈر ہے اور اس طرح وہ عوام کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی بھلائی اس میں ہے کہ انگریز یہاں حکمران کی حیثیت سے موجود ہو۔ وہ انگریز کے ساتھ قطع تعلق نہیں چاہتا۔ قطع تعلق تو دور، وہ اپنے تعلقات کو کمزور بھی نہیں کرنا چاہتا۔

صوبہ سرحد اور انگریز

انگریز کی پوری پالیسی کو اگر غور سے دیکھا جائے تو اس نے فرقہ وارانہ سیاست اور مذہبی جذبات کو ابھارنے اور مسلم اور غیر مسلم میں نفاق اور بے اعتمادی کی فضا پیدا کرنے کے لئے جس نفرت اور حقارت کی بنیاد رکھی اس میں صوبہ سرحد کی خدائے متعال کا تحریک ایک بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ اس تنظیم کی نہ انگریز کی داخلی پالیسی میں جگہ تھی اور نہ ہی اس کی خارجی پالیسی میں۔ انگریز کے لئے ایک بڑی مشکل یہ بھی تھی کہ صوبہ سرحد کی آبادی میں مسلمان تقریباً 92 فیصد تھے جو پورے ہندوستان میں سب سے زیادہ تناسب تھا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ یہ صوبہ سرحد ایسے مقام پر واقع تھا جسے انگریز اپنی سرحد کہتا تھا۔ ویسے تو انگریز کی سلطنت اس وقت اتنی وسیع تھی کہ اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ لیکن انگریز اس صوبے کو سرحد اس لئے کہتا تھا کہ یہاں انگریز کا اپنے حقیقی دشمن سے سامنا تھا اور یہ سامراج اور نوآبادیاتی نظام کے نمائندہ تاج برطانیہ کی سرحد تھا۔ دوسری طرف روس کی سرحد تھی جہاں پہلے زار شاہی تھی اور زار شاہی جو اپنی سرحد افغانستان کے دریائے آمو کے کنارے تک کھینچ لائی تھی لیکن 917ء کے اشتراکی انقلاب کے بعد انگریز کو آہستہ آہستہ اور بھی خطرات پیدا ہوئے۔ اور آمو دریا جواب تک ایک جغرافیائی سرحد تھا۔ انقلاب کے بعد یہی سرحد جغرافیائی کے ساتھ ساتھ نظریاتی سرحد بھی بن چکا تھا اور اس نظریاتی یلغار سے بچاؤ کے لئے انگریز بھی ایک نظریاتی قوت پیدا کرنا چاہتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں انگریز نے اپنی تمام تر قوت مسلمانوں کے اتحاد اور طاقت کو ختم کرنے کے لئے استعمال کی۔ انگریز نے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور وہ خود سمندر کے راستے سے ہندوستان آیا تھا اور دوسری طرف شمالی افریقہ سے لے کر مشرق وسطیٰ تک یہ ایک عظیم قوت مسلمانوں کی تھی اور پھر سب سے بڑھ کر ترکی کی خلافت عثمانیہ مسلمانوں کی مضبوط حکومت تھی۔ انگریز کو معلوم تھا کہ جب تک مسلمانوں کی قوت کو سرے سے اکھاڑ نہ پھینکے تو وہ ہندوستان میں چین کی خیمہ نہیں سو سکتا اور ہی اس بے پناہ دوست کو ہضم کر سکتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم ختم ہونے تک انگریز نے ترکوں کی خلافت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا اور اس عظیم اتحاد کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں بانٹ دیا تھا اور اپنے ہاتھ کی کٹھ چلیوں کو وہاں بیٹھا چکا تھا۔

جنگ کے خاتمے پر انگریز مطمئن تھا کہ اس کو مسلمانوں کی طرف سے اب کوئی خطرہ نہیں رہا تھا اور اس نے اسلام کی دس بین الملکی عظیم قوت کو ختم کر دیا تھا۔ لیکن اس جنگ کے دوران روس میں ایک عوامی انقلاب آیا۔ پہلے تو انگریز اور سامراجی قوتوں نے کوشش کی کہ اس انقلاب کو ابتدائی میں ناکام بنائیں۔ انقلاب ضد قوتوں کے ساتھ ساز باز کی لیکن بات بدلتی۔ روس کی ناکہ بندی کر دی تاکہ بیرونی دنیا کے ساتھ کسی قسم کا تجارتی لین دین نہ ہو سکے۔ یہ کوشش تھی کہ اس طرح سے یہ نیا انقلاب اقتصادی طور پر کمزور اور تباہ ہو جائے گا۔ لیکن یہ سازش بھی کامیاب نہ ہو سکی۔ اب انگریز کو حقیقتاً فکر دامن گیر ہوئی۔ اور اسی نظریاتی انقلاب کا راستہ روکنے کے لئے از سر نو سوچ اور فکر شروع کی۔ آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ اس نظریاتی قوت کے مقابلے کے لئے جتنے بھی ہاتھ پاؤں مارے کچھ نہیں ہوگا۔ اس کے سامنے صرف دو صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اسلام کو اپنے ذاتی غرض کے لئے استعمال کرے اور اس نظریاتی قوت کو روس کے اس انقلابی اور نظریاتی قوت کے مقابلے کے لئے مضبوط بنائے۔ انگریز مجبور ہوا کہ جس اسلامی قوت کو ختم کرنے کی خاطر اس نے ترکوں اور دوسری قوتوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اب ایک بار پھر اس اسلام کو اٹھائے اسے مضبوط بنائے۔ انگریز کو چھی طرح معصوم تھا کہ اگر حقیقی اسلامی روح قائم رہی تو اس میں تو کافر انگریز کا نقصان ہے اور ایک مشکل یہ بھی تھی کہ حال ہی میں مسلمانوں کی عظیم خلافت کے خلاف اس نے کھل کر جنگ لڑی تھی۔ اس لئے حقیقی اسلام انگریز کو درد کار نہ تھا۔ اسے تو یہ اسلام چاہئے تھا کہ جو اس کی سامراجی نوپا دینی شہنشاہیت کا ساتھ دے اور انقلابی روس کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک نظریے کی حیثیت سے انگریز کا اٹھیا رہے۔ اس لئے انگریز کی پالیسی بدل گئی۔ وہ اسلام کے نام پر ایک ایسا ہلال بنا نا چاہتا تھا کہ وہ ترکی سے لے کر چین کی سرحد تک روس کے گلے میں ایک طوق کی طرح ہو۔ جسے انگریز اپنی زبان میں (Military Crescent) یعنی فوجی ہلال کہتے ہیں۔

ہندوستان میں بھی فرقہ وارانہ نفرت اور دشمنی کی بنیاد اس لئے رکھی گئی اور اسی بین الاقوامی سامراجی مقاصد کے حصول کے لئے انگریز نے یہ ضروری بنانا کہ یہ طوق تب تک کھلے گا جب تک اسلام کے نام پر ہندوستان کے شمال کا ایک حصہ روس کی سرحد کی طرف الگ نہ کر دیا جائے تاکہ ترکی اور ایران کے ساتھ ساتھ چین کی سرحد تک اسلام کے نام پر ایک مضبوط قلعہ بن جائے جو روس کے خلاف انگریز سلطنت کے بچاؤ اور ہندوستان کو غلام رکھنے کے لئے ذریعہ اور وسیلہ بن سکے۔ انگریز بہت ہوشیار اور چال باز تھا۔ وہ اپنے لئے ایسے ساتھیوں کی تلاش میں تھا جو انگریز کے اس مقصد کو پورا کر سکیں۔ اب غور سے دیکھیں تو باچا خاں اور اس کی خدائی خدمتگار تنظیم کے لئے انگریز کی اس پالیسی میں کہیں بھی گنجائش نہیں تھی۔ انگریز کی اندرونی پالیسی یہ تھی کہ ہندو اور مسلمان کے درمیان نفرت، حقارت اور دشمنی

کے بچ بوائے جائیں۔ خدائی خدمتگار اس کی اس پالیسی کے سخت مخالف تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ انگریز اسلام کو اپنی سامراجی نوآبادیاتی شہنشاہیت کے بچاؤ کے لئے استعمال کرتا چاہتا تھا اور خدائی خدمتگار ایسا کرنے کو قطعاً تیار نہ تھے بلکہ اس کا مطالبہ جدوجہد اور کوشش تھی کہ انگریز ہندوستان کی آزادی کا اعلان کرے۔ ہندوستان آزاد ہو اور تمام اختیارات قوم کے حوالے کر دیئے جائیں تاکہ اس کی دولت اور وسائل قوم کے بھوکے بچے اور بے سروسامان غریب لوگوں کے کام آسکیں۔ اسی مقصد کے لئے ہندوستان کی ایسی قوتوں کے ساتھ انہوں نے اتحاد کیا تھا جو ملک کی آزادی کے لئے لڑ رہی تھیں اور وہ انڈین نیشنل کانگریس تھی جو ملک میں رہنے والے باشندوں کی ایک قوم پرست تنظیم تھی۔ جس میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، پارسی سب کے سب شامل تھے۔ (اس میں یقیناً ہندو زیادہ تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت تھی) کانگریس کا بنیادی مقصد ملک کی آزادی تھا اور انگریز کو ہندوستان سے نکالنا مقصود تھا۔ کانگریس کسی بھی صورت روس سے مقابلہ کرنے کو تیار نہ تھی بلکہ اس کی کوشش تھی کہ انگریز ہندوستان چھوڑ کر واپس چلا جائے۔ انگریز نے خوب سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ہندوستان کے اندر اس کی دشمن کانگریس ہے۔ کانگریس کا نظریہ قومیت تھا۔

ہیے سر شیخ محمد اقبال کہتے ہیں۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیز رکھنا

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

انگریز کا بیرونی دشمن روس تھا۔ اس کی تیز نظر باز اور ہوشیار آنکھوں نے فوراً دیکھا کہ ایک طرف اگر انگریز اسلام کو اپنی غرض کے لئے ایک نظریے کے طور پر روس کے خلاف استعمال کر سکتا ہے تو دوسری طرف یہی انگریز اسی اسلام کو ملک کے اندر کانگریس کے خلاف بھی استعمال کر سکتا ہے۔ اس کی مشکل آسان ہو گئی کہ اگر ایک اسلام کو قابو کرے تو یہاں ہندوستان میں اسے فرقہ وارانہ نفق، نفرت اور دشمنی کے لئے اپنے فائدے کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ جبکہ بین الاقوامی میدان میں ایک نظریاتی قوت کے طور پر اسے روس کے انقلابی اشتراکی نظریے کے خلاف استعمال کر سکتا ہے اور یہی پالیسی تھی جس پر انگریز عمل پیرا ہوا۔ اس پالیسی میں سب سے بڑی رکاوٹ صوبہ سرحد کے خدائی خدمتگار تھے کہ نہ وہ ہندو مسلم نفق اور نفرت کی خاطر ہندوستان کی قومی اور عوامی تحریک سے الگ ہو رہے تھے اور نہ ہی روس کے خلاف انگریز کے نظریاتی مقابلے کے لئے اسلام کے نام کو استعمال کرنے کے لئے رضامند تھے۔ انگریز کو ایک یہ مشکل بھی درپیش تھی کہ اس صوبے میں مسلمان بہت زیادہ اکثریت میں تھے۔ دوسرے یہ کہ صوبہ سرحد کے ساتھ قبائلی علاقہ تھا اور اس کے ساتھ افغانستان کی سرحد تھی جو انگریز نے ڈیر ہندو لائن کے ذریعہ نکالی تھی تاکہ پختونوں کو تقسیم کر

دیا جائے۔ اگرچہ بہت لڑائیاں لڑی گئی تھیں۔ لیکن پھر بھی انگریز پشتونوں سے مکمل طور پر مطمئن نہ تھا۔ ایسے حالات میں انگریز کی ناک کے نیچے ایک قومی تحریک کا ابھر آنا اس کے لئے ایک بڑا خطرہ تھا اور اس کے مفادات کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ تھی۔ ان کا ہندوستان کی قومی تحریک کا انگریز کے ساتھ تعاون واقعاً انگریز کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ انگریز کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ اس تحریک کو کانگریس سے علیحدہ کرے اور بزور پھل کر ختم کر دے۔ کیونکہ یہ صوبہ ایک تو نہایت ہی حساس علاقے میں واقع تھا۔ دوسرے ہندو اور مسلمان کی نفرت کی تحریک یہاں پھل پھول نہ سکی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ خدائی خدمتگار تحریک کے یہ قوم پرست اور ولیہ ایسے تھے کہ انگریز کے بے پناہ مظالم، تشدد، مار پیٹ، گھروں کو اجاڑنا، جلانا، جیل خانوں کی سڑکیں اور اس کی تکالیف، جائیدادوں کی ضبطی اور ہر قسم کے حربے جو انگریز استعمال کر رہا تھا، اس کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے۔

تھے) نے شکست دی۔ اسی طرح جہکوں کے نواب گھرانے کے نواب شیر علی خان نے اپنے ہی گھرانے کے ایک نوجوان ارباب عبدالغفور کے ہاتھوں شکست کھائی، اور ضلع کوہاٹ میں انگریز کے ایک دوسرے بڑے ستون خان بہادر قلی خان کو ایک خدائی خدمتگار محمد افضل خان سے ہرایا۔ خدائی خدمتگاروں کے مقابلے میں جو ممبر کامیاب ہوئے ان میں تین نواب، دو نوابزادے، دو خان بہادر اور چار خاں صاحبان تھے۔ ایسے ہی ہندوؤں میں چھ میں سے چار رائے بہادر اور دو رائے صاحبان تھے۔

جیتے ہوئے ممبروں کی تفصیل یہ ہے:-

نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان ہزارہ

نواب سر یار محمد خان، نیری کوہاٹ

نواب سر محمد ظفر خان، بنوں

صاحبزادہ قیوم جو اپنے حلقہ انتخاب میں ہار گئے تھے اور پھر ہزارے میں راجگان کی سیٹ سے جیت گئے۔

نواب زادہ اللہ نواز خان، ڈیرہ اسماعیل خان

نوابزادہ محمد سعید خان ایضا

خان بہادر سعد اللہ خان لینڈ لارڈ

خان بہادر محمد زمان ہزارہ

خان صاحب اسد اللہ خان ڈیرہ اسماعیل خان

خان صاحب عبدالجید خان ہزارہ

خان صاحب راجہ عبدالعزیز ہزارہ

خان صاحب محمد مظاہر خان ہزارہ

ان انتخابات کے فوراً بعد انگریز نے صوبہ سرحد میں اپنی سیاست کا جائزہ لیا۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ نواب، خواجین، خان بہادر، جاگیردار اور ذیلیدار اپنی اپنی جگہ کتنے ہی مضبوط ہوں لیکن جب تک یہاں ایک مضبوط سیاسی جماعت نہ بنے۔ انگریز خدائی خدمتگاروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن نہایت حیرانگی کی بات ہے کہ انگریز نے اپنے تابعداروں کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ لیکن بات کچھ آگے نہ چل سکی۔ اس وقت تک صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کا نام تک نہ تھا اور صوبہ سرحد کی اسمبلی میں کوئی لٹریچر کی نہیں تھی۔ خدائی خدمتگاروں کے علاوہ باقی سب ممبران اسمبلی آزاد تھے۔ ان کا کسی سیاسی تنظیم سے کوئی تعلق نہ تھا۔

انگریز کو یہ بات معلوم تھی کہ پشتونوں کے دور نما ہوتے ہیں ایک دینی اور دوسرا دنیاوی۔ اب تک انگریز دنیاوی رہنماؤں پر بھروسہ کئے ہوئے تھا۔ بہت کوشش اور جستجو کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ پشتون

ایک خوددار اور بہادر قوم ہے لیکن ان کے اس وقت کے معاشرے میں قبائلی زندگی اور سرداری نظام کے باعث جہت امت کا تصور نہیں تھا۔ نفسا نفسی اور انفرادیت تھی۔ ان کے اپنے خونین، ملک، رہنما اور سپید ریش تھے لیکن فیصلے سرداری نظام کی طرح سردار نہیں کرتے تھے بلکہ قومی جرگے کے ذریعے سے ہوتے تھے اور چونکہ بزرگ اور سپید ریش قوم کی رائے اور مشورے کے تابع ہوتے تھے۔ اس وجہ سے انگریز اس طرف ہمت نہ کر سکا۔ انگریز کو یہ بتایا گیا کہ پشتونوں میں ہی پرانے خاندان اور قومی خوارین کو ایک طرف دھکیں کر اپنے خوارین پیدا کرے۔ مطلب یہ کہ اس میدان میں اپنے پودے لگائے۔ تب ہی انگریز اپنے ہی ہاتھوں لگے ہوئے رختوں کے سائے میں آرام سے بیٹھ سکتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ انگریز کے بنائے ہوئے قونین مکمل طور پر انگریز سے وابستہ ہوں گے۔ اس کی تمام دولت، قوت، اثر و رسوخ، عزت انگریز سرکار کی حمایت پر موقوف ہوگی وہ یہ کبھی جرات نہیں کر سکتے کہ انگریز کے خلاف ایک لفظ بھی کہیں یا کوئی قدم اٹھائیں۔ کیونکہ اس طرح سے ان کا تمام دبدبہ، مراعات، دولت ختم ہو جائے گی اور سفیرشوں سے محروم ہو جائیں گے۔ جس کی وجہ سے انگریز نے انہیں عزت کے اس اونچے مقام تک پہنچایا۔ یہ خطاب یافتہ سر، بے ریاست کے نواب، بغیر بہادری کے خان بہادر، خان صاحبان، چاہیر دار، ذیلدار اور ان کے خاندان انگریز ہی کے کرم سے زندہ اور اس کے انعام و اکرام پہ چلتے تھے اور ان کے بچوں کے لئے فوج اور سوں میں نوٹریاں حاصل تھیں۔ انگریز نے یہ ایک ایسا طبقہ بنا ڈالا۔ جس کی اس قوم میں ایک سرکاری حیثیت تھی۔ جن کی سفارشات منظور ہوتی تھیں۔ یہ آئری مجسٹریٹ تھے۔ مقدمات کا خود فیصلہ کرتے تھے۔ قتل کے مقدمات تک کے فیصلے بھی یہ سناتے تھے۔ لوگوں کی قید بند اور آزادی ان کے ہاتھوں میں تھی۔ انگریز کی نظر میں یہی قومی رہبر رہنما تھے۔ ان کے سوا وہ نہ ان پرانے بڑے بڑے خاندانوں کو خاطر میں لاتا تھا اور نہ ہی اس کی کتاب میں ان سفید ریش بزرگوں کی کوئی حیثیت تھی جو قوم کے اصل بزرگ و رہنما تھے۔

انگریز نے اس پالیسی کے ساتھ ساتھ اس اپنے ایک فیصلے کے تحت اس پشتون قوم کو ککڑے ککڑے کر ڈالا۔ کچھ افغانستان، کچھ یاغشاں، قبائلی علاقہ، کچھ ایجنسیاں، کچھ ریاستیں اور باقی کو براہ راست اپنے پنجے کے نیچے رکھا اور ایک بڑا حصہ یہاں سے الگ کر کے بلوچستان کے ساتھ ملا دیا۔ اسی طرح اس کی یہ کوشش تھی کہ پشتونوں کے اس اجتماعی زندگی کے تصور کو بالکل ختم کر دے اور اس سلسلہ میں انگریز اس انتہا کو پہنچا گیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے ان خوارین اور نوابان کے کسی قسم کے اتحاد اور اتفاق پر راضی نہ تھا۔ بلکہ انگریز کا مقصد یہ تھا کہ جتنی بھی ان مختلف گھرانوں اور قبیلوں کے رہنماؤں کی آپس میں دشمنی ہوگی اتنا ہی ایک دوسرے کی ضد میں سرکار کی تابعداری میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں گے اور ہر ایک کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ اپنے کو ایک دوسرے کے مقابلے میں اچھا اور اصل خدمتگار، تابعدار یہاں تک کہ غلام ثابت کرے۔ اس منصوبے سے کچھ عرصے کے لئے تو انگریز کا کام بہت اچھا چلا۔ لیکن جب خدائی خدمتگار تحریک

شروع ہوئی تو اس میں قوم کے محروم لوگ اور خصوصیت سے غریب شامل ہوتے۔ پہلے تو سرکار نے انہیں خوامین کے ذریعے کچلنے کا انتظام کیا۔ لیکن انتخابات کے بعد انگریز کو معلوم ہو گیا کہ خواہ انفرادی طور پر ان سرکاری تابعداروں کا اپنے اپنے عداقوں میں کتنا ہی اثر و رسوخ ہوتا۔ لیکن جب تک یہ ایک جماعت کی حیثیت سے منظم نہیں ہوں گے اس وقت تک یہ ایک قومی تحریک کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سرحد جزاؤں عبد القیوم خان اور سرحد اکبر خان ہوتی جیسے شخصوں کی عام گھرانے کے آدمیوں کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ اس نے انگریز کو احساس دلایا کہ ان سرکاری نوادوں کے آپس کے اختلافات سے انگریز کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

دوسری طرف اپنے تجربے سے انگریز نے یہ سیکھا کہ اس کا مقصد اب صرف اسلام کے نام پر سیاست کرنے سے پورا ہو سکتا ہے۔ یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ مسلم لیگ کی بنیاد ستمبر 1937ء کو ایبٹ آباد میں ملاؤں کے ہاتھوں رکھی گئی اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ جمعیت العلماء کے صدر مولانا شاہ کراٹھ (لوشہرہ سے) کی سرکردگی میں مسلم لیگ بنیاد رکھی گئی۔ اور یہی جمعیت العلماء کا صدر مسلم لیگ کا پہلا صدر اور اسی جمعیت العلماء کے سیکرٹری مولانا محمد شعیب (مردان) اس کے سیکرٹری بننے ذرا سوچنے کی بات ہے کہ اپریل 1937ء میں سرحد جزاؤں عبد القیوم کی سربراہی میں جو وزارت بنی تھی وہ ستمبر 1937ء میں عدم اعتماد کی وجہ سے کیوں ٹوٹ گئی۔ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کے قیام کو ایک سال ہو گیا اور اپنے محدود اختیارات کے باوجود ڈاکٹر خان صاحب کی سربراہی میں صوبے کی وزارت نے کچھ اصلاحات کیں۔

انتخابی اصلاحات کا مقصد، جاگیرداروں کی مضبوطی، آئری میجر بنی کا خاتمہ، جبری چوکیداری بند کرنا تھا۔ یہ ایسے فیصلے تھے جن کا اثر انگریز کے ان تابعداروں پر پڑا۔ جن کے ذریعہ انگریز نے پوری قوم کو محتاج بنا لیا تھا۔ انگریز نے ان سروں، جاگیرداروں، نوادوں، خوامین خان بہادروں، وغیرہ کو کھل کر کہا ہے کہ جب تک تم ایک قوت نہ بن جاؤ، ایک منظم جماعت کے جھنڈے تلے اکٹھے نہ ہو جاؤ، تو تم خدا کی خدمتگاروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جیسے گزشتہ انتخابات نے یہ بات ظاہر کر دی۔ آج غریب اپنے آپ کو ملک کا، لک بچھنے لگا ہے کیونکہ حکومت قوم کے دوٹ کے ذریعے بنے گی اور غریبوں کی تعداد زیادہ ہے۔ تو انگریز و اس کے کارہائیں ڈر گئے۔ ان سرکاری خوامین کو اپنے مستقبل کی فکر لاحق ہو گئی۔ فیصلہ کیا گیا کہ دونوں مورچوں پر قومی تحریک کا مقابلہ کیا جائے۔ ستمبر 1938ء کو مولانا شاہ کراٹھ (لوشہرہ) کی جگہ خان بہادر سعد اللہ خان مسلم لیگ کا صدر بنا اور اس طرح مسلم لیگ کو نوادوں، سروں، خان بہادروں، جاگیرداروں اور آئری میجر بنیوں نے اپنے ہاتھوں میں لیا اور یہی انگریز کے لئے پشتونوں کے خلاف دنیاوی جماعت بن گئی۔ اس کے ساتھ ہی ملاؤں کی ایک تنظیم بھی منظم کی گئی جس کی تفصیل صوبے کے اس وقت کے گورنر سر جارج کیننگھم کی اپنی ڈائریوں میں نہایت تفصیل سے لکھی ہوئی ہے۔ یعنی انگریز نے اپنی جانب سے پشتونوں کے خلاف مغل بادشاہ اکبر کی طرح دونوں مورچوں پر تنظیمیں منظم کیں۔

سرجارج کنگھم کی ڈائریاں

The Price of Mullah

چونکہ انگریز کی پوری پالیسی کا دار و مدار اسلام پر تھا۔ اس لئے سرجارج کنگھم کی اس رپورٹ کو میں تفصیل سے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ قوم کو معلوم ہو سکے کہ کافر انگریز نے کسی طرح مختلف ذریعوں اور طریقوں سے مسلمانوں کے دینی رہنماؤں اور حقیقت میں رسول اکرم کی جائے نماز کے وارثوں اور اس کے محراب اور ممبر کے تابعداروں کو، اپنے کافرانہ اغراض کے لئے استعمال کیا اور کس قدر سستا استعمال کیا۔ مجھے غصہ ہے کہ اس میں بعض نام ایسے ہیں جس کے ظاہر کرنے سے ان صحابہ دین کے پسماندگان کو تکلیف ہوگی۔ لیکن میں اسے اپنا خطری فریضہ سمجھتا ہوں کہ قوم کو ان تمام حضرات سے آگاہ کروں جنہیں کافر آقا اور نوآبادیاتی سامراجی قوت کے علمبرداروں نے اپنے تاج و تخت کے لئے سازشوں میں استعمال کیا تاکہ قوم باخبر اور بیدار ہو کر آنکھیں کھولے کہ کل کو کوئی دوسری قوت قوم کا حق اسلام کے پاک اور مقدس نام سے نصب نہ کر سکے اور ان دین فروش ملاؤں کی نشاندہی ہو تاکہ آنے والے اس سے عبرت حاصل کر سکیں۔

سرجارج کنگھم کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ڈائریاں جب انسان پڑھتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ کتنے معزز بخش شکل، ہر شے صفت، دینی مدرسوں اور تہذیبی و تعلیمی تنظیمیں انقلابی اور اسلامی روح کو درخشاں رکھنے والے مدرسے کے کچھ فارغ التحصیل علماء بھی انگریز کے لئے مصروف کار تھے۔ اللہ کے قرآن کو ہاتھ میں لے کر رسول کے فرمان کو گلے میں ڈال کر کافر انگریز کی حکومت کے لئے اور اپنے ملک و وطن قوم اور مسلمانوں کو غلام بنانے کے لئے اپنے ضمیر، ایمان اور انسانیت کا سودا چند سکوں کے لئے کیا۔

سرجارج کنگھم کی یہ ڈائریاں اس کے ذاتی کاغذات میں لندن کے انڈیا آفس لاہیری میں موجود ہیں۔ کوئی اگر ثبوت چاہتا ہے یا اس سلسلے میں اور تحقیق کرنا چاہتا ہے، تو وہ اسے دیکھ سکتے ہیں۔ میں نے ان ڈائریوں کی نقل سرکاری طور پر وہاں سے حاصل کی ہے۔

ویسے تو انگریز کے نمائندوں کی شروع سے یہ کوشش تھی کہ ہندوستان میں مختلف فرقوں میں نفاق پیدا کرے اور اسی نفاق کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرے لیکن صوبہ برحد میں لوگ نہیں ڈرتے تھے۔

دوسرے پشتونوں کو پیسے بھی اپنے ہاؤسوں پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ کسی اور کی غلامی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور جو قوم انگریز جیسے جابر، ظالم اور طاقتور سے لکر لینے کو تیار تھی۔ اسے کسی اور سے کیسے ڈرایا جاسکتا تھا۔ لیکن اس علاقے میں عموماً اور قبائل اور افغانستان میں خصوصاً انگریز نے ملاؤں کو اپنے ساتھ ملا سہ تھا۔ جو روس کے خلاف انگریز کے حق میں آواز اٹھائے اور پھر جب خصوصیت سے روس میں 1917ء میں انقلاب آیا تو انگریز کو معصوم ہوا کہ اب زار روس کی فوجی قوت کے ساتھ شتر کی انقلاب کی ایک نظریاتی قوت بھی شامل ہو گئی ہے جس کا کچھ بندوبست ضروری ہے اور اس نظریاتی قوت کے مقابلے کے لئے انگریز کی دور پس آنکھوں نے اسلام کو موزوں پایا۔ انگریز نے اس سلسلہ میں کافی محنت کی تھی۔ جب امیر امات اللہ خان کی صورت میں انگریز کو حقیقت میں خطرہ پیش آیا تو وہاں انگریز نے اس اسلام کو ایک اسلامی ملک افغانستان کے مسلمان اور پشتون بادشاہ کے خلاف کس کامیابی سے استعمال کیا تھا۔ لیکن جب یورپ پر ہٹلر کے جرمنی کی طرف سے جنگ کے کالے بادل چھائے تو انگریز کو پھر اپنے وسیع سرحدات کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ یہ تو ہم نے خود دیکھا کہ کس طرح ہندوستان میں انگریز نے اسلام کو سیاسی میدان میں اپنے نمائندے کے لئے استعمال کیا اور فائدہ اٹھایا اور یہ بھی دیکھا کہ وہی اسلام روس کے نظریاتی مقابلے کے لئے اس کے کام آیا۔ جب حالات ہنگامی ہوئے تو صوبہ سرحد میں بھی انگریز نے اپنی تمام تر توجہ اسلام پر دی۔ گر یک طرفہ لوہوں اور خواتین کو اسلام کے نام پر مسلم لیگ میں جمع کر رہا تھا تو دوسری طرف مکمل توجہ ملاؤں پر بھی دی کہ یہاں صوبہ سرحد اور اس کے ملحقہ قبائلی علاقے میں یہاں تک کہ افغانستان کا اندر بھی اسی اسلام کے مورچے کو مضبوط بنایا جاسکے۔

کننگھم یوں لکھتا ہے کہ:

Kulikhan at once arranged secret meetings with Tribes Mullahs and others who would not come out in to the open, with Mullahs he had to establish relations through certain persons in Hyderabad state.

ترجمہ:- "قلی خان نے فوراً قبائلی ملا اور دوسروں سے خفیہ میٹنگ کا اہتمام کیا جو ہلاہر سامنے نہیں آئیں گیں اور کچھ ملاؤں سے اس نے حیدرآباد کے شخصیتوں کے ذریعہ رابطہ پیدا کیا۔"

ملاؤں کے ساتھ رابطے کا کام ہم نے خان بہادر قلی خان کے حوالے کر دیا تھا تاکہ وہ اس قسم کے ملاؤں سے خفیہ رابطہ قائم کرے۔ جو مکمل کر انگریز کا ساتھ دینے پر تیار نہیں۔ بات بالکل واضح تھی کہ ہم تو یہ سب کچھ صرف اسلام کی خدمت کے لئے کر رہے ہیں اور صرف اسلام کے دشمنوں کے خلاف ایک مورچہ قائم کرنا چاہتے ہیں خصوصاً بالشویک کے خلاف۔

کننگھم لکھتا ہے کہ:

Through Mullah Marwat, Kuli Khan established relation with the office bearers of the Jamiat ul Ulama Sarhad and their supporters in India, these Mullah many of whom has consistantly been anti British, began to speak and write against the Russains and Germans on the piateform and in the press subsidies were paid to all these Mullah through Mullah Marwat.

”قلى خان نے ملا مروت سے جمعیت علماء سرحد* کے مہدیہ اوروں اور ہندوستان میں ان کے ہم نواؤں کے ذریعہ رابطہ پیدا کیا۔ یہ ملا جن کی اکثریت مسلسل برطانیہ کی مخالفت کرتی تھی۔ اب انہوں نے روس اور جرمنی کے خلاف اپنے اسلج اوڈ پرپس سے ہونا شروع کر دیا۔ ان سب ملاؤں کو اس کا معاوضہ ملا مروت کے ذریعہ ادا کیا جاتا تھا۔“

پہلا ملا جب قلی خان نے بھرتی کیا تو وہ ملا مروت تھا۔ جو پہلے خاکسار تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔ پہلے اسے وہ اسلام کی خدمت نظر آ رہی تھی لیکن قلی خان نے مطمئن کر لیا کہ خدمت اب صرف جہاد کے اعلان ہی سے ہو سکتی ہے۔ جہاد کا نعرہ اسلام کے دشمنوں کے خلاف لگایا ہے۔ اسی ملا مروت کے ذریعے قلی خان نے جمعیت العلماء سرحد سے رابطہ قائم کر لیا۔ کئی گھنٹے لکھتا ہے کہ ان ملاؤں کو پیسے بھی قلی خان نے مروت کے ذریعے دیتے تھے۔ ان ملاؤں کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ قوم کو بتائے کہ انگریز چونکہ ال کتاب ہے اور اس کے ساتھ نکاح واجب ہے اور دوسری طرف روسی ہائٹویک ہیں۔ وہ ال کتاب نہیں۔ بلکہ انگریز کے کہنے کے مطابق وہ تو سرے سے خدا کی ذات سے منکر ہیں، تو اس وجہ سے آج انگریز اور اسلام کا مقصد ایک ہے تاکہ اس بے دین نظام کا مقابلہ کیا جائے۔ ملاؤں کی بنی بھی ڈیوٹی تھی کہ قوم کو براہِ یہ یاد دلائیں کہ انگریز کی فوج میں بھرتی ہونا** اور انگریز کے لئے جنگ لڑنا بھی اسلام کی خدمت ہے۔

* یعنی مولانا شاکر اللہ، نوشہرہ، مفتی عابد اللہ بردان، مولانا شعیب مردان، مولانا شاہد صوابی، دیگر مہدیہ دار۔ مفتی مدد اللہ صوابیہ، ننڈوخوا کے سابقہ ڈپٹی سیکرٹری اکرام اللہ شاہد کے والد تھے انہیں اس خدمات پر بعد میں تحریک پاکستان گولڈ میڈل سے بھی نوازا گیا۔

** ترانہ پاکستان کے خالق حفیظ جالندھری بھی فوجی بھرتی کے لئے ریڈیو گیت لکھتے تھے۔ اس زمانے کا مشہور گیت ”میں تو چمورے کو بھرتی کر آئی رہے“ ان ہی کا لکھا ہوا تھا۔ یہ گیت لکھنے کے کافی شوقین تھے لہذا بعد میں قومی ترانہ لکھنے پر بھی ان کی اور ذیلے اے بخاری کی تو تھکار ہوئی تھی جنہوں نے قومی ترانے کا تہائی حصہ لکھا تھا اور وہ بھی اس ثواب دار بین میں اپنا نام ڈالنا چاہتے تھے واضح رہے اس سے پہلے انہوں نے تجویز دی تھی کہ قومی ترانہ سورۃ فاتحہ ہونا چاہیے یہ تجویز مسترد کر دی گئی تھی۔

کننگھم لکھتا ہے کہ میں نے جمعیت العماء مرحد کے رہنماؤں کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ وزیرستان میں فقیر اپی کے پاس جائیں اور اسے یہ بتائیں کہ اب انگریز کے خلاف جہاد کرنا اسلام کی خدمت نہیں۔ اب تو انگریز جرمن اور اٹلی کے ساتھ برسرِ پیکار ہے۔ ایسے وقت میں فقیر اپی کو چاہئے کہ یہ انگریز کو شک نہ کرے۔ چونکہ انگریز کفر کے خلاف جنگ میں الجھا ہوا ہے۔ یہ بھی ایک طرح سے اسلام کی خدمت ہے۔ انگریز یہ سب کچھ اتنے خفیہ طریقے سے کر رہا تھا کہ اس کے مخالفین کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ یہ تقاریر، خطوط اور خطوط کے ذریعے انگریز کی امداد یہ سب کچھ انگریز کے کہنے، اشارے یا امداد سے ہو رہا تھا اور اس نے کننگھم خوش تھا کہ فقیر اپی کے نائب محمد وارث کا خط جمعیت العماء مرحد کے رہنماؤں کے نام آیا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ بچہ دوستانہ تھا یعنی تسلی اس بات پر تھی کہ فقیر اپی یا اس کے ساتھیوں کو یہ شک نہیں ہوا کہ یہ سب کچھ ملا لوگ انگریز کے کہنے اور اس کی خواہش پر کر رہے ہیں۔

یورپ کی جنگ شروع ہونے کے بعد یہاں ہندوستان میں انگریز وری کانگریس کے مابین اختلافات کھل کر سامنے آ گئے۔ کانگریس کے ٹھکڑوں کی وزراتیں مستعفی ہو گئیں اور حمایت ہستہ آہستہ محاذ آرائی کی طرف جانے لگے تو صوبے کے گورنر نے یہ ضروری جانا کہ قبائلی علاقوں اور افغانستان کے عداوہ یہاں صوبہ مرحد میں بھی عداوہ کو منظم کرے اور اپنا رابطہ ان سے قائم کرے۔ دوسرے یہ کہ اب تک جنگ میں صرف جرمنی اور اٹلی تھے۔ تو انگریز نے یہ بہتر جانا کہ روس کے متعلق اپنا مخالفانہ پروپیگنڈا ذرا کم کر دے اور پورا زور اٹلی اور جرمن کی مخالفت پر دے۔

کننگھم نے ملاؤں کے تین گروپ بنائے تھے۔ یہ چھوٹے چھوٹے ملا، صدقہ کے خواہن اور اعتباری خان بہادروں کے حوالے کر دیئے تھے جو ان سے ذرا اونچے مرتبے کے تھے ان سے رابطہ ڈپٹی کمشنر کے ذریعے قائم رکھا تھا اور جو سب سے بڑے تھے "کبراء" ان سے گورنر نے خود رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ ابتداء ہم چھوٹے ملاؤں سے کرتے ہیں۔ کننگھم کہتا ہے کہ یہ ہشت نگر کے شیر پادشاؤں کے غلام حیدر خان* (خان بہادر) کے حوالے تھے۔ اس نے نو دس ملاؤں کو اکٹھا کیا ہے جو وہیں کے تھے۔ یعنی رجز، کوٹ، ترناہ، بنگی، اتمانزئی، عمرزئی، پرائیگ، چارسدہ وغیرہ۔

کننگھم لکھتا ہے کہ:

I have not been intouch with any of the smaller Mullahs

* یہ خان بہادر صاحب سابق گورنر حیات شیر پادشاہ سابقہ وزیر اعلیٰ مرحد سابقہ وزیر داخلہ آفتاب احمد خان شیر پادشاہ فیروز شاہ کے مددگار تھے۔ ہزارے کے بعد لیاقت علی خان کے سنے بطور وزیر اعظم چارسدہ تقریب سہائی تھی۔ اس تقریب میں وزیر اعظم کی تقریر کے دوران ہی حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے تھے۔ گویا دو چار ہاتھ جب کہ لب ہا مہر گیا:

myself I have done it though the following agents with who practically all my paper as possible .

Ghulam Haider of Sherpda he told me that he though he could work through about 9 or 10 Mullah including those of the following villages"

Razzar 'Kot' Tarnab, Tangi, Utmanza. & Umarzai (Later Prong and Charsaddas)

ترجمہ:- "میرا ان چھوٹے ملاؤں میں سے کسی سے بھی براہ راست رابطہ نہیں تھا۔ یہ میں نے حسب ذیل ایجنٹوں کے ذریعہ رکھا جن سے میرا تعلق علما زبانی رہا اور کم سے کم تحریر میں رہا۔ غلام حیدر شیرپاؤ نے مجھے کہا کہ اس کا خیال ہے کہ 9 یا 10 ملاؤں کے ذریعہ حسب ذیل گاؤں میں کام کیا جائے۔

رجڑ، کوٹ ترناب، تنگی، عثمان زئی، عمر زئی، بعد میں پڑانگ اور چارسدہ۔"

میں نے شیرپاؤ خان کو کہا کہ تم نے ہر ایک ملا سے الگ الگ ملاقات کرنی ہے اور تم انہیں اسلام کی خدمت کرنے پر تیار کرو گے۔ 40 یا 50 روپے دو گے اور کہنا کہ چار مہینے بعد آ کر اپنی تمام کارگزاری بیان کرو گے کہ کیا کچھ کیا ہے۔ یعنی انگریز خان بہادر کو کہتا ہے کہ انہیں اشاروں میں یہ سمجھا دو کہ اگر کام تسلی بخش کیا تو وظیفہ مزید بڑھایا جائے گا خان بہادر صاحب کنگھم کو کہتا ہے کہ بعض ملا بہت اہتباری نہیں ہیں۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ ان کو ہر مہینہ بلایا جائے اور ماہوار رقم دی جائے یعنی چار مہینے کے لئے 40 روپے کے حساب سے 10 روپے ماہوار ہوا۔ کنگھم لکھتا ہے کہ میں نے شیرپاؤ خان کو 600 روپے دے دیئے۔ اس طرح تحصیل نوشہرہ اور تحصیل پشاور کے ملاؤں کی فہرست ضلع کے ڈپٹی کمشنر سکندر مرزا کے حوالے کر دی گئی۔ سوات، بونیر، مردان اور رانی زئی کے ملا لوگ۔ اس وقت سوات وزیراعظم حضرت علی کے حوالے

تھے۔

کنگھم لکھتا ہے کہ:

The Wazir I Azam sent me a list of Mullahs through whom he was working he is paying them on an average of about Rs.15/- per month each. (of apeendix "B")

ترجمہ:- "وزیراعظم نے مجھے ان ملاؤں کی فہرست بھیجی جن کے ذریعہ سے وہ کام کر رہا تھا۔ وہ

ان کو تقریباً پندرہ روپیہ ماہوار معاوضہ دے رہا ہے۔"

وزیراعظم نے مجھے ملاؤں کی مکمل فہرست بھیج دی ہے کہ وہ ان کوئی کس پندرہ روپے مہینہ دیتا ہے (یہ تو ہشت سو روپے اور دو آٹے کے ملاؤں کے ساتھ سراسر زیادتی تھی کہ ان لوگوں کو 15 روپے اور ان کو 10 روپے مہینہ ملتا ہے۔) کوہاٹ کے ملاوہاں کے ڈپٹی کمشنر کے حوالے تھے۔

خوش ضلع کے ملاؤں کو ڈپٹی کمشنر نے دو آدمیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ جن میں ایک نواب ظفر خان اور دوسرے تاج علی جو خان بہادر غلام حیدر خان کا بیٹا تھا۔

ڈیرہ اسماعیل خان کے ڈپٹی کمشنر محمد اسلم کو کنگھم نے 600 روپے دے دیے کہ وہ تین دینی رجمنٹوں کو دے دے۔ اہل خیل فقیر، پیر موسیٰ خری اور پیر زکوڑی۔ یعنی دو سو روپے فی کس۔ کنایتہ وعدہ بھی ان سے کیا گیا کہ اگر کام قلمی بخش ہو تو رقم کو بڑھایا جاسکتا ہے۔

ستانہ کے سید عبدالجبار شاہ کے متعلق کنگھم لکھتا ہے کہ اس کا رابطہ حیدر آباد کن کے ساتھ تھا۔ اسے اس ریاست کا وزیراعظم سراج حیدری رقم دیا کرتا تھا۔ کنگھم خوش تھا کہ یہ بچت ہو گئی۔ سید صاحب سے کام انگریز کے لئے لیا جائے گا اور وہ حیدر آباد دے گا۔ کنگھم کہتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد مجھے عبدالجبار شاہ نے اطلاع دی کہ اس نے صوابی میں انتخابات مکمل کر لئے ہیں اور باجوڑ میں بھی اپنے چچیرے کو بھیجتا ہے۔

خیبر کے آفریدی ملاؤں کے ساتھ رابطہ پولیٹیکل ایجنٹ بیکن کے ذریعے تھا۔ * اسموں کے پنجابی مجاہدین کے لیڈر مولوی برکت اللہ کے ساتھ کنگھم کا براہ راست رابطہ کافی عرصے سے تھا۔ کنگھم لکھتا ہے کہ یہی مجاہد سال میں ایک دو مرتبہ مجھ سے ملنے آتا تھا اور میں کچھ رقم دیتا تو برکت اللہ نے کہا کہ وہ باجوڑ اور مہمند روپے دیئے اس نے کہا کہ دو تین مہینے بعد مجھے مطلع کرو

My arrangement uptill now with him (Maulvi Barkatullah of Asmar) has been that he come to see me once or twice a year Barkatullah said he could also do a good deal through perhaps 10 or 12 Maulvi in different place through out Bajaur and Mohmand community — I paid him Rs. 1000/-

ترجمہ: "میرا طریقہ اب تک یہ رہا ہے کہ مولوی برکت اللہ سال میں میرے پاس ایک یا دو مرتبہ آتا ہے۔

* یہاں اسموں نام کی لفظی تفسیر اصل لفظ اسم ہے کیونکہ برکت اللہ اسماء کی مسجد میں ملائے تھے۔

برکت اللہ نے کہا کہ وہ ہا جوڑ اور مہند کے علاقوں میں دس یا بارہ ملاؤں کے ذریعہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ میں نے اس کو ایک ہزار روپے دیئے۔"

کننگھم نے پھر ان ملاؤں کی کارگزاری اور خصوصیت سے قلی خان کے کام کی تفصیل بیان کی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ خان بہادر صاحب سے اپنا تمام کام جمیعت العلماء سرحد کے ذریعے سے پورا کیا ہے۔ اس کی کافی تفصیل ہے کہ انہوں نے کتنے اجلاس کئے، تحریزیں پاس کیں، پمفلٹ چھاپے، دورے کئے اور مختلف علاقوں میں رابطے قائم کئے۔ کننگھم کی اس دستاویز میں پہلی مرتبہ جنگ کے عہدہ کانگریس کے خلاف قاری کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

Mulana Muhammad Shuaib toured Mardan District condemning Satyagraha. Pamphlet by Mulana Madrar Jah, war situation and ant Congress.

ترجمہ۔ "مولانا محمد شعیب نے ضلع مردان کا دورہ کیا اور ستیہ گرہ کی مذمت کی۔ مولانا مدرار اللہ نے جنگ کی صورت حال اور کانگریس کے خلاف پمفلٹ تقسیم کئے"

مولانا محمد شعیب نے مردان ضلع کا دورہ کیا اور ستیہ گرہ (تحریک سول نافرمانی) کی مذمت کی۔ دوسرے مولانا مدرار اللہ کے پمفلٹ کا ذکر ہے کہ یورپ کی جنگ کے سلسلے میں کانگریس کے خلاف لکھا ہے۔

انگریز تو نہایت چوکنا اور بیدار تھا۔ کننگھم کو یہ فکر لاحق ہوتی کہ چاروں طرف رقم تو پھیلا رہی ہے۔ اس نے عوام کو ملاؤں کے ذریعے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ لیکن چاہئے کہ معنوم بھی کریں کہ آیا سچا سچ یہ ملاؤں کے لئے پروپیگنڈا کر رہے ہیں یا نہیں۔ تو کننگھم لکھتا ہے کہ ہم نے اپنے چاسوسوں کو مسجدوں میں بھیجا تا کہ وہ پتہ لگائیں کہ ملا یہ اپنا وظیفہ حلال بھی کھا رہا ہے یا دیسے ہی سرکاری خزانہ خالی کر رہے ہیں۔ جب رپورٹیں آئیں تو کننگھم مطمئن اور خوش ہوا کہ ملا یہی انداز اور اخلاص سے لگے ہوئے ہیں اور اسلامی جذبے سے قوم کو 15 روپے ماہوار لے کر فروخت کر رہے ہیں۔

کننگھم مطمئن تھا کہ سوات کا وزیراعظم حضرت علی اپنا کام نہایت خوش اسلوبی سے کر رہا ہے۔ لکھتا ہے کہ:

Hazrat Ali Wazire Azam of Swat is doing excellently in Swat and Buner, he uses Pir Baba Ziarat, also Ghulam Haider Sherpao in his area--- Hazrat Ali now covers the whole of

Swat Buner and Mardan Boder.

ترجمہ۔۔ ”سوات کے وزیراعظم حضرت علی سوات، وزیر میں بہترین کام انجام رہے رہے ہیں اس نے ہیر ہا زیارت کو بھی استعمال کیا۔ غلام حیدر شیر پاؤ بھی اپنے علاقے میں اچھا کام کر رہا ہے۔

حضرت علی نے اب تمام سوات، بونیر اور مردان کے ضلع میں اپنی کارکردگی بڑھا دی ہے۔“
اس کے حصے کے ملاؤں کا مرکز ہیر میں ہیر ہا کی زیارت ہے۔ ذریعہ اسماعیل خان کے اماں خیل فقیر اور موسیٰ زو کے ہیر سے کننگھم خوش تھا۔ لکھتا ہے کہ یہ ہیر مجھ سے ملاقات کی غرض سے خود پٹا در آیا تھا۔ ان کے ساتھ رابطہ شیر علی کا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اس نے جوڑی کے ہیر کو بھی بھرتی کر لیا ہے۔ کننگھم کہتا ہے کہ شیر علی نے تونسہ کے ہیر تک رسائل حاصل کر لی ہے۔ اس سے بات بھی ہو چکی تھی لیکن بدبختی یہ ہوئی کہ یہ ہیر صاحب اخلاقی تقدے میں پھنس گیا۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ کننگھم ابھی تک فقیر اپنی کے ہاتھوں تک ہے۔ کہتا ہے کہ ہم نے شیرہ کے فقیر، اماخیلو کے فقیر کر بونے کا ملا اور حاجی اخوندزادہ کے ذریعے فقیر اپنی کو خط لکھا کہ وہ انگریزوں کو آرام سے چھوڑ دیں۔

چیرمین پولیٹیکل ایجنٹ نے اپنا تمام کام عبدالباقی مل کے حوالے کر دیا۔ کہتا ہے کہ وہ بہت ہی اعتباری آدمی ہے اور کام کا آدمی ہے۔ مزید کہتا ہے کہ ملا صاحب کو 1000 روپے دے دیئے ہیں۔
جب یورپ میں جنگ چھڑی اور نظر نے پورے یورپ کا جینا حرام کر دیا، اور انگریز کو ہر طرف شکست کا سامن کرنا پڑا۔ تو اسے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ ممکن ہے کہ روس اس موقع سے فائدہ اٹھائے اور دھر ہندوستان کا رخ کرے۔ اس موقع پر پیش بندی کے لئے اور تو چھوڑیں۔ جمعیت العلماء نے اپنے سالانہ اجلاس میں یہ تجویز پاس کی کہ روس نے اگر افغانستان پر حملہ تو مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ روس کے خلاف جہاد میں شریک ہوں، لیکن جب انگریز کوتاہی ہوئی کہ روس کی طرف سے اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں تو دوسرا فتویٰ کننگھم صاحب نے جاری کر دیا۔ کہتا ہے:

I advised Kuli Khan to moderate his anti Bolshevik propaganda and to concentrate more on propaganda against Germany and Italy.

ترجمہ۔۔ ”میں نے کولی خان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے ہاشو یک دشمن پروپیگنڈے کو گھٹائے اور جرمنی اور اٹلی کے خلاف پروپیگنڈے پر زیادہ زور دے۔“

اسی طرح جوں جوں انگریز اور کانگریس کے تعلقات خراب ہوتے گئے۔ انہی ملاؤں کو انگریز نے کانگریس کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ مگر حقیقت میں یہ بہت ہی مشکل تھا کہ عالم دین یا ایک سچا مسلمان مذہبی جذبے سے انگریز کا ساتھ دے۔ انگریز تو مسلمانوں کا اڑی دشمن تھا۔ سلطان ایوبی کے وقت سے لے کر ترکی کی سلطنت عثمانیہ کی تباہی و بربادی تک انگریز مسلمانوں کا دشمن رہا ہے۔ باقی عرب دنیا تو چھوڑیں خانہ کعبہ پر گولیاں بھی اسی انگریز کی ہندوستانی فوج نے برسائی تھیں۔ ہندوستان کی بادشاہی، مغل مسلمان بادشاہوں سے بھی اسی انگریز نے جھنجھکی تھی۔ اور پھر اسی انگریز نے دلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر اور اس کے بچوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے بھی دنیا بے خبر نہیں اور پھر یہاں پشتونوں کی اپنی آنکھوں کے سامنے انگریز نے افغانستان میں پشتون مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ امیر دوست محمد خان سے لے کر امیر شیر علی خان اور پھر آخر امیر امان اللہ خان تک یہ تمام مسلمان انگریز کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے یا روس، جرمنی اور اٹلی کے ہاتھوں۔ بہت دور جانے کی ضرورت نہیں۔ کل ہی کی بات ہے کہ یہاں 1930ء سے لے کر کئی سال تک انگریزوں نے خدائی خدمتگاروں پر کیا کیا ظلم نہیں کئے اور کونٹ، ناروا سلوک ہے جو روا نہیں رکھا۔ کیا وہ بھی ان ملاؤں کو معلوم نہ تھا اور یا پھر جو جنگیں اور بمباریاں انگریز کے ہاتھوں قبائلی علاقوں میں ہوئی اس سے بھی یہ ملانے بے خبر تھے۔ وزیر، مسید، آفریدی، ہندو اور دوسرے مسلمانوں پر لام بندی انگریز کی طرف سے تھی۔ یاروں، جرمن اور اٹلی کی طرف سے۔ فقیر اپنی جیسے حقیقی مجاہدوں اور شہید اسلام کے لئے کے جانثاروں کے خلاف جنگ بھی تو بھی انگریز کرتا رہا۔ لیکن حقیقت میں ملا کو تو دین، اسلام اور قرآن سے سروکار نہ تھا اور نہ ہی رسول اکرمؐ کے اسوہ حسنہ سے۔ یہ دین فروش تو دس اور پندرہ روپے مہینہ پر انگریز کے ہاتھوں بک چکے تھے۔ انہیں فتویٰ انگریز دیتا تھا اور ان کا مفتی اور قاضی بھی انگریز تھا۔ ان ملاؤں کے ہاتھ میں اسلام کی تلوار تھی۔ لیکن نظریں انگریز کے اشارے پر لگی ہوئی تھیں۔ انگریز کہتا روس کافر ہے۔ ملا صاحب کہتا، ہاں ضرور ہے۔ لیکن اگر انگریز کہتا کہ نہیں روس اب ذرا بہتر ہے اور جرمن کافر ہے۔ تو ملا صاحب کہتا، بالکل ٹھیک جرمن کافر ہے۔ اگرچہ جرمن بھی اسی کتاب پر ایمان رکھتا تھا جس پر انگریز اور ”اہل کتاب“ میں شامل تھا لیکن ملا صاحب کو تو انگریز کا فتویٰ منظور تھا اور پھر جب اٹلی کے کفر کی باری آئی تو اٹلی تو عیسائیت کا مرکز تھا اور اس کا ایسا مقام تھا جیسے مسلمانوں کے لئے خانہ کعبہ۔ وہاں تو لات پادری یا پاپائے روم خود رہتا تھا لیکن ہمارے ملا صاحب کا تو شامل کتاب سے تعلق تھا اور نہ ہی کسی اور بات سے سروکار۔ وہ تو انگریز کے فتویٰ کے لئے بیٹھا ہوا تھا۔

اور جب انگریز کو اسی اسلام اور ملا کی ضرورت ہے اپنے اندرونی یعنی ملکی مسائل کے لئے پیش آئی تو یہ دس پندرہ روپے ماہوار پر نو کر ملا۔ پھر اس نے اپنے سیاسی اغراض کے لئے استعمال کرنے شروع کئے

لیکن یہاں صوبہ سرحد میں تو انگریز کے مخالف خدائی خدمتگار تھے جو تقریباً سب کے سب مسلمان تھے اور ہمارا
 باچا خان جو حاجی تھے، طائف، مدینہ بیت المقدس کے زائر تھے۔ نماز کے پابند اور جنہوں نے اسلامی
 مدرسے بنائے تھے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا لیکن ان کی سب سے بڑی
 برائی یہ تھی کہ وہ انگریز سے اپنا ملک اپنی سرزمین آزاد کرانا چاہتے تھے۔ یہی دین فروش ملا کا فر انگریز کے لئے
 خدائی خدمتگاروں کے مقابلے کے لئے نکل آئے۔ خود مجھے اس بات میں کوئی قباحت نظر نہیں آئی۔ اگر کوئی
 عالم دین سیاسی اٹوٹ کے لئے میدان میں نکل آئے کیونکہ یہ ہر ایک انسان کا بنیادی حق ہے لیکن یہاں تو یہ
 ملا کا فر انگریز کے لئے ملک کے حریت پسند مجاہدوں اور نمازیوں کے خلاف اسلام کا پاک اور مقدس نام لے
 کر اٹھے تھے جیسے کنگھم لکھتا ہے:

Jimiat al Ulema toured in Kohat District in June 1942, and in

Peshawar and Mardan in July, doing intensive propaganda.

(A) anti axis, on Islamic theme generally and

(B) anti Congress, particularly on the Palastan theme.

Mullahs in Peshawar & Mardan intensified their anti congress
 propaganda during July August.42

ترجمہ:- ”جمعیت العلماء نے جول 42ء میں ضلع کوہاٹ کا اور جولائی میں پشاور اور مردان کا
 دورہ کیا اور پھر پھر پروپیگنڈہ کیا۔

(الف) محوری قوتوں کے خلاف عمومی طور پر اسلامی حوالے سے۔

(ب) کانگریس کے خلاف بالخصوص پاکستان کے حوالے سے کیا۔

پشاور اور مردان میں ملاؤں نے جولائی اور اگست 42ء کے دوران اپنا کانگریس مخالف
 پروپیگنڈہ شدید تر کر دیا۔

جمعیت العلماء نے کوہاٹ کا دورہ کیا اور پشاور اور مردان کے ضلعوں میں زوردار پروپیگنڈہ کیا۔
 ایک طرف اٹلی اور جرمنی کے خلاف دوسری طرف کانگریس کے خلاف اور پاکستان کے حق میں۔
 کنگھم صاحب کہتا ہے کہ مردان اور پشاور کے ضلعوں میں بھی ملاؤں نے کانگریس کے خلاف اپنی ہم
 زور دھڑ سے جاری رکھی تھی۔

یعنی انگریز نے ان ملاؤں کو موسمِ لگ کے سیاسی کام میں مدد کے لئے دینی میدان میں اتارا۔ ذرا
 سوچنے کا مقام ہے۔ جوں جوں عادی جنگ کے حالات بدل رہے تھے۔ اسی طرح ان ملاؤں سے انگریز

وقت اور ضرورت کے مطابق اپنا کام لے رہا تھا۔ ان ملاؤں کو اس وقت انگریزوں نے ایسے جوت رکھ دیا تھا۔ کہ جو کچھ انگریز کہتے تھے۔ یہی ملا اسلام میں اس کے لئے جواز پیدا کرتے تھے۔

جب روس کی طرف سے انگریز مطمئن اور بے فکر ہو گیا تو پھر اس نے اس ملاؤں کو مکمل طور پر خدائی خدمتگاروں کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ یعنی اگست 42ء کے آنے تک کننگھم لکھتا ہے کہ سوات کے وزیر اعظم حضرت علی نے مردان میں 18 ملاؤں کو بھرتی کیا اور دو ہیر بابا کی زیارت میں تھے اور انہیں 30 روپے مہینہ ملا تھا۔

Wazir e Azam of Swatis now employing 18 Mullahs in Mardan and at 32 Pir Baha Zaraf paying Rs.30 P.M. each.

ترجمہ:- ”وزیر اعظم سوات نے اب مردان میں 18 اور ہیر بابا زیارت 32 ملازم رکھے ہوئے ہیں جنہیں 30 روپے ماہانہ دیتا ہے۔“

کننگھم لکھتا ہے کہ مولانا محمد شعیب اور مولانا مدرار اللہ نقش بندی مجھے ملنے نہیا گلی آئے۔ ایک بہت طویل پمفلٹ اردو زبان میں لکھا ہوا تھا پیش کیا اور تجویز کیا کہ اسے تمام ضلعوں اور قبائلی علاقوں میں تقسیم کیا جائے بہت اچھا ہے۔ کانگریس کے خلاف جاپان، جرمنی اور اٹلی کے خلاف ہے۔ یعنی اس سے واضح اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ یہ ملا نے اسلام کی خدمت کا نام لیتے ہیں اور کفر کے خلاف قلم سے جہاد کرتے ہیں اور اسلامی فتوے جاری کرتے ہیں لیکن یہ فتویٰ منظوری کے لئے پہلے انگریز کے پاس لے جاتے ہیں:

Moulana Muhammad Shoaib and Moulana Midrarullah came to see me at Nathiagali on 26th Aug. and produced a long draft in Urdu of their pamphlet which they proposed to issue both in the districts and in T.T (Tribal Territory) All good anti Congress anti Japanese and axis stuff they were extremely friendly.

ترجمہ:- ”مولانا محمد شعیب اور مولانا مدرار اللہ 26 اگست کو مجھے ملنے نہیا گلی آئے۔ انہوں نے مجھے اپنے طویل اردو پمفلٹ کا خاکہ دکھایا جو کہ وہ ضلعوں اور قبائلی علاقہ جات میں جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بہت اچھا کانگریس مخالف، جاپان اور جرمنی مخالف مواد ہے۔ ان کا اہمال حد سے زیادہ دوستانہ تھا۔“

انگریز بہادر نے یہ تو اسلام کی خود خدمت کی کہ ان ملاؤں کے نام بمعہ ان کے اتے پتے کے پورے پورے لکھ دیئے ہیں۔ پشاور تحصیل کے 24 ملا ہیں جن میں چھ پشاور شہر کے ہیں۔ تیسرہ تحصیل چارسدہ کے ہیں۔ تین تحصیل نوشہرہ اور اٹھارہ مردان اور صوابی کے ہیں۔

اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری تھا کہ 1946ء تک کنگ گھم نے جس جس کو اور جس کے ہاتھ سے رقم دی ہے۔ ان اینٹوں کے نام ایک ایک کر کے اسی دستاویز میں درج ہیں۔ خوانین نے اپنا دین، ایمان، بہنو، ضمیر غیرت حیت انگریز کے کفر کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے نگوں کے بھاؤ بیچ اور کیسے ان ملاؤں نے انگریز کے مفادات کے تحفظ کے لئے ملک کی آزادی کے مجاہدین اور غازیوں پر کفر کے فتوے لگائے تھے۔ انگریز کی ذہانت کی داد دینی چاہئے کہ جس نے اپنے سامراجی نوآبادیاتی راج کو برقرار رکھنے کے لئے مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا کئے اور انہیں منظم کیا کہ وہ ملک کی آزادی کے لئے انگریز سے مطالبہ تک نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں اس کی امداد کے لئے آزادی کی تحریک کے خلاف اسلامی جذبے کا نام لے کر دنیاوی مفاد کی خاطر ڈٹ کر کھڑے ہوئے تھے۔

انگریز کی کوشش یہ تھی کہ وہ ان خاندانوں میں اپنے ساتھی بنائیں جو انگریز کے خلاف لڑ رہے تھے۔ انگریز کے خلاف جہاد میں فقیر اپنی کے ساتھ ساتھ دوسرا نامور نامی دینی رہنما ملا پانندہ محمود تھے۔ دوسرے مہمند میں حاجی صاحب ترنگزئی تھے اور انگریز کی یہ کوشش تھی کہ جیسے بھی ہو یہ مورچے فتح کر ڈالے اور میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی کامیابی بھی یہی تھی کہ ان دونوں غازیوں کے بیٹے اس کا ساتھ دیتے گئے۔ ملا پانندہ کا بیٹا فضل دین اور حاجی صاحب ترنگزئی کا بیٹا باچا گل۔

ان دونوں کے حالات پر اگر چاروں طرف نگاہ ڈالی جائے تو ضحوں اور قبائلی علاقوں میں بہت کم ایسے با اثر ملا، پیر، فقیر، اخونزادہ یا دارالعلوم کے ہتھم ہوں گے جنہیں انگریز نے اپنے ساتھ ملا یا نہ ہو۔ حاجی صاحب ترنگزئی اور ملا پانندہ کی وفات کے بعد تو صرف فقیر اپنی ایک ہی ایب غازی اور مجاہد رہ جاتا ہے جیسے انگریز خرید نہ سکے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ یہ پیش آیا کہ یورپ کی جنگ شروع ہونے کے بعد انگریزوں نے حکومت افغانستان پر زور ڈالا کہ وہ جرمنوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں۔ افغانستان پر زور ڈالنے کی غرض سے ایک شامی پیر انگریز قبائلی علاقے میں اس غرض سے لے آئے کہ وہ افغانستان کے شاہی گھرانے کے خلاف لوگوں کو اکسائے۔ انگریز جب افغانستان کی حکومت کی طرف سے مطمئن ہوا تو اسی

باچا گل نے ایک وقت میں غدا کی خدمات کا تحریک کو بے اثر کرنے کیلئے ہخونستان کے حق میں بھی انگریز کے شہرے ہ کام کیا تھا بعد میں علی قلی خان خلک کی امداد جہاد کشمیر کے لئے انہوں نے دوران کے ایک چھپے مشہور دست خوب حاجی محمد امین نے پراثر مہم چلائی۔

شامی پیر کو وزیرستان میں وانا کی چھاؤنی میں بلایا اور اس کو 25000/- روپے ادا کئے۔ * شامی پیر جیسے پہلے نہیں تھا اسی طرح پھر غائب ہو گیا۔ جب یہ کام مکمل ہوا تو لندن میں وزیر ہند کو بہت مزہ آیا۔ وائسرائے کو لکھتا ہے کہ کوشش کرو کہ ایسا ایک سودا فقیر اپنی کے ساتھ بھی طے ہو جائے۔ اس کے جواب میں وائسرائے 14-7-38 کو لکھتا ہے۔

فقیر اپنی کے ساتھ شامی پیر کی طرح سودا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صرف یہ نہیں کہ وہ ہمارے راستے میں نہیں رہا بلکہ وہ کسی قیمت پر بھی نہیں بکتا۔ لیکن پھر لکھتا ہے کہ کب خدا میرا اس شورش پسند ملا سے پیچھا چھڑائے گا۔ 14-7-38

There is I fear, no possible chance of dealing with him (Faqr Api) on the same lines as the Shami Pir, he is not only unplaceable but also completely incorruptible— who would rid me of this turbulent priest.

ترجمہ۔ ”مجھے ڈرتا تھا کہ اس (فقیر، پیر) سے شامی پیر کی طرز پر معاملات کا کوئی امکان نہیں۔ وہ نہ صرف خامیوں سے مبرا ہے بلکہ مکمل پورا ایماندار بھی مجھے اس فساد کی سولوی سے کون بچائے گا؟“

* شامی پیر جیسے بغدادی پیر بھی کہا جاتا تھا یہ ایک انگریز ہر کارہ ڈیوڈ جونز تھا اس کے کردار کو تاریخی حوالوں سے کنگاٹے کے بعد افغانستان کے نامور نادوں لکار، آفسر، لکار نصیر احمد احمدی نے شہکار ناول بغدادی پیر تخلیق کیا۔

ملا، خوائین، مسلم لیگ اور وزارت بازی

یہ تو ہم نے دیکھا تھا کہ مسلم لیگ کی بنیاد اس صوبے میں پہلے جاہل ملاؤں نے رکھی تھی۔ جمعیت العلماء سرحد کا صدر مولانا محمد شعیب۔ مسلم لیگ کا صدر اور اسی جمعیت العلماء سرحد کا سیکرٹری مولانا بدرار اللہ اس کا سیکرٹری تھا۔ ان دونوں ملاؤں کا براہ راست تعلق صوبے کے گورنر سر جارج کننگھم سے تھا۔ (جیسے اس کی اپنی لکھی ہوئی ڈائریوں سے ظاہر ہے) لیکن پھر آہستہ آہستہ انگریز نے یہ بہتر جانا کہ ان دونوں مورچوں کو الگ کرے۔ سیاسی اور دنیاوی مورچہ خان بہادروں اور جاگیرداروں کے حوالے کرے اور دینی اور مذہبی مورچہ ملاؤں اور پیروں کے حوالے کرے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی کننگھم کے ایجنٹ بعد میں مسلم لیگ کے رہنما بن گئے۔ خان بہادر گل خان، خان بہادر غلام حیدر شیر پاؤ، نواب ظفر علی اور تاج علی بنوں کے شامل تھے اور اسی طرح پیر اور ملا طبقہ براہ راست مسلم لیگ میں شامل ہوا جیسے پیر صاحب ناگلی شریف اور پیر زکوٰۃ۔ مگر باقی اسی طرح اپنے طریقے سے انگریز کی ہدایات کے تحت سرکار کے لئے سیاسی کھیل مذہبی مورچے سے کھیلتے رہے۔

ملاؤں کے ذریعے کام سے انگریزوں کو ایک فائدہ یہ تھا کہ یہ قاضی علاقے میں بھی سرکار کے لئے کام کر سکتے تھے کیونکہ اور سیاسی کارکن ان علاقوں میں جا نہیں سکتے تھے اور نہ ہی اخبار وغیرہ کے ذریعے کوئی اپنی بات وہاں تک پہنچا سکتا تھا۔

کننگھم کو اس بات کا علم تھا کہ ملا اب ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ انگریز جس طرح جس مورچہ پر اور جہاں ان کو استعمال کرنا چاہئے۔ تو بہت آسانی سے استعمال کر سکتا ہے۔ اس لئے اب وہ ان سے خدائی خدمتگاروں کے خلاف کام لیتا رہا اور اس لئے تو خود لکھتا ہے کہ یوسف زئی کا ملا ہمیشہ سرکار کے خلاف تھا۔ اب اس نئی پالیسی کی برکت سے پہلے روس کے خلاف، پھر جرمن کے خلاف، پھر جاپان کے خلاف، انگریز استعماری جانب سے قبائلی علاقوں میں سیاسی سرگرمیوں پر کھل پابندی تھی۔ اس لئے وہاں ملا سب سے کارآمد ذریعہ تھا اور اب تک یہی صورت حال ہے افغانستان کے دوران بھی حکومت نے انہی انگریز یافتہ ملاؤں کی دوسری تیسری نسل کو اپنی مقصد برآری کے لئے استعمال کیا اور پر امن، بخشنے والے اور ہشت و خوف کا نمونہ بنایا۔

خلاف اور اسی طرح ہندو کے خلاف اور کانگریس کے خلاف ہو گیا کیونکہ انگریز یہ دیکھ رہا تھا کہ مسلم لیگ کی کامیابی حقیقت میں انگریز کی فتح ہے:

As a result of this propaganda the Yusufza Mullah was used to be professionally anti Govt. became first anti Russia & anti Germans then anti Japanese and so by natural consequences anti Hindu and anti Congress.

That the Muslim League successes there by elections are generally accepted as being a victory for the British Govt over the subversive element in the country (Governor's report 24.8.43)

ترجمہ۔ "اس پراپیگنڈہ کے نتیجے میں یوسف زئی ملہ جو کہ حکومت برطانیہ کا پیشہ وارانہ مخالف تھا۔ پہلے روس اور جرمنی کا مخالف بنا پھر جاپان مخالف اور یوں قدرتی نتائج کے طور پر ہندو اور کانگریس کا مخالف۔

یہ کہ ان بائی الیکشنوں میں مسلم لیگ کی کامیابی کو بالعموم ملک میں موجود (برطانیہ مخالف) نخریب کار عناصر پر برطانوی حکومت کی فتح تسلیم کیا جاتا ہے۔"

(گورنر رپورٹ 24-8-43)

انگریز کے لئے خدائی خدمتکاروں نے اور بھی مشکلات پیدا کر دیں۔ جب سول ٹا فرمائی کے ساتھ ساتھ انہوں نے صوبے کی وزارت سے بھی استعفیٰ دے دیا اور یہاں گورنر راج قائم ہو گیا۔ کیونکہ یہ صوبہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ اکثریتی صوبہ تھا اور گزشتہ انتخابات میں چونکہ یہاں مسلم لیگ کا سرسے سے وجود ہی نہیں تھا۔ اس لئے ان کا کوئی ممبر بھی نہیں تھا۔ یہ انگریز کی بہت بڑی ناکامی تھی۔ وائسرائے اپنے 16-1-40 کے خط میں لکھتا ہے کہ جناح صاحب مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اسے کہا کہ صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کے استعفیٰ کے بعد کہیں کسی دوسری وزارت کے بننے کے امکانات ہیں۔ اس نے کہا کہ میں جا کر اپنے ساتھی سے مشورہ کروں۔ پھر بتا سکوں۔ لیکن پھر کہا کہ اچھا یہ ہوگا کہ گورنر سے کہا جائے کہ وہ اس سلسلے میں دلچسپی لے تقریباً ایک مہینے کے بعد جناح صاحب نے وائسرائے سے اپنی ملاقات میں کہا کہ میں نے اپنے مسلم لیگ کے لیڈروں سے بات کر لی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم خود سے صوبے میں حکومت بنانے کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن اگر گورنر گنڈنگھم ان کا ساتھ دے تو بات بن سکتی ہے اور پھر جناح صاحب

وزارت بنانے کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر یہ وزارت بن جاتی ہے تو یہ کانگریس کے منہ پر طعن ہوگا اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس طرح سے ملک کے اندر اور باہر پوری دنیا میں پھیل جائے گی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے سب سے اکثریتی صوبے میں غیر کانگریسی وزارت بن گئی اور ساتھ میں یہ بھی ہو جائے گا کہ ہندوستان میں سیاسی حیثیت واضح ہو جائے گی۔ اس لئے میں اس سلسلے میں بہت کوشاں ہوں:

Mr. Jinnah added that he was most anxious if possible to put this through, as he was convinced that there could be no more salutary lesson for Congress, and no better advertisement of the real position in India, whether before the country or through out the world than that a non Congress Ministry should be established in the N.W.F.P. he was therefore most anxious to bring this matter to a successful issue. (6 2 40)

ترجمہ۔۔ "مسٹر جناح نے مزید کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اس پہلو کو اجاگر کیا جائے کیونکہ ان کا یقین ہے کہ کانگریس کے لئے اس سے بڑھ کر (جبریت ناک) سبق اور ملک اور ساری دنیا کے لئے ہندوستان کی حقیقی صورت حال کا اس سے بہتر اشتہار اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ شمال مغربی سرحدی صوبے میں ایک غیر کانگریسی وزارت قائم ہو۔ لہذا اس کی خواہش ہے کہ اس مسئلہ کو کامیاب بنایا جائے۔"

مسلم لیگ اور انگریز دونوں چاہتے تھے کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی عظیم مافی جائے اور مسلم لیگ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کی جائے۔ لازمی بات ہے کہ صوبہ سرحد میں خدائی خدمتگار وزارت جو غیر مسلم لیگی تھی۔ انگریز اور مسلم لیگ دونوں کے اس بنیادی نکتے کو رد کرتی تھی۔ اس لئے دونوں اس بات کی کوشش میں تھے کہ جیسے بھی ہو صوبہ سرحد کو مسلم لیگ کی جھولی میں ڈال دیا جائے۔

واتسرائے نے جناح صاحب کو تسلی دی کہ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا اور جب میں گورنر کننگھم سے بات کر لوں گا تو پھر تمہیں اطلاع کر دوں گا۔

اس سلسلے میں باقی قصہ سکندر مرزا کا تھا جو اس وقت پشاور کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ وہ اپنی سوانح عمری میں ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ مجھے نواب بھوپال نے شیر کاٹکار کھینے کے لئے مدعو کیا تھا۔ واپسی پر میں نواب زادہ لیاقت علی خان سے بھی ملے گی۔ اس نے مجھے قائد اعظم کے پاس بھیجا۔ یہ مارچ 1943ء کا واقعہ

ہے۔ سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں جب گیا تو پہلے تو قائد اعظم نے میری ماں کے ساتھ واقفیت وغیرہ کی بات کی۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ تم مسلمان ہو۔ میں نے کہا کہ صاحب ہم رسول اکرم ﷺ کے زمانے کے مسلمان ہیں۔ پھر جناح صاحب نے پوچھا کہ تم مجھے ہندوستان کے مسلمانوں کا سربراہ مانتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہندوستان میں ایک صوبے میں بھی مسلم لیگ کی وزارت نہیں لیکن مجھے کہا گیا ہے کہ اگر تم کوشش کرو تو صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی وزارت بن سکتی ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو ایک ڈپٹی کمشنر ہوں اور یہ کام صرف کسی صوبے کا گورنر کر سکتا ہے۔ سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں نے یہ بھی کہا کہ اس صوبے میں مسلم لیگ سرے سے ہے ہی نہیں اور دوسرے یہ کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کا سربراہ سردار اورنگ زیب خان ہے جو یک بیکار اور بددیانت آدمی ہے۔ جناح صاحب نے مجھے کہا کہ سردار اورنگ زیب کی خوبیاں اور برائیاں چھوڑ دے اور مسلم لیگ کی تنظیمی حالت جو بھی ہے وہ ایک طرف۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کی خاطر یہ میرا فرض ہے کہ وہاں مسلم لیگ کی وزارت بن جائے۔ اس سلسلے میں آگے چل کر لکھتا ہے کہ صوبہ کا گورنر سر جارج کننگھم کابل کے دورے پر گیا ہوا تھا اور جوئی وہ واپس آیا تو مجھے بلا بھیجا۔ میں ابھی بیٹھا بھی نہیں تھا کہ گورنر شروع ہوا کہ حکومت ہندوستان نے مجھ پر زور ڈالا ہے کہ فوراً نئی وزارت بن جائے۔ کیونکہ حکومت یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ صوبہ سرحد کانگریس کے ساتھ نہیں ہے۔ ان دنوں ہمارے صوبائی اسمبلی کے اکثر ممبران (Quit India) کی تحریک کے سلسلے میں جیلوں میں پڑے ہوئے تھے بغیر کسی مقدمے یا عدالت کے اسمبلی کے ساتھ خدائی خدمتگار ممبران جیل میں تھے اور سات اور ممبران یا مرچلے تھے اور یا پھر ہٹا دیے گئے تھے تو گورنر کے لئے راستہ صاف تھا۔ اس نے سردار اورنگ زیب خان کو بلایا اور صوبائی حکومت بنانے کی دعوت دے دی۔ سکندر مرزا کہتا ہے کہ مجھے سردار اورنگ زیب خان پر اعتماد نہ تھا۔ کہا کہ میری نظر ایک اور آدمی پر تھی جو پشاور کا سردار عبدالرب نشتر تھا۔ وہ اس وقت ”احرار“ تحریک میں تھا اور احرار مسلم لیگ کے سخت مخالف تھی اور اسی وجہ سے وہ کانگریس کے قریب تھی۔ سکندر مرزا کہتا ہے کہ نشتر صاحب کو جناح صاحب کچھ اچھے نہیں لگتے تھے بلکہ سامنے مسجد مہتاب خان میں انہوں نے جناح صاحب کو کافی گالیاں دی تھیں لیکن میں نے نشتر کو بلایا اور اسلام کے نام پر اس سے اپیل کی۔ اس نے میرے کہنے پر احرار تحریک چھوڑ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور اسی طرح سے اورنگ زیب کی وزارت میں وزیر لیا گیا۔ سکندر مرزا لکھتا ہے کہ یہی اورنگ زیب تھا جو آکر میرے سامنے قالین پر بیٹھ جایا کرتا تھا اور میری ہی کوششوں سے وزیر اعلیٰ بنا۔ اورنگ زیب کے متعلق کننگھم اپنی ڈائریوں میں لکھتا ہے کہ میں اس سے اتفاق تھا کہ جو بھی مسئلہ پیش آتا وہ ہمگ کر میرے پاس آتا اور پوچھتا کہ اس مسئلے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔

Aurangzeb is extremely amenable & anxious to do so as I want . He seems to have forgotten that He function of a minister is to advise the Governor nearly every file comes from him with a note " I solicit the advice of his H.E. The Governor "

ترجمہ :- "اورنگ زیب میری مرضی کے مطابق کام کرنے کے لئے ہدایت ناکل و خواہشمند ہے۔ یوں لگتا ہے کہ وہ بھول گیا ہے وزیر کا کام گورنر کو مشورہ دینا ہے۔ اس سے آنے والی ہر ناکل پر نوٹ ہوتا ہے۔" میں ہذا سلسلے میں گورنر کے مشورے کا طلب گار ہوں۔

(کننگھم ڈائری 43-7-19)

حقیقت بھی یہ ہے کہ اورنگ زیب خان اور اس کے ساتھیوں کو یہ معلوم تھا کہ یہ وزارت انگریز کے ہاتھوں بنی ہے۔ ایسی اسمبلی میں جس میں مسلم لیگ کے نام پر ایک بھی ممبر منتخب نہیں ہوا ہو۔ مسلم لیگ کی وزارت بنانا۔ انگریز اور اس کے ڈپٹی کسٹری کے کام تھا۔ ان ممبروں میں آپس میں ذاتیات، جھگڑے اور گروہ بندیاں تھیں۔ اسی وزارت کے سلسلے میں اورنگ زیب خان اور مسلم لیگ کے صوبائی صدر خان بہادر سعد اللہ خان کے مابین سخت ناچاقی تھی۔ گورنر نے جب وزارت کی کارروائی دیکھی تو وہ پریشان ہوا کہ اگر یہ وزارت اس طرح رہی تو وزارت تو یک طرفہ کننگھم بنیادی قوت مسلم لیگ کی جماعت کو سخت نقصان پہنچے گا۔ جیسے کہ کننگھم اپنی ڈائری میں 44-5-27 کو لکھتا ہے۔

There is no doubt that the name of the Muslim League administration is simply mud now a days owing to the scandalous way in which they buy votes.

ترجمہ :- "اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کل مسلم لیگ انتظامیہ کا نام ان کے نہایت شرمناک انداز میں ووٹ خریدنے کے باعث مٹی میں مل چکا ہے۔"

اس سلسلے میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں کہ مسلم لیگ کی حکومت نے اس بات پر اپنی حیثیت دوکڑی کی کردی کہ اسمبلی کے ممبروں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے نہایت ناجائز کاروبار شروع کر دیا۔ مسلم لیگ کی وزارت کو بننے ایک سال گزر گیا تھا۔ کننگھم مطمئن ہو گیا اور اس نے خدائی خدمتگار اسمبلی کے ممبران کو ایک ایک کر کے رہا کرنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف مسلم لیگ کے اندر بہت سخت پارٹی بازی شروع ہو گئی جس سے مسلم لیگ کھل کر دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک اورنگ زیب خان کی حکومتی پارٹی تھی

اور دوسری پارٹی خان بہادر سعد اللہ خان اور اس کے ان ساتھیوں کی جن کو حکومت میں کچھ ملاں تھا نو بہت یہاں تک پہنچی کہ نومبر 1944ء کو سعد اللہ خان نے جناح صاحب کو خط لکھا کہ اگر اورنگ زیب وزارت کے خلاف اعتماد کا ووٹ اسمبلی میں پیش ہوا تو وہ عدم اعتماد کے حق میں ووٹ دیں گے:

In November 1944 Saadullah Khan informed Jinnah that he could no longer support the ministry & that if a non confidence motion was moved he would vote in favour of it. (India Pakistan or Pukhtoonistan. By Erland Janson P.131)

ترجمہ۔۔۔ 'نومبر 1944ء میں سعد اللہ خان نے جناح کو مطلع کیا کہ وہ وزارت کی مزید حمایت نہیں کر سکتا ورنہ یہ کہ عدم اعتماد کی تحریک پیش ہونے کی صورت میں وہ اس کی حمایت میں ووٹ دے گا۔'

(نڈیا، پاکستان یا پختونستان از اریینڈ جمنسن صفحہ نمبر 131)

گورنر اپنی طرف سے کافی کوشش کر رہا تھا کہ حکومت برقرار رہے اور اسی خاطر 1944ء کے خزاں کا اجلاس اس لئے نہیں بلایا کہ اسمبلی کے نئے کوئی کام نہیں۔ کانگریس کے پاریمانی پارٹی کے سیکرٹری نے گورنر کو بیس ممبروں کی دستخط شدہ ایک یادداشت پیش کی کہ اسمبلی بدلی جائے تاکہ اورنگ زیب وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز پر بحث ہو۔ لیکن گورنر نے اس یادداشت کو نامنظور کر دیا۔ آخر 1945ء کے بہار میں جب اسمبلی کا اجلاس مجبوراً بدنا پڑا تو اورنگ زیب وزارت کے خلاف تحریک پاس ہوئی۔ خان بہادر سعد اللہ نے خود بھی مسلم لیگ وزارت کے خلاف ووٹ دیا۔

گورنر کننگھم اور اس کے ماتحت افسران کو اس بات کا علم تھا کہ اورنگ زیب کی وزارت کا اثر مسلم لیگ پر پڑے گا اور یہ سودا نہیں بہت مہنگا پڑ رہا تھا کیونکہ وزارت کی وجہ سے مسلم لیگ اور بھی بدنام ہوگی تھی اور اس میں گرد پ پیدا ہوئے تھے لیکن انگریز کسی صورت بھی تاثر دینے پر تیار نہیں تھا کہ یہ صوبہ خدائی خدمتگار کانگریس کی حمایت میں ہے۔ سرکار کی پارلیسی واضح تھی۔ اب حکومت نے خود اپنے سرکاری افسران کے ذریعہ صوبے میں بھی اور قبائلی علاقے میں بھی کام شروع کر دیا۔

1946ء کے انتخابات

فروری 1946ء میں صوبہ سرحد میں صوبائی انتخابات ہوئے جس میں کانگریس نے واضح اکثریت حاصل کی۔ صرف یہ نہیں کہ اسمبلی میں قطعی اکثریت حاصل تھی۔ بلکہ انگریز کو دکھ اس بات کا تھا کہ مسلمانوں کی سیٹوں پر بھی کانگریس جیت چکی تھی۔ مسلم لیگ نے حسب معمول اپنی تمام طاقت اور قوت ضلع ہزارہ سے حاصل کی جہاں انہوں نے آٹھ سیٹیں اس نے جیت لی تھیں۔ باوجود اس کے کہ انگریز نے ہر طرح کا زور لگایا تھا اور اپنے افسروں کے ذریعے یہ کوشش کی تھی کہ مسلم لیگ جیت جائے۔ بعض افسر کھل کر بہت ہی بھونڈے طریقے سے مسلم لیگ کی حمایت کر رہے تھے۔ مثال کے طور پر بنوں کے ڈپٹی کمشنر نے جمع اپنی بیوی کے پورے ضلع کا دورہ کیا۔ جب چائے یا کھانے کی دعوت پر بلایا جاتا تو وہ جواب میں کہتا۔ میری بیوی کو دوپٹہ دے دو، اور دوپٹے کی وضاحت یہ تھی کہ ووٹ مسلم لیگ کو دے دو۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی ریاستوں کی دوست ملاؤں، ورخان بہادروں کی تمام تر کوششیں بھی اس میں شامل تھیں۔ یہ انگریز کی زبردست شکست تھی کہ مردان کے پورے ضلع سے مسلم لیگ ایک ہی سیٹ جیت سکی جو نواب ہوتی سر محمد اکبر خان کی تھی۔ اسی طرح پشاور سے صرف ایک سیٹ جیتی۔ بنوں میں اسی ڈپٹی کمشنر کی بدولت دو سیٹیں حاصل کیں۔ کوہاٹ میں سب سیٹیں ہار گئیں۔

ان انتخابات میں مسلم لیگ اور انگریز دونوں کو سب سے بڑی پریشانی پیش آئی کہ اگرچہ یہ انتخابات مسلم لیگ نے پاکستان کے نام پر لڑے تھے اور بات کفر اور اسلام تک پہنچ گئی تھی۔ سرکار کے تمام ساتھی پیر اور ملا تھے اور اسلام کے نام پر پاکستان کے مطالبے کے لئے کوشاں تھے۔ مگر پھر بھی شکست ہوئی۔ انگریز سمجھ گیا کہ آئینی و قانونی سیاسی اور جمہوری طریقوں سے تو مسلم لیگ کامیاب نہ ہو سکی اور حسب معمول یہ صوبہ خدائی خد حکمرانوں کے ہاتھوں میں رہا تو پھر اس نے دوسرے طور طریقوں پر غور کرنا شروع کر دیا۔

ذیرہ اسماعیل خان کے ضلع سے جمعیت العلماء کے ٹکٹ پر دو ممبر منتخب ہوئے تھے۔ جب یہ دونوں ساتھ مل گئے تو ڈاکٹر خان صاحب کے ساتھ 33 ممبر تھے۔ جبکہ مسلم لیگ کے ساتھ سترہ۔

ان انتخابات کے بعد جب ڈاکٹر خان صاحب نے وزارت بنائی تو ان دنوں میں

سرجارج کنگھم اپنی گورنری کی طویل میعاد ختم کر چکا تھا اور اس کی جگہ نیا گورنر سرفال کیروا گیا۔ کیرو صاحب یہاں 1930ء کے نازک دنوں میں پشاور کا اپنی کمشنر رہ چکا تھا اور اس زمانے میں خدائی خدمتگاروں پر بہت ظلم اور زیادتیاں کی تھیں۔ لیکن پھر یہ دلی چڑ گیا اور یہ گزشتہ کئی سال ہندوستان کی مرکزی حکومت کا خارجہ سیکرٹری رہا۔ وہاں دلی میں بھی وائسرائے بدل چکا تھا اور رڈ کلڈھگو کی جگہ لارڈ ویل ہندوستان کا نیا وائسرائے مقرر ہوا تھا۔ جب لڈکلڈھگو جاتے ہوئے اپنا چارج دے رہا تھا اس نے اپنی مشہور بات کہی تھی کہ

I think I can claim to be handing over to well a pretty week set stage so far as the political position is concerned, though one that would need constant attention and a constant handing.

ترجمہ: ”میں سمجھتا ہوں کہ میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میں ویل کو جہاں تک سیاسی پوزیشن کا تعلق ہے ایک خاص مستحکم صورتحال حوالے کر رہا ہوں۔ مگر اسے مستغنیٰ توجہ اور سنبھالنے کی ضرورت ہوگی۔“

اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ لڈکلڈھگو نے اپنے وائسرائے ہونے کے دوران ہندوستان کی سیاسی قسمت کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور جب جون 1945ء میں لارڈ ویل نے ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کی کانفرنس شملہ میں اس غرض سے بلائی کہ اس سیاسی مسئلے کا کوئی حل نکالے تو حسب معمول انگریز کی پالیسی قطعی واضح تھی کہ اس طریقے سے ہندوستان اور خصوصیت سے بیرونی دنیا کہ یہ بتا دے کہ انگریز تو چاہتا ہے کہ فیصلہ ہو جائے لیکن جب ہندو اور مسلمان آپس میں نہیں مل پاتے تو انگریز اختیار کس کے حوالے کرے۔ یعنی یہ کانفرنس یا اجلاس انگریز نے اس لئے نہیں بلایا تھا کہ صلح کی کوئی راہ نکل آئے بلکہ مطلب یہ تھا کہ یہ لیڈر ایک دوسرے کے دیر ویر ہوں اور فیصلہ تو درکنار بلکہ بات اور بھی بگڑ جائے۔

شملہ کانفرنس نے لارڈ ویل کی یہ تجویز منظور کی کہ ہندوستان کی ایک مرکزی وفاقی وزارت کنسلر بلائی جائے۔ ویل کا شروع دن سے یہ نظر یہ تھا کہ اس کانفرنس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مساوی نمائندگی ہونی چاہئے۔ جناح صاحب حسب معمول اس بات پر اڑ گئے کہ اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کنسلر کے لئے مسلمان وزیر کا انتخاب کرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نمائندگی برابر ہو۔ ایک طرف جناح صاحب اور دوسری طرف ہندوستان کے سب رہنے والے ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی وغیرہ۔ اس وقت ہندوستان کی آبادی 40 کروڑ تھی۔ جس میں 10 کروڑ مسلمان تھے اور پھر مسلم لیگ کی ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں ایک صوبے میں بھی حکومت نہیں تھی۔ کانگریس کی آٹھ صوبوں میں

حکومت تھی۔ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں بھی مسلم لیگ کی کوئی حکومت نہیں تھی۔ بنگال کی 117 سیٹوں میں سے مسلم لیگ نے صرف 40 سیٹیں جیتی تھیں اور پنجاب کی 84 مسلم سیٹوں میں مسلم لیگ نے ایک سیٹ جیتی تھی۔ سندھ اور صوبہ سرحد میں ایک بھی سیٹ نہیں تھی۔ ویول کہتا ہے کہ میں نے جناح صاحب سے پوچھا کہ کونسل میں تمہارے کتنے مسلمان وزیر ہیں۔ لارڈ ویول کہتا ہے کہ اس نے کہا

They must all be nominated by the League and must all be Leaguers, P.149 none except himself as head of the M.L. could nominate the Muslims on the new council P 152 in fact a kind of communal veto.

ترجمہ۔ "وہ سب لیگ کے نامزد کردہ ہوں اور سب لیگی ہوں۔" ص 149۔ فقط وہ خود مسلم لیگ کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے نئی کونسل کے لئے مسلمان ممبران کو نامزد کر سکیں گے۔ (صفحہ 152) درحقیقت یہ ایک قسم کا فرقہ وارانہ بیٹھ ہے اور پھر ساتھ میں یہ کہتا ہے کہ ہات اس سے بھی آگے چلی گئی۔ وہ مصرحاً کہ اگر کہیں کونسل میں کسی مسئلے اعتراض کرے تو اسے 2/3 کی اکثریت سے فیصلہ کرنا ہوگا۔"

دوسری طرف مسلمان وزراء کے نامزد کرنے کا پہلا دعویٰ پنجاب کے یونینسٹ وزیر اعلیٰ خضر حیات نے کیا۔ کانگریس نے اپنی فہرست میں دو مسلمانوں کے نام دیئے کیونکہ ایک تو صوبہ سرحدان کے ساتھ تھا اور دوسرے سندھ میں خان بہادر اللہ بخش کی قوم پرست جماعت کی وزارت تھی۔ لیکن یہ عجیب تماشہ تھا کہ جناح صاحب اور جماعتوں کے ساتھ مساوی نمائندگی چاہتا تھا۔ ویول الجھن میں پڑ گیا۔ وہ کہتا ہے:

If he really meant this it shows that he had never at any time an intention of accepting the offer, it is difficult to see why he came to Shimla at all (P. 155). the root cause of the failure was of course Jinnah's intransigence and obstinacy

ترجمہ۔ "اگر ان کی مرضی واقعی یہی تھی تو اس سے ظاہر ہے کہ پیشکش کو قبول کرنے کا ان کا کبھی بھی ارادہ نہ تھا۔ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آخر وہ شملہ آئے کیوں۔ ناکامی کی بنیادی وجہ جناح کی ضد اور غیر مصالحت پسندی تھی۔"

(صفحہ 155-156)

جناب صاحب سے یہ بھی پوچھنا چاہئے کہ کانگریس نے تو بے پناہ قربانیاں دیں۔ ہزاروں لوگوں کو تحریک میں قربان کر چکی ہے اور لاکھوں جیل کی سلاخوں کے پیچھے گئے۔ ان کا تو کوئی ذکر نہیں لیکن جو کچھ بھی ہے نہ جناب صاحب اس میں صرف اپنا ہی نہیں بلکہ دوسروں کا حصہ بھی چاہتے تھے۔ وہ ایک پشتو کہاوت مشہور ہے کہ ”کئے گو یا رکھائے عبداللہ“ وائسرائے کا رویہ دیکھئے کہ خود جناب صاحب کا رویہ اسے ناجائز اور نامناسب نظر آتا ہے۔ لیکن عمل کیا کرتا ہے کہ صوبہ پنجاب کے منتخب نمائندے خطر حیات کی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ اسی سندھ کے منتخب وزیر اعلیٰ الہی بخش کی حیثیت تسلیم کرتا ہے۔ ڈاکٹر خان صاحب جو صوبہ سرحد کے منتخب وزیر اعلیٰ ہیں۔ اس کی حیثیت کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ جناب صاحب کی بے جا ضد، بے اصولی اور بے بنیاد دعویٰ کے باعث کانفرنس ناکام ہوئی۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی واضح ثبوت کی ضرورت ہے کہ یہ تمام کھیل انگریز کے ہاتھوں کا بنا ہوا تھا اور مسلم لیگ کی بے جا ضد اور ناجائز مطالبے کا مطلب یہ تھا کہ انگریز کو یہ بہانہ ملے کہ چونکہ یہ لوگ آپس میں رضامند نہیں ہوتے۔ اس لئے اتنا اربہ ستور انگریز کے پاس رہے گا۔ یہاں تک کہ مسلم لیگ کی سیاست کے علاج اور کانگریس کے دشمن انگریز H.V. Hadson اپنی کتاب The Great Divide میں لکھنے پر مجبور ہوا۔ لکھتا ہے

A minority party with unsupportable claim had been allowed to

veto the whole project for advancing India's self Govt. P. 125

ترجمہ۔ ایک اقلیتی پارٹی جو اپنے دعوؤں کی حمایت کے بھی قابل نہ تھی۔ اس کو بڑیا کی سلف گورنمنٹ میں اضافے کے سارے پروجیکٹ کو ویٹ کرے کا اختیار دے دیا گیا۔ صفحہ 125 اور مقصد اور منشا خود آگے چل کر بیان کرتا ہے۔

Some observers thought that Lord Wevell's sudden abandonment of his plan was the decisive move which made the partition of India inevitable. P. 127

ترجمہ۔ ”کچھ مبصرین کا خیال تھا کہ لارڈ ویول کا ایک اچانک اپنے پلان کو ترک کر دینا وہ فیصلہ کن بات تھی جس نے بڑیا کی تقسیم کو ناگزیر بنا دیا۔ صفحہ 127 یہی تو ویول اور انگریز کا مدعا تھا۔“

اس سے پہلے جب Sir Stafford Cripps نے جو تجویز پیش کی تھی اس میں اس نے واضح طور پر یہ بات کہی تھی کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی آئین بنانے بیٹھنے کی تو

Any province would be free to keep itself out of the proposed union & to retain its prevailing constitutional position. if such non acceding provinces so desire they could have their own seprate union analogous to be proposed India union.

ترجمہ۔ ”ہر صوبے کو حق حاصل ہوگا کہ خود کو مجوزہ یونین سے باہر رکھ سکے اور اپنی مجوزہ آئینی حیثیت برقرار رکھے۔ باہر رہنے والے ایسے صوبے چاہیں تو مجوزہ انڈین یونین کی طرز پر اپنی علیحدہ یونین بنا سکتے ہیں۔“

یہی پاکستان کے مٹنے کی منظوری کی پہلی سیڑھی اور اس کا آخری فیصلہ تھا۔ چنانچہ شملہ کی اس کانفرنس کو یارڈ ویول نے اس نکتہ پر ختم کیا کہ کانگریس مسلم لیگ کو ہندوستان کی واحد نمائندہ تسلیم کرے۔ اسی کانفرنس میں صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب بھی موجود تھے۔ انہوں نے دائسراے سے پوچھا کہ میں ہندوستان میں سب سے زیادہ مسلم اکثریتی صوبہ کا منتخب وزیر اعلیٰ ہوں اور میں مسلم لیگ نہیں ہوں۔ تو میرے متعلق کیا خیال ہے۔ ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ لارڈ ویول نے اس بات سے قطعاً آنکھیں بند کر لی تھیں کہ ہندوستان میں انگریز نے 1937ء میں انتخابات کرائے تھے اور ہندوستان کے 11 صوبوں میں کسی ایک صوبے میں بھی مسلم لیگ کی حکومت نہیں تھی یہاں تک کہ کسی بھی مسلمان اکثریتی صوبے میں بھی ان کی دال نہیں گھلی تھی۔ سندھ اور سرحد کی اسمبلیوں میں کوئی ممبر نہ تھا۔ صرف پنجاب کی اسمبلی میں ایک ممبر تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ انگریز کے اپنے کئے ہوئے انتخابات کی رو سے بھی مسلم لیگ کی حیثیت بھی صرف ان صوبوں میں تھی جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں مسلم لیگ کی کوئی حیثیت تھی ہی نہیں۔ لیکن انگریز اس بات پر معرقتہ کہ جب تک کانگریس یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ مسلم لیگ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی واحد نمائندہ ہے تب تک مفاہمت کا کوئی امکان نہیں۔ یہ بات کانگریس کیسے، نئی۔ آخر کس حساب سے۔ کانگریس نے انتخابات میں عظیم فتح حاصل کی تھی۔ ہندوستان کے 11 میں سے 8 صوبوں میں ان کی وزارتیں تھیں۔ انگریز کی آنکھوں پر خود غرضی کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ پشتون کہتے ہیں ”زور ووری سب سے بڑا حق ہے“ انگریز اپنے مطلب کے لئے اندھا ہو چکا تھا۔ وہ مسلم لیگ کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہا تھا۔ نہ اسے مسلم لیگ سے کوئی سروکار تھا نہ مسلمانوں کی پروا۔ وہ تو مسلم لیگ کو کانگریس سے اس لئے الجھا رہا تھا کہ دیا کو یہ تاثر دے کہ انگریز اقتدار حوالے کرنے کو تیار ہے لیکن اس وقت جب ہندوستان کے لوگوں میں آپس میں مفاہمت ہو چائے اور تمام کھیل یہی تھا کہ مسلم لیگ کو اتنا سر چڑھائے اور اس مقام پر پہنچائے۔ اس کی ہر ناجائز کو جائز اور اس کی ہر نامناسب بات کو

مناسب کہے تاکہ کل کو اگر مسلم لیگ چاہے بھی تو اپنے مقام سے نیچے نہ آ سکے۔ اس لئے انگریز کی کوشش یہی تھی کہ چاہے جائز ہو یا ناجائز ایسے راستے ڈھونڈے کہ مسلم لیگ کو اپنا سکے۔ 1945ء کی شملہ کانفرنس سے انگریز کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں پر یہ واضح کر سکے کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ حکومت اس کی حیثیت تسلیم کرے تو اسے چاہئے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائے اور میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر پاکستان کا منصوبہ تھا بھی، تو انگریز نے اسے مسلمانوں کی بھرتی کے لئے پیش نہیں کیا تھا۔ پاکستان کے نام پر ایک مسلمان مملکت کی انگریز کو ضرورت تھی۔ کیونکہ وہ اشتراکی روس کے نظریاتی مقابلے کے لئے ترکی سے لے کر چین کی سرحد تک اسلام کا ایک قلعہ کھل کر بنا چاہتا تھا۔ پاکستان کے نام پر تقسیم ہند نہیں بلکہ تقسیم مسلمان ہو رہی تھی تو انگریز کو اس کی کیا پروا تھی۔ وہ تو اپنی سامراجی، لوآبادیتی شہنشاہیت کے لئے مصروف تھا۔ اور اگر وہ یہ کام مسلمانوں سے بلکہ مسلم لیگ سے کروا سکتا تھا تو اس کے لئے اس سے زیادہ خوشی اور تسلیم کی اور کیا بات ہو سکتی تھی۔

ویول کا نیا منصوبہ

انگریز کو پاکستان کی ضرورت

جب دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی اور حالات ذرا سنبھلے تو نئے حالات کی روشنی میں انگریز نے ایک بار پھر اپنی پالیسی پر غور کرنا شروع کیا۔ جب جرمنی نے روس پر حملہ کیا اور روس کو پیچھے دھکیلتا گیا۔ یہاں تک کہ پورے ملک کو تازا اور ماسکو تک پہنچنے میں تھوڑا ہی فاصلہ رہ گیا تو انگریز روس کے خطرے سے بے فکر ہو گیا اور دوسری طرف جب جاپان کی طرف سے انگریز ایک ایک کر کے اپنی نوآبادیوں سے ہاتھ دھو رہا اور پھر جب برما پر بھی جاپان کا قبضہ ہو گیا اور نکلنے پر بمباری شروع ہوئی تو انگریز نے اپنا رخ جاپان کی طرف موڑا۔ انہی دنوں انگریز نے ہندوستان میں یہ کوشش کی کہ اب جب کہ روس کی قوت ختم ہے تو اگر باقی ہندوستان انگریز کے ہاتھوں سے نکلا ہے تو چاہئے کہ افغانستان کے ساتھ اپنی راہ و رسم از سر نو لھیک کرے اور یہ پشتون عدتے جو 1893ء میں ڈیورنڈ خط کھینچنے پر افغانستان سے الگ کر لئے ہیں یہ دوبارہ ان کے حوالے کر دے۔ مطلب یہ تھا کہ یہ علاقے اگر جاپان یا جرمنی کے قبضے میں آتے ہیں تو اس سے بہتر ہے کہ افغانستان پر احسان کیا جائے۔ افغانستان کے ساتھ خط کتابت شروع ہوئی اور اس طرف کسنگھم صاحب کے ایجنٹ حاجی صاحب ترنگزئی کے بیٹے باچا گل کے ذریعے افغانستان کے حق میں پروپیگنڈہ شروع ہوا۔ انگریز ابھی حاکم ہے اور وہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ یہاں جمعہ کے دن افغانستان کے بادشاہ کا خطبہ پڑھا جائے۔

لیکن جو نئی روس نے جرمنی پر بھرپور وار کیا اور ہٹلر کی فوجیں بھی اس طرح تباہ و برباد ہوئیں، جیسے فرانس کے نیپولین کی فوجیں اس سے پہلی صدی میں تباہ ہوئی تھیں اور روس نے جرمنی کو ایسے بھگایا کہ برلن کے شہر تک پہنچا دیا تو یہاں انگریز پھر سے جان گیا کہ روس کا وہ خطرہ تو ہندوستان کیسے بدستور قائم ہے۔ لیکن اگرچہ روس کی پوری مملکت تازا ہی چٹکی تھی۔ شہر تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ تقریباً دو کروڑ روسی اپنے ملک کے لئے جان کی قربانی دے چکے تھے لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی روس میں اتنی قوت

ہے کہ وہ جرمنی کو اپنے گھرنے تک بھگا سکتا ہے۔ سو یہاں آ کر انگریز کو اسلام کے اس قلعے کا خیال پھر سے آیا جسے (The Military Crescent) یا فوجی ہلال کہتے تھے۔

پہلے پہل تو انگریز کو یہ معلوم تھا کہ باقی ہندوستان میں تو ویسے بھی کانگریس کا غلبہ ہے اور کانگریس تو کسی صورت بھی انگریز کی غلامی قبول کرنے کو تیار نہیں تو بجائے اس کے کہ پورے ہندوستان کی حکومت کانگریس کے حوالے کرے۔ بہتر یہی ہوگا کہ یہ پشتونوں کے علاقے واپس افغانستان کو دے دیئے جائیں۔ اس میں اسے دو طرح سے اپنا فائدہ نظر آتا تھا۔ ایک تو یہ کہ اس طرح سے ہندوستان شمال مغربی سرحد پر پہاڑی علاقے سے محروم ہو جائے گا اور ایک طبعی رقد رتی اور جغرافیائی سرحد ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ انگریز تاریخ سے اور اپنے ذاتی تجربے سے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ہندوستان میں اس وقت تک چین کی نیند نہیں سو سکتا۔ جب تک شمال مغربی سندھ کے وہ درے حکومت ہند کے اپنے قبضے میں نہ ہوں، تو جب پشتونوں کے یہ تمام علاقے افغانستان کے قبضے میں چلے جائیں گے تو اس طرح سے ہندوستان کا ایک کونا کمزور رہ جائے گا اور اس طرف سے ہر وقت پریشان اور متوحش ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ تھا کہ جب انگریز یہ علاقے افغانستان کے حوالے کر دے گا تو افغانستان ہمیشہ انگریز کامنوں و مشکور رہے گا اور دوستی اور ساتھ دینے کے لئے مزید گنجائش نکل آئے گی۔

لیکن روس کی کامیابی نے اس فیصلے کو بدل ڈالا اور انگریز پھر سے اپنی نیکی اور وعدے سے منحرف ہو گیا۔ افغانستان اپنی جگہ رہ گیا اور انگریز ایک بار پھر اس بات پر مجبور ہو گیا کہ نئے حالات کی روشنی میں ایسے طور طریقے اپنائے کہ اشتراکی روس کے خطرات کا مقابلہ کیا جاسکے۔

دیول کی اپنی لکھی ہوئی ڈائری سے اس مسئلے کو مکمل طور پر واضح کر کے رکھ دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جس نے دیول کی اپنی ڈائریاں خود پڑھی نہ ہوں تو اس کے لئے یہ مشکل ہے کہ اس وقت کی ان بالیسیموں کا اندازہ لگا سکے اور تو چھوڑیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسا بیدار مغیر، مردم شناس اور ہوشیار شخص بھی دیول کے ظاہری طور طریقوں سے دھوکا کھا گیا۔ لیکن میرے خیال میں اسلئے تھگو نے جو کھیل شروع کیا تھا، دیول نے نہایت ہوشیاری اور کمال مہارت سے اس منصوبہ کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے پوری پوری کوشش کی۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ اپنے پیش رو سے آگے نکل گیا ہے۔ اس کی منافقت کا عالم یہ تھا کہ کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد جیسے ہوشیار اور بالغ انکسرنے بھی اس کو قلعے اور ایماندار جانا۔

جیسے وہ اپنی کتاب India Wins Freedom میں لکھتے ہیں۔

”دیول نے جب ہندوستان کے وائسرائے کی حیثیت سے عہدہ سنبھالا تو اس سے پہلے وہ

ہندوستان کی فوج کا کمانڈر ان چیف۔ Command in Chief تھا۔ وہ کانگریس کو انگریز

- کانگریس دشمن سمجھتا تھا۔ کیونکہ کانگریس نے یورپ کی جنگ کے دوران انگریز کے لئے مشکلات پیدا کی تھیں۔ اس کے خلاف تحریک چلائی تھی اور کوشش یہ تھی کہ انگریز کی جنگ کی تیاری میں خلل ڈالے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کانگریس کی یہ کوشش تھی کہ انگریز اس ملک سے اپنا بستر گول کرے۔ اس وجہ سے کانگریس اس کی ازلی اور بنیادی دشمن تھی اور کانگریس کی تنظیم کے علاوہ ان کے ساتھ قوم پرست مسلمانوں کی جماعت تھی۔ جس میں باعمل علماء کی بڑی تعداد تھی۔ جنہوں نے اپنے ملک کی آزادی کے لئے انگریز کے گریبان میں ہاتھ ڈالا تھا۔“

وائسرائے کا روزنامہ

The Viceroy Journal

دیول کی اپنی ڈائریوں میں اس نے 10 اگست 1946 کو ایک خط اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو لکھا ہے جو اس کی چھپی ہوئی کتاب کے 330 سے 332 صفحے تک درج ہے۔ اس میں اس نے تفصیل کے ساتھ اپنے منصوبے The Break Down Plan (بریک ڈاؤن پلان) کا ذکر کیا ہے۔ بالکل کھل کر واضح طور پر ہدایات دیتا ہے۔ اپنے سیکرٹری کو لکھتا ہے کہ چونکہ کانگریس اور مسلم لیگ میں کسی قسم کی مفاہمت کا امکان نہیں۔ جو بھی یہ قحط پیدا ہوگا حکومت برطانیہ مجھے بلا بھیجے گی۔ پھر میں اپنی تجویز وہاں پیش کروں گا۔ اپنے سیکرٹری کو ہدایات دیں کہ میں جو تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں تمہیں چاہئے کہ اس کی تفصیلات طے کرنے کے لئے پانچ اعلیٰ افسروں کی کمیٹی مقرر کرو کہ وہ میرے لئے ایک خفیہ رپورٹ مرتب کریں کہ یہ منصوبہ کیسے پایہ تکمیل تک پہنچے گا۔

دیول کا اپنا تجزیہ اور تجویز یہ تھی کہ مسلم لیگ اور کانگریس کا جھگڑا ایسے علاقوں پر تھا جن کا تعلق ہندوستان کی سرحدات سے تھا۔ پاکستان کا منصوبہ دو حصوں میں تھا۔ ایک شمال مغرب میں اور دوسرا شمال مشرق میں۔ جو مسلمانوں کے اکثریت کے علاقے تھے۔ دیول نے یہ تجویز کیا اور اس کا منصوبہ یہ تھا کہ جن صوبوں میں کانگریس کی اکثریت ہے وہ ان کے حوالے کر دیئے جائیں۔ مکمل آزادی دے دی جائے اور انگریزوں کو اپنی فوج، سرکاری افسران اور ہال بچوں کے ان صوبوں میں منتقل ہو جائے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ دیول چونکہ ایک پیشہ ور فوجی تھا۔ اسے یہ اچھی طرح سے معلوم تھا کہ جب ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی حصے اس سے الگ کر دیئے جائیں گے اور ان علاقوں کو انگریزوں نے قبضے میں رکھے گا تو اس کا ہندوستان کے دفاع پر کیا اثر پڑے گا۔ علاقے بھی بیان کئے کہ مشرق میں بنگال اور آسام اور مغرب میں صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ یہاں تک کہ دلی تک کا علاقہ انگریزوں کے قبضے میں رہ جائے گا۔ باقی کانگریس جانے اور اس کا ہا قبضہ ہندوستان۔

آخر میں مسلم لیگ کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ شاید اس پر اعتراض نہ کرے، لیکن ایک قدم آگے جاتا

ہے۔ کہتا ہے۔

Infact the Muslim League would presumably welcome the plan

(P-332).

ترجمہ: "ورحقیقت ایسا لگتا ہے کہ مسلم لیگ پان کو خوش آمدید کہے گی۔"

آثار ایسے ہیں کہ "مسلم لیگ اس کا خیر مقدم کرے گی" کہتے ہیں کہ ویول نے سرفیروز خاں نوٹ کو بدایا اور اس منصوبے کے متعلق مسلم لیگ کے رہنماؤں کی رائے اس سے معلوم کی۔ کہتا ہے۔ وہ واپس جواب لے آیا کہ مسلم لیگ کو اس پر اعتراض نہیں۔

لیکن جب انسان پورے منصوبے کو دیکھتا ہے اور انگ انگ ہر ایک پہلو پر سوچتا ہے تو اس وقت کی حکومت ہند، وائسرائے اور چوٹی کے انگریز افسران کی ذہنیت پر حیران رہ جاتا ہے۔ کانگریس کو انگریز دشمنی کی سزا دی جاتی ہے۔ اسے اپنی تمام طبعی اور جغرافیائی سرحدوں سے محروم کیا جاتا ہے۔ ایک طرف روس اور دوسری طرف چین۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کی تقسیم ایسی دشمنی کی فضا میں کی جائے اور دونوں سرحدت پاکستان کے حصے میں آجائیں تو ہندوستان کے باشندوں کا دفاع کیونکر ہوگا؟

I pointed it out that Pakistan issue effected not only India, but

the whole Empire (Wave.I, the Viceroy's Journal-p218).

ترجمہ: "میں نے یہ واضح کیا کہ پاکستان کا لیٹو صرف ہندوستان پر ہی اثر انداز نہ ہوگا بلکہ

اس کا اثر تمام برطانوی نوآبادیات پر بھی پڑے گا۔

منصوبے سے یہ بات بھی کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ اگر انگریز نے مسلم لیگ کی حمایت یا امداد کی تو وہ مسلمانوں کے فائدے کی غرض سے نہ تھی بلکہ اس میں انگریز کا اپنا مفاد تھا اور اپنی سلطنت اور شہنشاہیت کے لئے یہ سارا کھیل کھیل رہا تھا۔ انگریز مسلمانوں کا نہیں بلکہ اپنے مفادات کا تحفظ کر رہا تھا۔

انگریز کی سیاست، چالبازی، ورفوجی، علاقائی ضروریات کا اندازہ تو ہو سکتا ہے لیکن حیرت تو مسلم لیگ کے رہنماؤں کے کردار پر ہے کہ یہ لوگ کس کے لئے لگے ہوئے تھے۔ مانتا ہوں کہ مسلم لیگ کبھی بھی ملک کی آزادی کے لئے نہیں اٹھی اور نہ ہی انگریز کی غلامی سے نکلنے کے لئے حرکت یا جدوجہد کی، لیکن اگر کانگریس اور قوم پرست مسلمانوں اور علماء دین کی قربانیوں کے نتیجے میں انگریز تو اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ ہندوستان کو آزاد کرے تو کیا یہ آزادی صرف باقی ہندوستانوں کے لئے ہوگی اور مسلم لیگ مسلمان بدستور انگریز کی غلامی میں رہ جائے گا۔ وہ دوسروں کی جیتی ہوئی آزادی اور انگریز کی شکست کو کیسے انگریز کی فتح میں بدلا جائے گا۔ یعنی مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان کی آزادی کی جنگ مسلم لیگ کے ان رہنماؤں کی

برکت اور مہربانی سے صرف غیر مسلموں کے اکثریتی صوبوں کی آزادی کی جنگ بن جائے گی اور مسلمان اسی طرح غلام کا غلام رہ جائے گا۔

تیسری بات جو پول کے منصوبے سے واضح ہوئی کہ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ کیوں پشتون صوبہ سرحد اور خدائی خدمتگار۔ انگریز کی آنکھ کا کاٹا بنے رہے۔ ہندوستان کے تمام مسلمانوں میں من حیث القوم خدائی خدمتگار وہ جماعت ہے جو انگریز کی سیاست اور سازشوں سے واقف تھی اور اسی لئے خدائی خدمتگاروں نے انگریز کی غلامی سے نکلنے کے لئے کانگریس کا ساتھ دیا تھا۔ انگریز کو اس سلسلے میں دو مشکلات تھیں۔ ایک تو یہ صوبہ مسلمانوں کا اکثریتی صوبہ تھا بلکہ تقریباً 93% تھے اور یہ صوبہ مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دے رہا تھا بلکہ انگریز کے خلاف تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ صوبہ ایسے مقام پر واقع تھا جہاں روس کے خلاف انگریز اپنے مفادات کے لئے اسلام کا قلعہ بنانا چاہتا تھا تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ کیوں انگریز اپنی تمام تر قوت اور زور خدائی خدمتگار تحریک کو ختم کرنے پر استعصاں کر رہا تھا اور کیوں وہ ایک طرف خوانین، سرخان بہادر اور خان صاحبان دنیوی رہنماؤں کی صورت میں اور دوسری طرف تنخواہ دار ملّا، پیر، فقیر، اخون زادگان اور دینی درس گاہوں کے رہنماؤں کو اکٹھا کر رہا تھا کہ ایک طرف مسلم لیگ کے سیاسی پلیٹ فارم سے اور دوسری طرف اسلام کے نام پر دینی محاذ سے خدائی خدمتگار جماعت کے خلاف مسلسل جدوجہد جاری رکھے۔ غرض اور مقصد ایک اور صرف ایک تھا کہ انگریز کی مخالف قوتوں کو ختم کر دیا جائے اور یہ صوبہ بھی مسلم لیگ کے رہنماؤں کے حوالے کر دیا جائے تاکہ انگریز انہیں ملک میں اپنی اندرونی سیاست کے لئے اور اپنے خارجہ پالیسی میں بھی اپنے سامراجی مفادات کے لئے استعمال کر سکے۔

کیبنٹ مشن اور دوسری شملہ کانفرنس

برطانیہ میں جنگ کے خاتمے پر انتخابات ہوئے۔ کنزرویٹو پارٹی انتخابات ہار گئی اور لیبر نے انتخابات جیت لئے۔ چرچل کی جگہ اینٹی برطانیہ کا وزیر اعظم بنا۔ یہاں ہندوستان میں بھی ویول نے عام انتخابات کا اعلان کر دیا۔ امید یہ تھی کہ اس اعلان اور شملہ کانفرنس کے سیمے میں انگریز نے مسلم لیگ کو جو حیثیت دلائی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھائے۔ خود غرض لوگوں کو یہ بھی علم تھا کہ انگریز پاکستان کا مطالبہ تسلیم کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اور سوائے مسلم لیگ کے کسی اور مسلمان کی حیثیت تسلیم نہیں کرتا۔ اور جب انتخابات جداگانہ طریقے پر ہوں (کہ مسلمان مسلمان کو اور غیر مسلم غیر مسلم کو ووٹ دے گا) تو پھر تو مسلم لیگ کے لئے راستہ بالکل صاف ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک سوداگر، کارخانے دار اور سرمایہ دار مسلم لیگ کی طرف لپک پڑا۔ مسلمان والیان ریاست نے اپنے تحفظ کے لئے مسلم لیگ کی مدد کے لئے ہاتھ بڑھایا اور سرکاری افسران تو کھل کر مسلم لیگ کے لئے کام کرنے لگے۔ کیونکہ ویول نے خود یہ بات واضح کر دی جب اپنے داخلہ سیکرٹری آف سٹیٹ (Sir Francis Mudie) کو کہا کہ:

And told him (Mudie) to impress on every one that to back

Congress at the expence of Loyalists was not my policy. p. 177

ترجمہ: ”اور اسے (موڈی) کہا کہ سب پر واضح کر دے کہ وفاداروں کو چھوڑ کر کانگریس کی حمایت میری پالیسی نہیں۔“

ویول صرف دو پارٹیوں تسلیم کر رہا تھا۔ ایک کانگریس اور دوسرے تابعداران Loyalists مسلم لیگ کو تابعداروں کی فہرست میں شامل کر چکا تھا۔

جب انتخابات ختم ہوئے تو برطانیہ کی طرف سے کیبنٹ مشن آیا۔ ایک خود سیکرٹری آف سٹیٹ (وزیر ہند) دوسرے Sir Stafford Cripps اور تیسرے A.G Alexander انہوں نے آتے ہی اپنا کام شروع کر دیا۔ یہ تجویز پیش ہوئی کہ جناح صاحب اور جواہر لال کی ملاقات کرائی جائے ویول اس سے متعلق لکھتا ہے:

Cripps and the other Ministers thought that there thought to be meeting Jinnah and Nehru, not with any hope of agreement, but purely for Publicity Value, to show that we had done our best to secure agreement . P.248

ترجمہ۔ ”کرپس اور دیگر وزراء کا خیال تھا کہ جناح اور نہرو کے، جین مینگ ہولی چاہئے کسی سمجھوتے کی امید سے نہیں بلکہ فقط مشہوری کیلئے یہ دکھانے کے لئے کہ ہم نے سمجھوتے کے لئے اپنی پوری کوششیں کی ہیں (صفحہ 248)“

یہاں سے پھر ابتداء کرتے ہیں اور اسی سے ویول اور اس کے ساتھیوں کی منافقت اور ایمانداری کا اندازہ نہایت آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ مفاہمت کیسے ہوتی؟ اور کس کے ساتھ ہوتی۔ پہلی شملہ کانفرنس کا نتیجہ کیا ظاہر کرتا ہے۔ دوسری شملہ کانفرنس کے لئے صرف مسلم لیگ اور کانگریس کے ممبروں کو بلایا۔ چار ممبر کانگریس نے اپنے وفد میں مولانا ابوالکلام آزاد، جواہر ل نہرو، سردار دلہ بھائی ٹیل اور باچا خان کو لیا اور چار مسلم لیگ کے وفد میں جناح صاحب، نواب زادہ لیاقت علی خان، نواب محمد اسماعیل خان اور سردار عبدالرب نشتر شامل تھے۔ کانفرنس میں 2 ہندو اور 6 مسلمان تھے۔

ویول لکھتا ہے کہ جناح صاحب نے تو کانفرنس کی ابتداء ایسے کی کہ جب مولانا آزاد نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو جناح صاحب نے ان سے ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا۔ یہ بسم اللہ تھی اور یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے اخلاق۔ کافر انگریز کے ساتھ تو جھک کر سلام اور ہاتھ ملایا۔ ہندوؤں سے ہاتھ ملاتے ہیں۔ یہاں تک کہ عورتوں سے ہاتھ ملانا عذر نہیں تھا۔

جناح صاحب تو پہلی شملہ کانفرنس میں اس اونچائی تک پہنچ گئے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ چونکہ وہ راضی نہیں ہو رہا تھا۔ تو وہ کانفرنس سرے سے ناکام ہوگئی تھی۔ اب اسے کون وہاں لے آتا۔ پاکستان سے کتر بات وہ مان نہیں رہا تھا اور پاکستان کا مسئلہ کانگریس قبول نہیں کر رہی تھی۔ یہ کانفرنس بھی اسی بات پر ناکام ہو گئی کہ مسلم لیگ اس بات پر مصر تھی کہ اسے تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا نمائندہ تسلیم کر لیا جائے۔ کیبنٹ مشن نے اعلان کیا تھا کہ اگر کانگریس اور مسلم لیگ آپس میں متفق نہ ہوئے تو پھر مشن اپنی طرف سے اعلان کرے گا۔ چنانچہ 19 مئی 1946ء کو مشن نے اپنی طرف سے یہ اعلان کر دیا۔

کہ ہندوستان ایک یونین (یعنی وفاق) ہوگا اور اس وفاق کے پاس صرف تین محکمے ہوں گے۔ دفاع، امور خارجہ اور مواصلات اور پھر ہندوستان کے تمام صوبوں کو تین گروپوں میں تقسیم کر دیا۔ مسلم اور غیر مسلم کی حیثیت سے۔

گروپ پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان

گروپ بنگال اور آسام

گروپ باقی کے چھ صوبے بمبئی، مدراس، بہار، اڑیسہ، یوپی سی پی

تجویز یہ تھی کہ یہ نو منتخب صوبائی اسمبلیاں مرکزی آئین ساز اسمبلی کے لئے ممبران کا انتخاب کریں گی کہ وہ وفق اور ان تین محکموں کے لئے آئین بنائے اور حکومت برطانیہ کے ساتھ ملک کی آبادی اور اختیارات کے حصول کیسے نمائندہ ادارہ ہوگی۔

صوبوں کے لئے آئین صوبائی اسمبلیاں بنائیں گی اور اگر صوبے چاہیں تو ان گروپوں کی صورت میں اتحاد بھی کر سکتے ہیں اور ہر ایک صوبے کو یہ بھی اختیار دیا گیا کہ دس سال کے بعد اگر وہ مناسب سمجھے تو گروپ سے باہر بھی نکل سکتا ہے۔

اگر ان تجاویز کو غور سے دیکھا جائے تو اس نے ان دونوں فریقوں کے تقریباً تمام مطالبے منظور کر لئے تھے۔ کانگریس ہندوستان کا اتحاد چاہتی تھی تو یہی وفقی حکومت کا تصور وہاں کمزور مرکز کی حیثیت میں موجود تھا۔ مسلم لیگ ہندوؤں کی عددی برتری سے خوف زدہ تھی تو گروپوں کی صورت میں اس کے بھی عداوت کی صورت نکل آئی تھی۔ اختیارات بھی تقریباً تمام صوبوں کو دیئے گئے تھے (ماسوائے تین محکموں کے) جو وفاق کو دیئے گئے۔ حقیقت میں اس فارمولے سے پاکستان بن گیا تھا۔

کیبنٹ مشن نے یہ بھی اعلان کیا کہ وائسرائے ہند کی سربراہی میں ایک عبوری حکومت بنادی جائے یہ بھی اعلان ہوا کہ آئین ساز اسمبلی کے انتخابات کے ساتھ مرکز میں عبوری حکومت بنے گی۔ لیکن جو فریق مشن کے 16 مئی کے اعلان کو قبول نہیں کرے گا تو انہیں مرکزی حکومت میں نہیں لیا جائے گا۔

مسلم لیگ کی راہ میں بنیادی مشکل

مسلم لیگ کے رہنماؤں کو فوراً ایک بنیادی مشکل پیش آئی کہ ان کے چوٹی کے تمام ہیڈر تو ان صوبوں میں سے تھے جو غیر مسلموں کے اکثریتی صوبے تھے۔ تو وہ گروپ اے کی اسمبلی میں رہ جاتے۔ اور تو بات پھر بھی بن جاتی لیکن جناح صاحب خود اور نواب زادہ لیاقت علی خان بھی ادھر ہی رہ جاتے ویول کہتا ہے کہ مسلم لیگ نے پہلی وضاحت تو یہ طلب کی کہ آیا ایک صوبے کی اسمبلی کو یہ اختیار ملتا ہے کہ وہ اپنے صوبے سے باہر کسی اور صوبے کے ممبر کو منتخب کرے۔ ویول نے کہا ہاں تو اسی طرح مسلم لیگ کے یہ لیڈر اور رہنما بنگال کے صوبے کی طرف سے آئین ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوتے (اگرچہ وہ نمائندگی بمبئی اور یوپی کی کر رہے تھے)

مختلف گروپوں میں آئین ساز اسمبلی کے ممبروں کی تعداد

گروپ A

مسلم	غیر مسلم	صوبہ
4	45	مدراس
2	19	بمبئی
8	47	یوپی
5	31	بہار
1	16	سی پی
-	9	آڑیسہ
20	167	کل

گروپ B

مسلم	غیر مسلم	صوبہ
16	8	پنجاب

4 سکے

3	-	مرجہ
3	1	سندھ
22	9	کل
گروپ C		
33	27	بنگلہ
3	7	آسام
36	34	کل

مسلم لیگ کو یہ بات فوراً واضح ہو گئی کہ گروپ سی میں یہ 36 مسلم اور 34 غیر مسلم کا تناسب تو قدرے خطرناک ہے اگر کہیں غیر مسلموں نے ایک یا دو ممبروں کو ورغلا لیا تو قصہ ختم۔ ادھر پنجاب میں بھی ایک حد تک یہی مشکل تھی۔ 16 مسلم اور 12 غیر مسلم لیکن اس کے ساتھ پنجاب کی ایک اور بھی مشکل تھی کہ وہاں تو انتخابات یونینسٹ پارٹی نے جیتے تھے اور اس میں ہندو مسلم سکھ سب شامل تھے لیکن اصل مشکل اس مرتبہ مسلم لیگ کو درپیش تھی کہ مشن نے یہ اعلان سختی سے کیا تھا کہ اگر کسی فریق کو یہ تجاویز نامنظور ہوں تو انہیں حکومت میں نہیں لیا جائیگا۔ مسلم لیگ کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ حکومت سے باہر رہ گئے تو رہ ہی جائیں گے۔ ساتھی رکنوں کے نہیں بھاگ کر چھوڑ دیں گے۔

مسلم لیگ کی پاکستان کے مطالبے سے دستبرداری

مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں مشن کی تجاویز پر غور ہوا اور 6 جون 1946ء کو یہ منصوبہ منظور کر لیا اور اسی طرح متحدہ ہندوستان کے وفاق کی حیثیت تسلیم کر لی اور پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو گئے۔

مسلم لیگ کو یہ کامل یقین تھا کہ کانگریس ان تجاویز کو نامنظور کرے گی۔ گروپوں کی تقسیم اور ان میں جبری شمولیت پر ضرور اعتراض کریں گے لیکن 25 جون 1946ء کو کانگریس نے بھی اعلان کیا اور ان تجاویز کو منظور کر لیا۔ ویول تو کانگریس کی اس منظوری پر نہایت "ایس اور دل برداشتہ ہوا۔ اسے تو پختہ یقین تھا کہ کانگریس ان تجاویز کو نامنظور کرے گی۔ اس کے ذہن میں تو ای Break Down Plan کا منصوبہ پھر رہا تھا اور اسی ذہن سے سوچا تھا۔ یہاں کانگریس نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔

25 جون اپنی ڈائری میں لکھتا ہے:

The worst day yet—— Congress has accepted the statement of May 16—— Now Cripps having assured me categorically that the Congress would never accept the statement of May 16th P.305

ترجمہ۔ "اب تک سب میں بردون۔ کانگریس نے مئی 16 کے بیان سے اتفاق کا اعلان کر دیا ہے۔ کہ جس نے مجھے قطعی یقین دیا تھا کہ کانگریس کبھی بھی مئی 16 کے بیان سے اتفاق نہیں کریں گی۔" (صفحہ 305)

ویول خود تسلیم کرتا ہے کہ:

Congress maneuvers have now put us in a very difficult position Both with Mr. Jinnah and the formation of an interim Govt. Wavell P.303

ترجمہ۔ ”کانگریس کی چالوں نے ہمیں نہایت مشکل میں پھنسا دیا ہے مسٹر جناح کے ساتھ بھی اور عبوری حکومت کے قیام میں بھی (صفحہ 303 ویول)۔“
 ویول نے یہ کوشش شروع کی کہ جس طرح بھی ہو کانگریس کی اس منظوری کو نامنظور کر دے کہ یہ ہدایتی سے ہوا ہے:

Unless we decide that the congress is a dishonest, as it infact
 and refuse to regard it an acceptance . P.304

ترجمہ۔ ”پھر ہم نے کانگریس کے مذاق والے خط پر بحث کی جو کہ درحقیقت بے ایمانی پر مبنی اتفاق ہے مگر اس ہوشیار رہی سے تحریر کیا گیا ہے کہ اسے اتفاق تسلیم کرنا پڑتا تھا۔“
 ویول خود مجبور تھا اور جو اس کی خواہش تھی یا اس کے ذہن میں جو منصوبہ تھا۔ اس میں مشکلات ان برطانوی وزیروں نے پیدا کیں۔ ان پر بس نہیں چلتا تھا کیونکہ وہ حاکم تھے۔ وزیر ہند خود موجود تھا۔ ویول کے یہ مشورے اور اس کی رائے انہیں غیر محقول نظر آ رہی تھی۔ وہ اپنے فیصلے خود کر رہے تھے اور ان فیصلوں پر ویول دل برداشتہ تھا لیکن بے بس تھا۔ لیکن اس امید پر بیٹھا تھا کہ یہ مشن آخر کار برطانیہ واپس چلا جائے گا اور میں ایک بار پھر اپنے فیصلے اپنے منصوبوں کے مطابق کروں گا۔ مسلم لیگ جب پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہوئی۔ کیونکہ مشن اپنی بات پر سختی سے قائم رہا تو ویول کھل کر کہتا ہے کہ پاکستان کے منصوبے کا اثر سلطنت برطانیہ پر پڑے گا۔ تو اس کا کیا علاج ہوگا۔ اب تک تو ویول مسلم لیگ کو یہ تسلی دیتا رہا کہ اگر مسلم لیگ راضی نہ ہوئی تو کوئی فیصلہ نہیں ہوگا اور جب فیصلہ نہیں ہوگا تو حکومت کانگریس کے حوالے نہیں کی جائے گی لیکن مشن نے تو سختی سے یہ بات کی ہے کہ جو فریق یہ فیصلہ نہیں مانے گا۔ وہ حکومت میں شامل نہیں ہوگی۔ ویول اس فیصلے سے دل برداشتہ تھا اور ایک آدھ مرتبہ تو یہاں تک کہا کہ اگر مسلم لیگ کے بغیر کانگریس کے ساتھ سمجھوتہ ہوا تو میں استعفیٰ دے دوں گا:

The vicroy was not prepared to carry on if they gave way to

Congress demands (P.151) Hodson The Great Divide.

ترجمہ۔ ”اگر وہ کانگریس کے مطالبے کو تسلیم کرتے ہیں تو دائیں سرے مزید برقرار رہنے کے لئے تیار نہیں تھا۔“ (صفحہ 151 ڈسٹن: عظیم تقسیم)

اپنی ڈائریوں میں ویول نے یہ بات بار بار لکھی ہے کہ کانگریس نے یہ منصوبہ منافقت سے مانا ہے لیکن جب وہ کوئی منجائش پیدا نہ کر سکے تو پھر ویول نے یہ تجویز پیش کی کہ میں اس فوری طور پر حکومت ہٹا دوں گا اور اس سیاسی حکومت کی ساخت پر ہٹاؤٹ پھر آرام سے سوچ لیں گے۔ لیکن اس کی یہ تجویز بھی نہ مانی گئی۔

عبوری دور

لارڈ ویول نے بہت ہی شکستہ دل سے آخر کار 22 جولائی کو جواہر لال نہرو اور جناح صاحب کو خطوط لکھے۔

مرکزی حکومت میں 14 وزراء ہوں گے۔ 6 کانگریس کے جن میں ایک ہریجن ہوگا۔ 5 مسلم لیگ اور تین وائسرائے ہند نامزد کرے گا جن میں سے ایک سکھ ہوگا۔

کانگریس کے اس پر چند اعتراضات تھے۔ ایک تو یہ کہ یہ کاہنہ مکمل طور پر خود مختار ہو اور وائسرائے کو یہ حق نہ ہو کہ وہ اس کے فیصلوں کو رد کر سکے۔ یعنی وائسرائے کی حیثیت ایک آئینی سربراہ کی ہو۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہ اقلیتوں کی نامزدگی بھی مناسب نہیں۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ اصلی جھگڑا اس بات پہ پیدا ہوا کہ جب یہ تین گروپ بنے تو ان میں ہر ایک صوبے کو انفرادی طور پر فیصلہ کرنا چاہئے یعنی گروپ سی (C) میں آسام کو یہ حق ہو کہ وہ اپنا فیصلہ خود کرے یا گروپ (B) میں سرحد اور سندھ کو انفرادی طور پر اپنے فیصلے کرنے کا حق ہو۔ کیونکہ اگر آسام اور بنگال مل کر فیصلہ کریں۔ تو آسام کے ووٹ کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی اور اسی طرح گروپ (B) میں پنجاب کے 28 ممبر تھے۔ 4 سندھ کے اور 3 سرحد کے۔ تو جب یہ مل کر ووٹ دیں تو چھوٹے صوبوں کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ مسلم لیگ اس پر مصریحی کہ فیصلہ گروپ کرے گا۔

جناح صاحب نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بمبئی میں بلایا تا کہ دوبارہ پورے معاملے پہ غور کیا جائے۔ مسلم لیگ نے 27 جولائی 1947ء کو یہ تجویز پاس کر لی کہ چونکہ کانگریس مرکزی آئین ساز اسمبلی میں قطعی اکثریت رکھتی ہے تو وہ اکثریت کے مل بوتے پر سب فیصلے کرے گی اور اسے مشن کے وزراء پر بہت اعتراضات تھے اور گلوں شکوؤں کے بعد یہ اعلان کیا کہ مسلم لیگ اپنا وہ ایجاب و قبول کا کیا ہوا فیصلہ واپس لیتی ہے اور اب 16 مئی کا وہ پلان اسے منظور نہیں اس کونسل نے اپنی مجلس عاملہ کو یہ اختیار دے دیا کہ اپنے سیاسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ”راست اقدام“ یعنی Direct Action کا منصوبہ تیار کرے معلوم یہ ہوتا تھا کہ جب ”راست اقدام“ یا حکومت کے ساتھ بلا واسطہ مقابلے کا فیصلہ ہوا تو جناح صاحب نے اپنے گروپ پیش پر نظر ڈالی اس کے تو چاروں طرف سر، نواب، لوہانڈے، خان بہادر،

خانصاحبان اور جاگیردار پھیلے ہوئے تھے یہ فیصلہ بھی ہوا کہ انگریزوں کے عطا کردہ خطا بات اور انصاف بات بھی واپس کئے جائیں۔

مبوری حکومت کی ساخت پر بھی جناح صاحب نے اعتراض کیا کہ ایک تو مسلم لیگ کو کانگریس کے مساوی نمائندگی نہیں دی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ کانگریس پر یہ بندش نہیں لگائی گئی کہ وہ اپنی طرف سے ایک بھی مسلم وزیر نامزد نہیں کر سکے گی۔ تیسرے یہ کہ فرقہ وارانہ ووٹ کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ فرقے کے متعلق فیصلہ ہو گا تو اس فرقے کی اکثریت خود فیصلہ کرے گی۔ یہ اعتراض کون مان سکتا تھا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی مساوی نمائندگی کس شناخت سے مسلمان پورے ہندوستان میں 10 کروڑ تھے۔ اور غیر مسلم 30 کروڑ۔ انتخابات کے بعد مسلم لیگ کے ساتھ صرف دو صوبے تھے۔ سندھ اور پنجاب میں قوم پرست اور یونینسٹ تھے اور باقی تمام صوبے کانگریس کے ساتھ تھے۔ دوسرا یہ مطالبہ کہ کانگریس اپنے حصے سے مسلمان وزیر نہ لے۔ اس کی کیا دلیل تھی۔ یعنی مسلم لیگ کو خوش کرنے کے لئے کانگریس یہ مان لے کہ وہ صرف غیر مسلموں کی نمائندگی کرتی ہے اور اگر حقیقتاً جناح صاحب مسلمان کا مخور تھا تو کانگریس کی طرف سے کوئی مسلمان وزیر بن جانے پر اسے کیا تکلیف تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ سخت مشکل میں تھی۔ شملہ کی پہلی کانفرنس کے بعد مسلم لیگ کو دیول کے روپے اور تسلیم سے انہیں یہ تاثر ہوا کہ پاکستان بننے کا فیصلہ ہو گیا ہے دوسرے یہ کہ سوئے مسلم لیگ کے انگریز کسی اور کو مسلمانوں کی نمائندہ حیثیت تسلیم نہیں کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان انتخابات میں سرمایہ داروں، کارخانہ داروں، تاجروں، جاگیرداروں، مسلمان و ایمان ریاست اور مسلمان سرکاری افسروں، انگریز اور اس کے ساتھیوں نے مل کر یہ کوشش کی تھی کہ مسلم لیگ کامیاب ہو۔ اب جب ان لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو پھر سے متحدہ ہندوستان و ایک وفاق رہ گیا ہے اور مسلم لیگ اپنی زندگی بھر کی سیاست یعنی پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو گئی ہے تو انہیں یہ تشویش لاحق ہوئی۔ ان خود غرضوں نے تو پاکستان میں اپنے لئے ایک مقام ڈھونڈ نکالنا تھا۔ کارخانہ داروں اور تاجروں نے تو اپنے تجویروں کے منہ کھول دیئے تھے اور خیال تھا کہ پاکستان جائیں گے وہاں کارخانے لگائیں گے۔ بلا متبادل تجارت ہوگی۔ سرکاری افسران کی بے تمیز ترقیاں ہوں گی۔ تو یہاں جب یہ سنا کہ مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ چھوڑ دیا ہے تو ان کے توہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ لیکن مسلم لیگ کے لئے ویسے بھی مشکلات تھیں۔ 40ء سے لے کر یہ گزشتہ کئی سال مسلم لیگ نے سوائے پاکستان کے اور کوئی بات ہی نہیں کی تھی اور یہ بات صرف سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ اسے ایک مذہبی رنگ دیا تھا کہ یہ سب کچھ اسلام کی خاطر ہو رہا ہے۔ لیکن جب پاکستان کا مطالبہ چھوڑ دیا تو ایک گونہ اپنے مذہبی فریضے سے بھی انکار کر دیا۔ عقیدے سے ہجر گئے اور دو قومی نظریہ، نظریہ پاکستان، وہ بے شمار

تجاویز و ترامیم وہ مدارتی خطبے اور تقاریر سب کچھ ہضم کر لیا اور اپنی سالوں کی سیاست اور نظریے کی سودا بازی پر قربان کر دیا۔ مسلم لیگ پر لوگ یہ بھی اعتراض کر سکتے تھے کہ تم نے یہ گزشتہ الیکشن پاکستان کے نام پر جیتا اور یہ جنت کا کٹڑا پاکستان اپنی مذہبی ذمہ داری کے طور پر مسلمانوں کو پیش کیا تھا۔ اب جبکہ تم نے یہ مطالبہ چھوڑ دیا ہے تو قوم کو کیا جواب دو گے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسلم لیگ اپنی کوئی بنیادی، سیاسی یا قومی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اس میں شامل سب لوگ انگریز کے خطاب یافتہ اور مراعات یافتہ تھے۔ اس کی سب قوت انگریز کی امداد پر موقوف تھی۔ وہ تو انگریز کی بیساکھیوں پر اچھل کود رہے تھے۔ لیکن جونہی مشن کے سربراہان نے یہ بیساکھیاں کھینچ لیں تو یہ چیت گر پڑے کیونکہ اپنی کوئی قوت نہیں تھی۔

دوسری طرف انگریز کو بھی یہ مشکل درپیش تھی کہ اس نے یہ گزشتہ کئی سال یوں گزارے تھے کہ ایک اور صرف ایک بات کرتے تھے کہ چونکہ ہندوستان کے مختلف فرقے آپس میں راضی نہیں ہو رہے تو ہم مجبور ہیں کہ اقتدار اپنے پاس رکھیں۔ لیکن اب تو یہ بہانہ بھی ختم ہو گیا اور کینٹ مشن پلان کا منصوبہ دونوں فریقوں نے مان لیا۔ تو اب کس بہانے سے انگریز اختیار ہندوستانیوں کے حوالے نہیں کر دے گا۔ یہ انگریز پر بھی ایک سخت سیاسی وار تھا۔ دوسرے یہ انگریز نے تو اپنے لئے دائسرائے ہندو لارڈ پول کے ذریعے Break down Plan بنالیا تھا۔ جب مسلم لیگ اور کانگریس آپس میں بن گئے تو وہ سب کچھ ختم ہو گیا۔

مشن کی روانگی کے فوراً بعد لارڈ پول نے کام چلانے کے لئے سرکاری افسروں کی ایک مرکزی حکومت بنا ڈالی۔ نیت یہ تھی کہ اب پھر اپنا پرانا کھیل شروع کرے اور دونوں جماعتوں کو بات چیت میں مشغول رکھے۔ لیکن اب حکومت برطانیہ اس بات پر مصر تھی کہ چونکہ مسلم لیگ یہ منصوبہ نامنظور کر چکی ہے اس لئے وزارت کی دعوت صرف کانگریس کو دی جائے۔ سڈ پول نے لکھا:

I would say that H.M.G have the fullest intention of handing over power to Indians, I wish a united India. But they do not recognise Congress as representing all India & have no intention of handing over power to Congress alone (P 323 Wavell)

ترجمہ: "میں کہوں گا کہ ہر میجسٹری کی گورنمنٹ کا ہندوستان کو اقتدار مطلق کرنے کا کھیل ارادہ ہے میں ایک متحدہ ہندوستان چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن وہ کانگریس کو تمام ہندوستان کا نمائندہ نہیں مانتے اور تمہارا کانگریس کو اقتدار"

کہ تو کانگریس کو دعوت دے رہا ہوں لیکن انہوں نے پرمکمل اختیارات کا مطالبہ کر دیا ہے تو میں صاف کہتا ہوں کہ میں کانگریس کو پورے ہندوستان کا نمائندہ تسلیم نہیں کرتا۔ اس وجہ سے میں اختیارات کیسے کانگریس کے حوالے کروں۔ (1) انگریز بھی عجیب مخلوق ہے۔ جب اپنا مطلب نہیں ہوتا تو آنکھیں بالکل بند کر لیتا ہے اس کے پاس دو پٹے ہیں۔ ایک کانگریس کے لئے، دوسرا مسلم کے لئے۔ یہ جو اعتراض کانگریس پر اٹھایا کبھی یہ اعتراض اس نے مسلم لیگ پر کیا اور تجربے سے یہ ظاہر ہو گیا جو انہی انگریز نے ذرا سخت دکھائی تو مسلم لیگ نے وہ پاکستان بھی چھوڑ دیا۔

لیکن دوسری طرف ہندوستان میں آنکھیں قفل پر حرکت شروع ہوئی بڑا تالوں کے لوٹس دے گئے انگریز کو معلوم ہوا کہ اب ایک فریق کے ساتھ صلح ضروری ہے تو اس وجہ سے دیول نے جواہر مال نہرو کو بلا دیا تاکہ اس کے ساتھ عبوری حکومت کی بات کرے۔ یہ بھی کہا کہ مسلم لیگ کے لئے وزارت میں چند کرسیاں خالی رکھنی چاہئے تاکہ انہیں آنے کی امید ہو۔ اب دیول مجبور ہے کہ بادل ناخواستہ کانگریس کو حکومت بنانے کی دعوت دے:

I dislike intensely the idea of having an interim Govt.,
dominated by one party, but I feel I must try to get Congress in
as soon as possible. (P.326)

Secretary of State cabled approving my proposed approach to
Nahru I don't like it. p. 329 Wavell.

ترجمہ۔ "میں ایسی عبوری حکومت جس میں ایک پارٹی کا غلبہ ہو قطعاً پسند نہیں کرتا مگر مجھے
احساس ہے کہ مجھے جتنی جلدی ممکن ہو کانگریس کو اندر لانا ہوگا۔"

"سیکرٹری سٹیٹ نے میری نہرو سے مجوزہ انداز اپنانے کی اجازت دیتے ہوئے ہمارے لکھا
ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں (صفحہ 29 دیول)"

لیکن مسلم لیگ پر بھی یہ واضح کر دیا کہ اگر اب بھی تم وزارت میں نہ آئے تو پھر میں حکومت برطانیہ
کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ بنگال کی مسلم لیگ کی وزارت بھی عجیب تماشہ تھی کہ اس اسمبلی میں 25 ممبران یورپین
یعنی انگریز تھے اور یہی مسلم لیگ کی حکومت ان کی حمایت سے چل رہی تھی۔ اگر وہ نہ ہوتے تو پھر مسلم لیگ
وزارت نہیں بنا سکتی تھی۔

راست اقدام کا فیصلہ کیوں؟

مسمم لیگ ایک سیاسی تنظیم کی حیثیت سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے پالیسی وضع کرنے کا اختیار رکھتی تھی۔ لیکن ”راست اقدام“ کا فیصلہ کرنے سے پہلے اسے چاہئے تھا وہ ان تمام باتوں پر خوب سوچتی کہ ان کی تحریک اور کانگریس کی تحریک میں ایک بنیادی اور اہم فرق تھا۔ کانگریس اپنے ملک کی آزادی اور وطن کی خود مختاری کے لئے کام انگریز کے خلاف تحریک چلا رہی تھی۔ لیکن یہاں مسلم لیگ کا راست اقدام انگریز کے خلاف نہیں تھا۔ اس کی تمام تر جدوجہد کا رخ تو کانگریس کی طرف تھا اور کانگریس کی طرف بھی ایک قومی جماعت کی حیثیت سے نہیں بلکہ ہندوؤں کی جماعت کی حیثیت سے اس کے خلاف اپنی قوت اور اپنا زور بلور کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ اور تمام تقاریر، بیانات اور پروپیگنڈہ اس طرح پر تھا۔ جیسے تمام اہلیہ رات اور اقتدار ہندو کے پاس تھا اور وہ مسلمان کو نہیں دے رہا تھا۔ راست اقدام میں انگریز کو تو مسمم لیگ نے سرے سے فراموش کر دیا تھا۔ لازمی بات تھی کہ اس قسم کا راست اقدام ہندوستان کے مختلف فرقوں کے درمیان کشیدگی کا باعث ہوگا اور چونکہ مسلم لیگ کانگریس کو ایک ایسی قومی جماعت تسلیم نہیں کرتی تھی جو ہندوستان کے تمام فرقوں کی نمائندگی کرے۔ بلکہ جناح صاحب کانگریس کو ”ہندو کانگریس“ کہتے تھے۔ ظاہر تھا کہ اس راست اقدام کا رخ ہندو کی طرف ہوگا اور اس طرح سے انگریز کی سہولت کی کوشش اور پالیسی کے منطقی نتیجے میں ہندو اور مسلمان سیاسی مورچوں پر نہیں بلکہ ”راست اقدام“ کی صورت میں ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے اور یہ تمام عمل خان جنگی کی صورت میں تمام ہوگا۔*

16 اگست 1946ء کا دن راست اقدام کے لئے مقرر ہوا اور جگہ تو مسمم لیگ کیا کرتی۔ لیکن بنگال میں مسلم لیگ کی حکومت تھی اور حسین شہید سہروردی اس صوبے کا وزیر اعلیٰ تھا۔ وہاں اس نے حکومتی سطح پر ”راست اقدام“ کا اعلان کر دیا اور اس دن پورے صوبے میں تعطیل کا اعلان بھی کر دیا تاکہ مظاہروں کا اہم کے مجدد، راہی کتاب ”جناح اور گاندھی“ میں لکھتے ہیں کہ سہروردی کی قیادت میں جلسوں نے ان لوگوں کی دکانیں بھی لوٹی جنہوں نے ہڑتال میں حصہ نہیں لیا تھا ان کا سامان باہر پھینک دیا گیا گاڑیاں اور دروازے میں نذر آتش کر دی گئیں اور پورے شہر میں آتش دہی ہنگامہ آرائی ہوتی رہی۔ یہ ہندوستان کی تاریخ کا بدترین فرقہ وارانہ فساد تھا اس ہولناک کام اور نقصان کی وجہ مسلم لیگ کا سیاسی مظاہرہ تھا۔

انتقام ہر کاری طور پر ہو سکے۔ عجیب صورت حال تھی اور یہ منطق سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر صوبے کی حکومت کو کیا ضرورت تھی کہ وہ "راست اقدام" میں بذات خود حصہ لے لے یہ تو خود بے خلاف اور امن کو خراب کرنے کی کوشش تھی۔ اگر اس اقدام کا مقصد یہ تھا کہ ہندو اور مسلم کی سطح پر جنگاں میں فساد ہو جائے۔ تو یہ آگ کیا باقی ہندوستان میں نہیں پھیلے گی پھر ان صوبوں کے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔ جہاں وہ اقلیت میں ہیں کیونکہ مسلم لیگ کی سیاست کی خاصیت یہ تھی کہ وہ ان صوبوں میں مضبوط تھی جو غیر مسلموں کے اکثریتی صوبے تھے اور جب ان غیر مسلموں کے اکثریتی صوبوں میں فرقہ وارانہ تعصب اور نفرت کی فضا پھیل جائے گی تو اس کا فائدہ کسے پہنچے گا اور نقصان کس کا ہوگا۔

وزیر اعلیٰ سہروردی صاحب نے خود "راست اقدام" کی رہنمائی کی اور نتیجہ وہی نکلا جو نکلتا تھا۔ فساد شروع ہو گیا مسلمانوں نے شروع کیا۔ ہندوؤں نے ہوا دی اور پھر بڑی تباہی سکھوں نے مچادی۔ مسلمان کلکتہ میں بھی اقلیت تھے۔ سکھوں کا کلکتہ کے ٹرانسپورٹ پر قبضہ تھا۔ تقریباً تمام ٹیکسیاں سکھوں کی تھیں۔

Whole streets were strewn with corpses-men women & children of all communities impossible to count, let alone identify. If the Muslim gave the provocation & started holocaust, they were certainly its worst victims for they were in a minority in the city

ترجمہ۔ "لاشیں پوری پوری سڑکوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ ہر فرقے سے تعلق رکھنے والے مرد، عورتیں اور بچے۔ ان کی شناخت تو دور کی بات ہے انہیں گنا بھی ناممکن تھا۔ اگر مسلمانوں نے اشتعال دلا دیا اور آگ بھڑکائی تو وہ خود ہی اس کی لپیٹ میں زیادہ شکار ہوئے کیونکہ شہر میں وہ اقلیت میں تھے۔"

ہاؤس نکلتا ہے کہ گلی کوچے لاشوں سے اٹے پڑے تھے۔ مرد، عورت بچے کس فرقے کے ہیں ان کی شناخت تو کیا۔ کتنی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ کلکتہ چونکہ ایک تجارتی مرکز تھا۔ تمام صوبوں کے ہندوستان بھر سے لاکھوں مزدور اور کاروباری لوگ یہاں موجود تھے۔ خصوصاً بالخصوص صوبے بہار کے جو مقابلاً غریب اور پسماندہ ہے۔ صوبہ کے لوگ یہاں روزگار کے سلسلے میں موجود تھے۔ جن میں اکثریت غیر مسلموں کی تھی۔ جب کلکتہ کے فسادات کے سلسلے میں یہ لوگ بھگم بھگم کر اپنے اپنے علاقوں میں گئے اور مسلم لیگ کے "راست اقدام" کے نتیجے میں بارہا جانے اور عورتوں کے اغو کے قہے کچھ حقیقت اور کچھ مبالغے کے ساتھ وہاں کر سنا تو اس نے ایک ایسے فرقہ وارانہ نفرت قارت اور دشمنی کی جگہ لگادی جسے ختم کرنا اتنا آسان نہ رہا۔ اس دوران میں وہ حرکات ہوئیں کہ انسانیت اور شرافت نے شرمساری سے سر جھکا لیا۔

یہ بات تو واضح تھی کہ اس قسم کے فسادات سے سوائے انگریز کے اور کسی کو فائدہ نہ تھا۔ انگریز کی تقریباً سو سالہ فرقہ وارانہ پالیسی رنگ لائی اور اس حد تک پہنچی کہ اب مسلمان اور غیر مسلموں نے ایک دوسرے کی گردن پر چھریاں چلائیں۔

عبوری حکومت

یہی 16 اگست 1946ء ہی تھا۔ ایک طرف سہروردی صاحب نے کلکتہ میں ہندو مسلم فساد کی آگ لگا دی اور یہی دن تھا کہ جواہر لال نہرو نے کوشش کی کہ عبوری حکومت بنانے میں جناب جناح صاحب اس کے ساتھ تعاون کرے۔ نہرو کی تجویز یہ تھی کہ مرکز میں 14 وزارتیں ہوں گی۔ 6 کانگریس کے 5 مسلم لیگ کے اور 3 اقلیتی فرقوں کے، ایک سکھ ایک عیسائی اور ایک پارسی۔ لیکن جناب صاحب اپنے اسی مقام پر کھڑا تھا کہ مسلم لیگ کے بغیر کوئی دوسرا مسلمان مرکزی وزارت میں نہیں ہوگا اور اگر نہرو اس کی تسلی جناح صاحب کو نہیں دلاتا تو پھر مفاہمت کا امکان نہیں اور اسی ایک اور صرف ایک بات پر ہم فیصلے ٹوٹ گئے۔ یہ ایک عجیب منطق تھی۔ جس پر جناح صاحب مصرعے۔ آخر پنجاب بھی مسلم اکثریتی صوبہ تھا اور اوجھڑا صوبہ سرحد کی یہ حالت تھی کہ سب سے زیادہ مسلم اکثریتی صوبہ یعنی 93 فیصد مسلمان تھے اور اس کی نمائندگی مسلم لیگ نہیں بلکہ خدائی خدمتگار کر رہے تھے تو اسی صوبے کی نمائندگی کا دعویٰ جناح صاحب مرکز میں کس بنا پر کر سکتے تھے لیکن بنیادی بات تو یہ تھی کہ مسلم لیگ مرکز میں اپنا حصہ بلکہ اپنے حصے سے زیادہ چاہتی تھی۔ اسے یہ حق کس نے دیا تھا کہ وہ کانگریس پر یہ بندش لگائے کہ کسی مسلمان کو اپنے حصے سے نمائندگی نہیں دے گی اور اسی طرح سے اگر کانگریس یہ دعویٰ کرتی کہ چونکہ مسلم لیگ دو ہی صوبوں میں اکثریت سے ہے۔ بنگال اور سندھ میں پنجاب و سرحد کی نمائندگی کا مسلم لیگ کو کوئی حق نہیں اور ان صوبوں کی نمائندگی غیر مسلم لیگوں کو دی جائے تو جناح صاحب کا وکیل نہ قانونی ذہن یہ دلیل مان لیتا۔ جب غور سے دیکھیں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے جناح صاحب کے سامنے مسلمانوں کی مرکز میں اکثریت کا سوال نہ تھا بلکہ تمام زور مسلم لیگ کی جمعداری اور مسلمانوں کی واحد شہیداری پر تھا۔

حقیقت میں اس سلسلہ میں بہت پریشان فتنے و پول تھا کہ اس کا Break Down Plan کا قصہ خواب ہو رہا تھا۔ اس نے پہلے نہرو کو کہا کہ تم مسلمانوں کے لئے پانچ وزارتوں کو خالی چھوڑ دو۔ شاید بعد میں مسلم لیگ شامل ہونے پر راضی ہو جائے لیکن جب نہرو یہ بات اس بنا پر نہیں مانے کہ سرکار نے اعلان کیا ہے کہ جو فریق یہ منصوبہ نہیں مانا وہ حکومت میں حصہ نہیں لے گا۔ پھر پول نے کہا کہ میں اس ضمن میں خود

جناب صاحب سے بات کروں گا۔ لیکن جب جناب صاحب نے یہ اعلان کر دیا تو باتوں کی گنجائش ہاتی نہیں رہی۔ تب چاکر دیول کو فرار آیا۔

جب دیول کا یہ کھیل ناکام ہو گیا تو پھر اس نے گاندھی جی اور نہرو کو بلایا اور آنے والی وزارت کے بنانے کے اجلاس کے متعلق نیا مسئلہ پیدا کیا۔ کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی بہانے ایسا راستہ ڈھونڈے کہ کانگریس کی حکومت بنانے میں رکاوٹ پیدا ہو لیکن آخر کار حکومت برطانیہ نے بہت سختی سے منع کر دیا اور 24 اگست 1946ء کو ہندوستان کی پہلی قومی عبوری حکومت کا اعلان جواہر لال نہرو کی سربراہی میں ہوا۔

جواہر لال نہرو نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اور مسلم لیگ کی دو وزارتیں خالی چھوڑ دیں (تاکہ مسلم لیگ کے دوصوبوں بنگال اور سندھ کی نمائندگی کرے) لیکن عجیب بات تو یہ تھی کہ اسی دن یعنی 24 اگست کو جب دیول ریڈیو پر قوم سے خطاب کر رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر مسلم لیگ کو دعوت دی کہ اگرچہ یہ عبوری حکومت آج قائم ہو گئی لیکن اگر مسلم لیگ آں چاہے تو ان کے لئے وہی پرانا فیصلہ موجود ہے اور وہی مقام بھی۔

جواہر لال نہرو کی حکومت کے قیام سے تو جیسے دیول کے صبر کا پینہ نہ لبریز ہو گیا اور وہ اب کھل کر در واضح طور پر مسلم لیگ کے لئے برطانوی حکومت سے اُلجھا۔ بیکرنری آف سٹیٹ نارڈ پبلیک لارنس نے کئی بار اس کی تجاویز کی مخالفت کی اور اکثر جھاڑ بھی دیتا۔ لیکن دیول اپنی بات پر مصر تھا۔

دوسری بات جس پر دیول بہت مصر تھا۔ وہ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلا کر نہیں کرنے دے رہا تھا۔ اور جتنا بھی کانگریس یہ مطالبہ کرتی کہ عبوری حکومت کے قیام کے بعد ہندوستانی سرکار اس بات پر مجبور ہے کہ منتخب آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلائے لیکن دیول کسی صورت رضی نہیں ہو رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر ایک بار ہندوستان کی منتخب آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلا دیا گیا تو اس سے کیبنٹ مشن پلان کا آخری حصہ مکمل ہو جائے گا اور پھر انگریز اس بات پر مجبور ہوگا کہ قننہ اور اختیاراتی آئین ساز اسمبلی کے حوالے کر دے اور ایک بار ہندوستان کے مختلف صوبوں کی منتخب کردہ آئین ساز اسمبلی بیٹھ گئی تو پھر انگریز کو ہندوستان کے وفاق اور وحدت کو تسلیم کرنا ہوگا۔ دیول یہ ماننے کو کب تیار تھا۔ اس نے تو اپنی جانب سے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر کانگریس آئین ساز اسمبلی کے اجلاس بلائے پر مصر رہی تو پھر دیول کو کانگریس کے تعاون کی بھی ضرورت نہیں:

The viceroy who was being pressed by the Congress to call the Constituent Assembly felt he would rather lose their cooperation than go ahead with Constitution making on a one

party basis (P 169) Hodson. The great Divide)

ترجمہ۔ ”وائسرائے جس پر کانگریس آئین ساز اسمبلی بلانے کے لئے دباؤ ڈال رہی تھی ایک پارٹی کی بنیاد پر آئین سازی پر تیار ہونے کی بجائے ناکا (کانگریس) تعاون گمراہی پر تیار تھا۔“ (صفحہ 169 بڈسن)

انہیں رخصت کر دیا جائے گا۔ سے مسم لیک یا مسلمانوں سے سرکار نہ تھا۔ وہ تو برطانیہ اور تاج برطانیہ کا مفاد تقسیم ہند میں دیکھ رہا تھا اور اپنے اسی پلان پر اڑا ہوا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ ہندوستان میں ایک سیاسی بحران پیدا کرے جو ایک آئینی تعطل کی شکل اختیار کرے تاکہ پھر حکومت برطانیہ مجبوراً ویول سے کہے کہ اپنے Break Down Plan پر عمل درآمد کرے۔ ویول اپنی ڈائری میں لکھتا ہے کہ جس سب کمیٹی کو اس منصوبہ پر غور کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس نے یہ منصوبہ خود برطانوی حکومت کو بھیج دیا کہ اگر کانگریز اس بات پر مجبور ہو جائے کہ وہ ہندوستان میں نہیں رہ سکتا تو پھر وہ واپس اپنے ملک سے آکر مسلمانوں کے صوبوں میں چلے جائیں گے۔

(Wavells) Proposal greatly perturbed them & they concluded that they could not justify to parliament so drastic a policy & that on this ground alone his plan was impossible. They said that if withdrawal from India become unavoidable, then withdrawal should take place from India as a whole. (P 345)

(Wavell, The Viceroy's Journal, P.345)

ترجمہ۔ ”(ویول) کی تجاویز نے انہیں خاصی تشویش میں مبتلا کر دیا انہوں نے ہاتھ ڈالے کیا کہ اتنی جہانگاہی پالیسی کا وہ پارلیمنٹ میں جواز نہیں پیش کر سکیں گے اور فقط اس بنیاد پر ہی اس کی چٹان ناممکن تھی۔ انہوں نے کہا کہ اگر بڑیا سے لکھنا ضروری ہو گیا تو پھر سارے انڈیا سے ہی لکھنا ہوگا“ (صفحہ 345 ویول)

لیکن ویول کو کب چین تھا۔ اس نے دونوں طرف کوششیں جاری رکھیں کہ ایک تو جیسے بھی ہو مسلم لیگ کو مجبوری حکومت میں شامل کرے۔ تاکہ کانگریس کا راستہ روک سکے اور دوسرے یہ کہ حتی الوسع کوشش کرے کہ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی بلائی جائے۔ ویول کی یہ دونوں کوششیں ایسی تھیں جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ کینٹ مشن پلان نے جو کچھ دیا تھا۔ وہ ہندوستان کے لوگوں کو نہ دے۔ لندن حکومت سب کچھ کبھی رہی۔ لیکن ویول سنی ان سنی کرتا رہا۔

اگر ایک طرف مارڈ ویولنگ وپریشان تھا کہ کہیں مسلم لیگ اس کے ہاتھوں سے نکل نہ جائے۔ تو دوسری طرف مسلم لیگ کے لئے بھی مشکل تھی۔ اس کے تمام رہنما مراعات یافتہ اور القابات اور خطابات سے لودزے ہوئے جاگیردار اور سرمایہ دار تھے۔ اور یہ ایک ایسی جماعت تھی کہ جس کے ممبرن کے پیش نظر ذاتی اغراض تھے اسی لئے انگریز کادایاں باز رہنے رہے اور اس کی ہر طرح خیریت انجام دیتے رہے اور وہ بھی انہیں جاگیروں اور خطابات سے نوازتا رہا۔ اس قسم کے لوگوں کا نہ دین ہوتا ہے اور نہ ایمان۔ یہ اقتدار کے تابعدار ہوتے ہیں۔ اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر یہ لوگ انگریز اور مسلم لیگ سے پیوست ہو گئے اور دھر اختیار و اقتدار بھی کانگریس کے ہاتھ میں ہوا تو ان لوگوں کا تو ایک ہی فیصلہ ہے کہ جس سے کام بنے وہی سرکاری مسلم لیگ کے ممبر کانگریس کے وزارتوں پر چاہیں گے۔

جب ویول نے مسلم لیگ سے دوبارہ بات چیت کرنے کے لئے جناح صاحب کو بلایا تو ویول لکھتا ہے کہ جناح صاحب کا پہلا زور نوٹ چکا تھا اور میری توقع سے بڑھ کر بات کرنے پر آمادہ تھا

Jinnah was less aggressive and aggrieved than I had expected

and easier to talk to (P.351) Wavell. The Viceroy's Journal

ترجمہ:- "جناح میرے اندازے سے کم ٹڑکا درناراض تھا اور اس نے گفتگو کرنا زیادہ

آسان تھا۔" (صفحہ 351 ویول)

یہ بات اب کہ عجیب اس لئے تھی کہ جب کانگریس وزارتیں قبول کر رہی تھی تو وائسرائے کے ساتھ یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ وزارت کے معاملے میں بے جا مداخلت نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ جب ویول نے برطانوی حکومت کو سختی سے کہا کہ کیلے کانگریس کو حکومت نہیں سونپنا چاہئے تو سیکرٹری آف ٹیٹ نے اسے لکھا کہ چونکہ مسلم لیگ نے 16 مئی کی تجاویز کو قبول کرنے کا ہن فیصلہ واپس لے لیا ہے۔ اس وجہ سے اب وہ وزارت میں نہیں آسکتے اور وائسرائے کو بھی ہدایت دی کہ اگر جناح صاحب سے بات کرنی ضروری ہے تو چاہئے کہ یہ بات عبوری حکومت کے سربراہ نہرو کرے۔ لیکن ویول کب سنتا اور مانتا تھا۔ بعد میں نہرو نے یہ مسئلہ برطانوی کابینہ کے سامنے اٹھایا کہ ویول نے مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شمولیت کی دعوت اس کے مشورے سے تو کیا اطلاع کے بغیر دی:

(Nehru) complained that the approach to the Muslim League to,

join the interim Govt, had been made over his head.

(p. 390) Wavell.

ترجمہ:- "(نہرو) نے شکایت کی کہ عبوری حکومت میں شمولیت کے لئے مسلم لیگ سے

بات چیت اس سے باہر ہوا کی گئی۔“ (صفحہ 390۔ دیول)

خیر، دیول کی ملاقاتوں اور گفت و شنید کے نتیجے میں فیصلہ ہوا کہ مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل ہو جائے گی اور اپنا جو فیصلہ مشن منصوبے کو نامنظور کرنے کا کیا تھا، وہ واپس لے لے گی، اور مشن کا دورہ 16 مئی کا ہندوستان کی وحدت اور وفاق کا فیصلہ پھر سے منظور کر لے گی۔

یعنی مرکزی عبوری حکومت میں وزارتوں کو قبول کرنے کی خاطر مسلم لیگ نے اپنا تھوکا پھر چاٹا۔ پاکستان کا مطالبہ پھر سے رہ گیا اور ایک متحدہ ہندوستان کی وفاقی حکومت میں بیٹھ گئے اور ایک دوسرا سالہا ساں سے چلتا ہوا جھگڑا ہو گیا کہ وہ مصر تھے کہ مرکزی حکومت میں مسلم لیگ کے سوا کوئی دوسرا مسلمان نہ ہوگا۔ بہت بے تکلفی سے ختم کر دیا اور یہ دھوکا بھی چھوڑ دیا۔

بیرسٹر آصف علی بدستور مرکزی کابینہ میں کانگریس کی طرف سے وزیر رہے۔ البتہ مسلم لیگ نے ایک اور بے اصولی دکھائی کہ اپنے پانچ وزیروں میں ایک ہندو وزیر کو نمائندگی دی جس کا نام جوگندر ناتھ منڈل تھا۔ جو بریجن تھا۔ یعنی اچھوت۔ جو ایک مسلمان وزیر کی جگہ مسلم لیگ کی نمائندگی کرے گا۔

چنانچہ 15 ستمبر 1946ء کو مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل ہو گئی۔ نہرو وزارت کے تین ممبروں سرت چندر بوس، شفا عت احمد خان اور سید علی ظہیر نے استعفیے دے دیے اور نوابزادہ لیت علی خان، مسٹر آئی آئی چندر بیکر، راجہ حفصہ علی اور سردار عبدالرب نشتر وزیر مقرر ہوئے۔

وائسرائے دیول ایسے کھل کر مسلم لیگ کی حکومت میں شامل کرے کے درپے تھے کہ ان سے وہ شرط بھی پورا نہ کروائی کہ وہ اپنا جولائی کا کیا ہوا فیصلہ واپس لے لیں گے اور 16 مئی کے متحدہ ہندوستان کا فیصلہ قبول کر لیں گے۔ وائسرائے نے ان کو حکومت میں شمولیت اسی شرط پر دی تھی کہ پہلے اپنا وہ فیصلہ واپس لیں۔

دیول نے جواہر لال نہرو کو کہا

Jinnah had under taken, in reply to call a meeting of the Muslim League Council & to reverse its decision against the statement of May 16th---

The working committee meeting was not summoned until more than three months late, & then declined to call the League council to reconsider the decision of July, 46 (P 174) Hodson- The great Divide)

ترجمہ۔ ”جواہر لال نہرو نے فرمایا کہ وہ مسلم لیگ کونسل کی میٹنگ بلائے گا اور وہ 16 مئی کے

بیان پر اپنے فیصلے کو تبدیل کریں گے۔

ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ کہیں عین ۱۰ کے بھی بعد بلائی گئی اور پھر جولائی کے فیصلے پر دوبارہ غور

کرنے کے لئے کونسل بلائے سے انکار کر دی۔“ (صفحہ نمبر 74 بڑن)

ویول نے جواہر لال نہرو کو یہ تسلی دی تھی کہ مسلم لیگ اپنی ورکنگ کمیٹی بد کر ان سے یہ فیصلہ کروائے گی۔ ایک تو دائرے نے اس بات سے بھی آنکھیں بند کر لیں اور دوسری اہم بات یہ تھی کہ مسلم لیگ ابھی تک ”راست اقدام“ کی تحریک میں ابھی ہوئی تھی اور دوسری طرف ملک کی مرکزی حکومت میں شامل ہو گئی۔ دائرے نے یہ بھی مناسب نہ جانا کہ مسلم لیگ سے کہے۔ اب جبکہ تم ہندوستان کی حکومت میں شامل ہو گئے ہو تو اپنے یہ ”راست اقدام“ کی تجویز واپس لے لو۔ کیونکہ یہ تو اپنی ہی حکومت کے خلاف ”راست اقدام“ ہے۔

کانگریس کے آئین ساز اسمبلی کے بلانے کے سلسلے پر جناح صاحب نے فوراً بیان دیا کہ اس منتخب آئین ساز اسمبلی کو ابھی نہ بلایا جائے تاکہ یہ عبوری حکومت ذرا دم لے لے۔ دیوں صاحب بھی کچھ وقت چاہتے تھے اور خوش تھے کہ اب براہ راست کانگریس کا سامنا نہیں ہوگا بلکہ اپنی بندوق جناح صاحب کے کندھے پر رکھ کر وار کرے گا۔ ظاہر یہ ہوتا تھا کہ انگریز اور مسلم لیگ کا مفاد مشترک تھا اور اسی لئے ایک ہی موڑ سے وار کر رہے تھے۔

انتہائی دل دکھانے والی بات یہ تھی کہ ادھر تو کانگریس اور مسلم لیگ وزارتوں کی تقسیم میں لگے رہے اور ادھر ہندوستان ”راست اقدام“ سے لگائی ہوئی آگ کے شعلوں میں جل رہا تھا۔ چھوٹے موٹے فسادات تو ہوتے رہے لیکن اکتوبر میں بنگال کے مشرقی حصے میں نواکھلی میں جو ہندو مسلم فساد ہوا۔ اس میں ہزاروں بے گناہ لوگ مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ کلکتے اور نواکھلی کے قصبے پھیل گئے۔ اگر نواکھلی میں ہندو گھرے تھے تو ساتھ ہی صوبہ بہار میں مسلمان مرد، عورتوں اور بچوں کا قتل عام ہوا۔ یہ فساد لوہبر کے مہینے میں ہوا اور ایسی تباہی مچی کہ سننے سے انسان کا جگر خون ہو جاتا تھا۔ تمام ہندوستان فرقہ وارانہ تعصب،

”یہ بڑی عجیب بات ہے کہ کانگریس کے رہنما تو فساد زدہ علاقوں کا دورہ کر رہے تھے۔ باچا خان خود اس وقت بہار اور بنگال کے مسلمانوں کی مدد کے لئے پہنچے گئے تھے اور ان کی بھرپور مدد کی تھی جس کی تفصیل ان کی سوانح زادہ وندناؤ جدوجہد میں دیکھی جاسکتی ہے لیکن ان تمام فسادات کے دوران باہائے قوم محمد علی جناح کسی بھی فساد زدہ علاقے یا ہسپتال یا مہاجر کیمپ میں مسلمانان ہند کی عافیت پوچھنے یا ان کو تسلی دینے نہیں گئے ان فسادات کے بعد گاندھی جی نے جینے کی خواہش ہی ترک کر دی تھی مگر جناح صاحب چند ماہ تک افراد کے قتل عام کے بارے میں شہادت اعداد میں جلساں جاکر ملک اٹھوانے لگے تھے۔

نفرت، حقارت اور دشمنی کی آگ میں جھلس گیا۔ انگریزوں نے تو خوش ہونا ہی تھا۔ لیکن ویول کا اپنا اندازہ یہ تھا کہ جتنی اس فرقوں کے درمیان دشمنی سخت ہوتی جائے گی اتنی ہی ہندوستان کو انگریز کی ضرورت پڑے گی اور تب جا کر ویول کا منصوبہ کارگر ہو گا کہ انگریز اپنا سامان سمیٹ کر مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں یعنی پاکستان کو منتقل ہو جائے۔ دوسری طرف مسلم لیگ بھی اس بات کو ثابت کرنا ضروری سمجھتی تھی کہ ہندو اور مسلمان کا ب ایک ہی گھر میں رہنا مشکل ہو رہا ہے اور علاج صرف یہی ہے کہ ہندوستان تقسیم ہو جائے۔

کانگریس اپنی جانب سے یہ کوشش کر رہی تھی کہ 16 مئی کے منصوبے کے سلسلے میں اگر کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین کچھ اختلافات ہیں تو چاہئے کہ یہ گمراہوں اور صوبوں کے حقوق کا فیصلہ فیڈرل کورٹ کے حوالے کیا جائے لیکن جناح صاحب نے یہ تجویز بھی نامنظور کر دی۔ تو مطلب واضح تھا کہ جناح صاحب سوائے اپنی بات کے کسی اور کی نہیں مانتے تھے اور وائسرائے ہند اس میں ڈٹ کر ساتھ دے رہا تھا۔ جیسے ویول خود لکھتا ہے۔

They (The Congress) were apparently prepared to agree, that the question of whether the sections make the constitution for the provinces or provinces make their own, should be referred to the Federal Court, but this Jinnah would not accept.

ترجمہ:- ”وہ (کانگریس) بظاہر اس پر تیار تھی کہ یہ سوال کہ صوبوں کے لئے آئین بنائیں یا صوبے اپنا آئین خود بنائیں۔ یہ فیڈرل کورٹ کو بھیج دینا چاہئے۔ مگر جناح کو یہ قبول نہ تھا۔“ (صفحہ 371 ویول)

ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات آہستہ آہستہ پھیل رہے تھے تو مرکزی حکومت اور کانگریس کو تشویش لاحق ہوئی۔ نہرو نے ویول کو سختی سے کہا کہ ادھر پورے ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ لگی ہوئی ہے اور یہ آگ اسی طرح پھیلتی جا رہی ہے اور دوسری طرف مسلم لیگ عبوری حکومت میں بیٹھ کر مساوی نمائندگی کی دعویدار ہے اور اپنی حکومت کے خلاف ”راست اقدام“ کی سیاست چلا رہی ہے۔ نہرو نے ویول کو آخری بار کہا کہ یہ تو مسلم لیگ کو مجبور کرے کہ وہ 16 مئی کے پلان کی منظوری دے دے اور آئین ساز اسمبلی میں آجائے اور اگر ایسا نہیں کرتے تو پھر مسلم لیگ کو مجبور کرے کہ حکومت سے نکل جائے اور اگر تم یہ نہیں کرتے تو پھر کانگریس مجبور ہوگی کہ وہ استعفیٰ دے دے اور پورا ہندوستان ویول اور جناح صاحب کے حوالے کر دے اور ساتھ میں یہ بھی مطالبہ کیا کہ وائسرائے ہندوستان کی منتخب آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلائے۔

ویول کے لئے اب دوسرا راستہ نہیں تھا۔ 20 نومبر 1946ء کو ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا

اجلاس 9 دسمبر 1946ء کو بلا لیا۔ جناح صاحب نے فوراً اعلان کر دیا کہ مسلم لیگ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہیں کرے گی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مسلم لیگ ایک بار پھر کیبنٹ مشن کا منصوبہ نہیں مانتی۔ تو دیول کے لئے مشکل ہوگئی کیونکہ اس اعلان کے بعد مسلم لیگ کسی صورت بھی حکومت میں نہیں رہ سکتی تھی اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ دیول اس بات سے بھی ناراض نہیں ہوا کہ جناح صاحب نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ عبوری حکومت میں جب شامل ہوں گے تو اپنا کیا ہوا فیصلہ واپس لے لیں گے۔

مگر دیول اپنی بات پر مصر تھا کہ اس نے ملک کے حالات کی ایک مکمل رپورٹ برطانیہ بھیجی یہ کہہ کہ اگر کانگریس کی بات مان لی گئی تو ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور تو اور ہندوستان کی فوج بھی دو حصوں میں بٹ جائے گی اور چاروں طرف افراتفری پھیل جائے گی۔

If he (Jinnah agreed, they (H W. Govt.) surrendered to the Congress point of view the result would be something approaching civil war, threaten the breakup of India Army an chaos through out India. (P 176) The great Divide)

ترجمہ۔ ”اگر اس نے (دیول) اتفاق کیا اور انہوں نے (برٹش کی حکومت) نے کانگریس کے نقطہ نظر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تو نتیجہ خانہ جنگی کی ہی صورت ہوگی۔ انڈین آرمی کی نوٹ کا خطرہ ہوگا اور سارے انڈیا میں افراتفری پھیل جائے گی۔“

دائیں رائے نے یہ تجویز پیش کی کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے دو دو نمائندے جا کر حکومت برطانیہ سے براہ راست ان معاملات پر فیصلے کرائیں۔

جناح صاحب اور نوابزادہ لیاقت علی خان دونوں نے یہ دعوت قبول کی۔ لیکن کانگریس نے انکار کیا اور کہا کہ یہ ایسے ہی وقت ضائع کرنا ہے۔ انگریز مسئلے کا حل نہیں چاہتا بلکہ ایک فریق کی خوشی کے لئے ملک کے مستقبل سے کھیل رہا ہے جب برطانیہ کے وزیر اعظم کو اس بات کا علم ہوا کہ نہرو نے آنے سے انکار کر دیا ہے۔ تو وزیر اعظم نے ذاتی طور پر درخواست کی جس پر نہرو صاحب جانے کے لئے رضا مند ہوئے لیکن کانگریس کا دوسرا ممبر سردار پٹیل پھر بھی نہیں گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دیول کہتا ہے کہ جناح صاحب کو جب علم ہوا کہ جواہر لال نہرو سے انکار کیا تھا لیکن وزیر اعظم برطانیہ کی ذاتی درخواست پر جا رہے ہیں تو جناح صاحب بھی آخری وقت میں اپنی قبول شدہ دعوت سے انکار کر کے کہنے لگے کہ مجھے بھی وزیر اعظم خود بلائے۔

Perhaps he (Jinnah) thought that as Nehru has had a personal

appeal from the P M it behaved his dignity to have one too. (P 385) Wavell.

ترجمہ۔ "شاید اس (جناب) نے سوچا ہو کہ نہرو کو کیونکہ وزیراعظم نے ذاتی اپیل کی ہے اس کی عظیم حیثیت بھی اسی اپیل کا تقاضا رکھتی ہے۔" (صفحہ نمبر 385۔ دیو)

ظاہر ہے ویول نے یہ تمام کھیل اس لئے کھیدا تھا کہ مسلم لیگ عبوری حکومت سے نہ نکلے۔ اگرچہ جناب صاحب کے بیان کے بعد مسلم لیگ کے نئے وزارت میں اس کا کوئی جواز نہ تھا لیکن ویول تو یہ سب کچھ اپنے مفاد کی خاطر کر رہا تھا۔ وہ تو اپنی پرانی بات منٹھی میں دبائے بیٹھا تھا۔ جب یہ دسراے مقرر ہوا اور سابق وزیراعظم چرچل سے ملنے گیا اور جب اس سے رخصت ہونے کی اجازت سے رہا تھا تو چرچل نے آخری نصیحت یہ کی تھی کہ Keep a bit of India دیو کے کالوں میں یہ آوازاں تک کون رہی تھی اور شاید اسی کی روشنی میں اپنا Break Down کا منصوبہ تیار کیا تھا۔

پارٹی لیڈر بعد ویول کے 3 سبرکولمنٹ پیچھے۔ ویول نے فوراً اپنا ایک مفصل نوٹ کا بیڈ کو پیش کیا۔ تمام مسئلوں پر روشنی ڈالنے کے بعد دسراے نے یہ نتیجہ نکالا کہ کانگریس کے ساتھ مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور بات آخر کار محاذ آرائی پر ختم ہوگی اور اس کے مقابلے کے لئے وہ کوئی راستہ نہیں، سوائے اس کے کہ ویول کے Break Down Plan کے منصوبے پر عملدرآمد ہو۔ کانگریس کے اکثریتی صوبوں کو آراوی دے دی جائے اور انگریز جمع فوج نوکر شاہی اور بال بچوں کے مسدودوں کے اکثریتی صوبوں میں چلے جائیں:

They (Congress) are ready yet for an open breach with H.M.G.

such a breach is however a possibility & we can only, face it if

we have a definite policy and a break down plan (p 388)

(Wavell, The Viceroy's Journal-P.371).

ترجمہ۔ "وہ (کانگریس) بزیمجیٹی کی حکومت سے کھلا اختلاف کرنے کے لئے بھی تیار نہیں مگر ایسے اختلاف کا امکان موجود ہے اور ہم اس کا مقابلہ صرف اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک یقینی پالیسی اور بریک ڈاؤن پلان ہو۔"

(صفحہ 386 ویول)

ویول کے روپے سے یہ بات واضح تھی کہ مسلم لیگ اور کانگریس کے ان لیڈروں کو یہاں تک اس لئے لایا تھا کہ پہلے برطانوی حکومت سے اپنا یہ منصوبہ منوالے اور پھر یہ منصوبہ ان لیڈروں کو سنایا جائے تاکہ

یہاں لندن میں آمنے سامنے بحث ہو جائے۔ ویول کو یہ بات آسان نظر آرہی تھی۔ کیونکہ وہ تو انگریزوں کے لئے ایک حصہ ہندوستان کا بچا کر رکھنا چاہتا تھا اور وہ حصہ جو ایک طرف روس کی سرحدات کو روک سکے اور دوسری طرف چین کی طرف کی سرحدات کو قابو کر سکے۔ اس طرح آزاد ہندوستان پر بھی کنٹرول رکھا جاسکے گا۔ مسلم لیگ اس بات پر راضی تھی تو پھر تو سرے سے مسئلہ ہی حل ہو چکا تھا۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے مابین تو ان حالات میں صلح اور مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اجلاس ناکام ہوا۔ لیڈرواپس ہو گئے۔ ویول نے اپنے منصوبے کی وضاحت کے سلسلے میں رکسنے کی کوشش کی۔ لیکن حکومت برطانیہ نے اسے واپس بھیج دیا۔ ویول نے اپنے سیکرٹری جارج ایل کو پیچھے چھوڑا تا کہ وہ حکومت کے ساتھ اس کے منصوبے کے مطابق تفصیلی بات کرے اور ویول کو باخبر رکھے۔ آخر سیکرٹری نے اطلاع دی کہ حکومت برطانیہ نے یہ منصوبہ قطعی طور پر نامنظور کر دیا ہے تب جا کر ویول کو قرار آیا۔

George Abell telegraphed to say that the cabinet at home has gone back completely and refuses to have any thing to go with the "Break Down Plan", so he is returning at once. Jan, 8th 47 (P.408) Wavell. The Viceroy's Journal).

ترجمہ۔ "جارج ایل نے تار کے ذریعے اطلاع بھیجی کہ ہوم کابینہ نے رائے بالکل بدل لی ہے اور "بریک ڈاؤن پلان" سے بالکل لاتعلقی کا اظہار کر دیا ہے لہذا وہ فوری طور پر واپس آرہا ہے۔"

(8 جنوری 47ء صفحہ 408 ویول)

ان مذاکرات کے نتیجے میں حکومت برطانیہ نے گروپوں کی کارگزاری کے سلسلہ میں مسلم لیگ کا نقطہ نظر منظور کر لیا۔ صوبوں کی انفرادی حیثیت ختم کر دی۔ وضاحت کی گئی کہ گروپ اپنے فیصلے اجتماعی طور پر کریں گے۔ قصہ مختصر کہ گروپ بی کا اختیار پنجاب کو دے دیا اور سندھ اور سرحد اس کے طغی بن گئے۔ اسی طرح مشرق میں اختیار بنگال کے حوالے ہوا اور آسام ایک غیر موثر حصہ دار ہوا۔

پروگرام کے مطابق 9 دسمبر کو ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ مسلم لیگ شامل نہیں ہوئی۔ اس اسمبلی نے اپنی ایک قرارداد مقاصد پاس کی جس میں رہنما اصول بیان کئے اور صوبوں اور ریاستوں کے متعلق اپنی پالیسی واضح کر دی۔ تین مرکزی محکموں کے علاوہ تمام اختیارات صوبوں کو دے دیئے گئے۔ پھر مختلف شعبوں کے لئے کمیشن بنائیں اور اس میں مسلم لیگ کے ممبروں کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی۔

5 جنوری 1947ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ اس نے حکومت برطانیہ کا یہ اعلان قبول کر لیا جس میں اختیارات صوبوں کی بجائے گروپوں کو منتقل کر دیئے تھے۔ اب مسلم لیگ کو ایک اور مشکل پیش آئی کہ وہ صوبوں کے خلاف گروپوں کا بہانہ بھی نہ رہا۔ مسلم لیگ نے اپنی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس 29 جنوری 1947ء کو کراچی میں بلایا۔ بہت طویل شکایات و شبہات بیان ہوئے اور اس کے بعد فیصلہ سنایا گیا کہ چونکہ کانگریس نے کیبنٹ مشن پلان دل سے تسلیم نہیں کیا، اس لئے مسلم لیگ بھی اس کو ماننے پر تیار نہیں اور چونکہ مشن کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا ہے اس لئے اس کے تحت ہونے والی تمام کارروائی ختم کی جائے اور ہندوستان کی منتخب آئین ساز اسمبلی کو توڑ دیا جائے۔

عجیب تماشا تو یہ تھا کہ مسلم لیگ نے 16 مئی کے کیبنٹ مشن منصوبے کو ماننے اور قومی آئین ساز اسمبلی میں بیٹھنے سے انکار کر دیا بلکہ مطالبہ کیا کہ یہ اسمبلی بھی توڑ دی جائے اور یہ مطالبہ بھی کیا کہ اس منصوبے کے تحت کی گئی تمام کارگزاری کو ختم کیا جائے لیکن اسی منصوبے کے تحت عبوری حکومت میں بے شرمی سے شرکت بھی کئے ہوئے تھے اور وائسرائے دیول ان تضادات پر آنکھیں بند کئے ہوئے تھا۔

لارڈ ویل کی برطرفی

اور

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقرری

مسلم لیگ کے اس اعلان کے بعد کانگریس نے سختی سے یہ مطالبہ کیا کہ یا تو وائسرائے مسلم لیگ کے ان وزراء کے استعفیے طلب کرے ورنہ کانگریس اس بات پر مجبور ہے کہ وہ پورے مسئلے کا از سر نو جائزہ لے۔ برطانوی حکومت کو جب ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے ویل کو مشورے کے لئے لندن بلایا۔ لیکن ویل کو کب فرصت تھی۔ وہ اپنی ہانڈی چڑھا چکا تھا۔ اس نے سنی ان سنی کر دی۔ آخر کار 4 فروری 1947ء کو ایک خاص ایجنسی کے ذریعے ویل کو وزیراعظم برطانیہ کا خد مل۔ اسے برطرف کر دیا گیا تھا اور اس کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا نیا وائسرائے مقرر کیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت برطانیہ نے اپنا تاریخی اعلان کر دیا کہ حکومت نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جون 1947ء تک اقتدار ہندوستان کے حوالے کر دیا جائے گا اور اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے آزاد کر لے گی۔

ہندوستان کے مستقبل کے متعلق دوسرا نکتہ یہ تھا کہ اگر ہندوستان کی یہ موجودہ منتخب آئین ساز اسمبلی ایک غیر منقسم ہندوستان کے لئے قبول ہو تو بہتر ہے کہ کانگریز اختیارات اسی اسمبلی کے سپرد کر دے گا۔ لیکن اگر ہندوستانی ایک آئین ساز اسمبلی اور ایک آئین پر متفق نہ ہوں تو پھر حکومت غور کرے گی کہ اختیارات کن کو اور کیسے حوالے کرے۔ کہ آیا یہ اختیارات برطانوی ہندوستان میں ایک حکومت کے حوالے ہوں یا موجودہ صوبائی حکومتوں کے حوالے اور یا دوسرا کوئی اور معقول طریقہ نکالے جو ہندوستان کے باشندوں کو قبول ہو اور ان کے مفاد میں ہو۔

His Majesty's Govt. will have to consider to whom the power of the central Govt. in British India should be handed over on the due date whether as a whole to some form of Central Govt.

or in some areas to the existin provincial Govt's. or in such other way as may seem most reasonable and in the best interest of the Indian people.

ترجمہ:- ”ہنرمجشی کی حکومت کو غور کرنا ہوگا کہ برطانوی ہند میں تاریخ مقررہ کو مرکزی حکومت کس کے ہاتھ میں دینا ہوگی۔ مرکزی حکومت کی کسی شکل کو مکمل طور پر دین یا پھر کچھ علاقوں میں موجود صوبائی حکومتوں کی یا کوئی اور محقوں انتظام جو ہند کے عوام کے بہترین مفاد میں ہو۔“

متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت کی شرط کا تو شاید مسلم لیگ کو پہلے سے علم تھا اور اسی لئے تو اس نے متحدہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر مسلم لیگ حقیقت میں ہندوستان تقسیم کرنا چاہتی ہے تو آئین ساز اسمبلی میں شرکت کرے۔ بس پاکستان بن گیا۔ یہ فیصلہ تو بہت آسانی سے بغیر کسی مشکل کے ہو گیا۔ اب رہا دوسرا قدم کہ ہندوستان تو تقسیم ہو جائے گا لیکن اقتدار کسے سونپا جائے گا۔ اس کے لئے بھی انگریز راستہ اور طریقہ سکھ چکا تھا کہ اختیارات صوبوں کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ یہ مسلم لیگ کو ایک واضح اشارہ تھا کہ تم جس جس صوبے میں پاکستان بنانا چاہتے ہو تو وہاں حکومت اور اختیار پر قبضہ کر لو۔ انگریز نے اپنا فیصلہ مسلم لیگ کو سنار دیا کہ اگر پاکستان بنانے پر مصر ہو تو پنجاب میں یونیسٹ حکومت توڑ دو۔ اختیار اور حکومت اپنا لو اور صوبہ سرحد میں خود کار حکومت توڑ دو۔ حکومت برطانیہ نے یہ اعلان 20 فروری 1947ء کو کیا۔

اس کے بعد مسلم لیگ اور اس کے اہل دروں کی تمام تر توجہ ان دو صوبوں پر مرکوز ہو گئی کہ جیسے بھی ہو ان دونوں صوبوں میں حکومت کو اپنا لے۔ مسلم لیگ تو پنجاب اور سرحد دونوں میں انتخابات ہار چکی تھی۔ اس وجہ سے قانونی اور جمہوری حق تو نہیں بننا تھا۔ جس سے حکومت اپنا سکے۔ جب انتخابات سے نہ ہو سکا تو اب مسلم لیگ نے غیر قانونی اور غیر جمہوری طریقوں کی تلاش شروع کر کی۔ پنجاب کا قند اتنا مشکل نہ تھا کیونکہ اگر وہاں ہندو اور مسلم کے نام پر فساد ہو اور سکھ اور ہندو مجبوروں کو بھگا دیا جائے تو اس مسئلہ کا مسلم لیگ کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔ لیکن مشکل تو صوبہ سرحد کی آن پڑی تھی کیونکہ اگر وہاں کے تمام غیر مسلم بھگا بھی ”جہ دکانی ہار مولہ ہند میں کشمیر میں قبائلی پٹانوں کے درپے اسی طریقے سے کامیابی سے استعمال کر دیا گیا، قبائلی پٹانوں کے علاقے کو سر زمین ہے آئیں رکنا اور اسے ہانڈے شمشیر زن کہنا دراصل وہاے قوم کے اسی منصوبے کی غرضی کرتی ہے جس کی رو سے دو سوویت روس کے لئے اسی جمال الدین افغان کے پان اسلام حرم کے موید تھے۔

دیے جائیں تو مسلم ممبروں میں بھی اکثریت خدائی خدمتگاروں کو حاصل تھی۔ ویول جس منصوبے کی تیاری مرکز میں کر رہا تھا اور انگریز افسران کو اس بات پر قائم کر رہا تھا کہ Break Down Plan کے سوا کامیابی کا دوسرا سہہ نہیں اور صوبہ سرحد کا موجودہ گورنر سرف کیر و سی دوران دلی میں مرکزی حکومت کا خادجہ سیکرٹری تھا اور حکومت ہند کے خادجہ سیکرٹری کا ایک اور صرف ایک کام ہوا کرتا تھا کہ وہ ہندوستان کے شمال مغربی سرحد کے اس طرف افغانستان کی سرحدات پر نظر رکھے کیونکہ انگریز کے کہنے کے مطابق تو ہندوستان کو صرف اور صرف ایک جانب سے خطرہ ہو سکتا تھا اور وہ تھا "روس"۔

روس کے متعلق انگریز کی پالیسی بالکل واضح تھی کہ جیسے بھی ہو روس کو آمودریا کے اس پار اس کے جغرافیائی اور نظریاتی سرحدات کے اندر رکھا جائے اور چونکہ حال ہی میں روس جرمنی کے خلاف جنگ میں زک اٹھا چکا تھا۔ انگریز کو اس کی طرف سے حمے کا خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ پوری توجہ نظریاتی سرحد پر تھی اور چونکہ روس کے نظریاتی انقلاب کے مقابلے کے لئے انگریز اسلام کا نام استعمال کرتا تھا۔ وہاں مشکل پیش آئی کیونکہ افغانستان کے ذریعہ روس کی سرحد پر تو ہندوستان کا بھی صوبہ تھا۔ یہاں جنگی اہمیت کے درے واقع تھے اور جب تک اس صوبے پر انگریز کا مکمل قبضہ نہ ہو۔ تو یہ پالیسی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اسی طرح ویول بھی اپنے منصوبے کو مکمل نہیں کر سکتا تھا۔ جب تک مسلمانوں کا سب سے اہم صوبہ جو اتنے حساس منطقے میں واقع تھا مکمل طور پر انگریز کے زیر اثر نہ ہو۔ انتخابات میں بہت زور لگایا گیا لیکن پھر بھی اس صوبے پر انگریز قبضہ نہ کر سکا۔ ایک دوسری بنیادی مشکل مسم لیگ اور انگریز کو اس صوبے میں یہ تھی کہ یہاں خدائی خدمتگار تحریک کی بدولت لوگوں میں اتنی سیاسی بیداری آگئی تھی کہ انگریز کے خطاب یافتہ سروں اور لوہوں کو دو سیاسی میدان سے بھاگ چکے تھے اور حقیقت میں نادار، غریب، بے بس اور بے کس لوگوں کا اثر و رسوخ تحریک کی وجہ سے پھیل چکا تھا۔

لیکن یہ صوبہ مسلم لیگ کے حوالے کرنا بھی ضروری تھا۔ جیسے پہلے ذکر آچکا ہے کہ اس صوبے میں مسلم لیگ نے کافی زور لگایا۔ الیکشن سے کام نہ ہوا۔ فرقہ وارانہ فسادات کرائے لیکن جناح صاحب کا خیال تھا کہ کام بننے کا نہیں۔ تو اس نے ایک اور ہی خطرناک منصوبہ بنا ڈالا جس کی تفصیل سکندر مرزا نے اپنی سوانح حیات میں لکھی ہے۔ سکندر حیات کا تبادلہ صوبہ سرحد میں ہو چکا تھا۔ ان دنوں وہ دلی میں مرکزی حکومت کے محکمہ دفاع کا جوائنٹ سیکرٹری تھا۔ لگتا ہے کہ فروری 1947ء کو جناح صاحب نے مجھے ٹیلیفون کیا کہ میں ان سے ملوں۔ لگتا ہے کہ قائد اعظم نے شروع یہاں سے کیا کہ مجھ سے پوچھا کہ تم مجھے ہندوستان کے مسلمانوں کا لیڈر تسلیم کرتے ہو، اور آیا اگر میں تمہیں حکم دوں تو تم اسے بجالاؤ گے۔ سکندر مرد لگتا ہے کہ اس حالت میں میں کیا جواب دیتا۔ سوئے ہاں کے پھر جناح صاحب نے مجھے کہا کہ:

He then went on to say that he was afraid he was not going to get Pakistan unless some serious trouble was created, and the best place to do this was N.W.F. province with the tribes, in his view it was important to demonstrate Muslim anger before the British handed the country over to Congress if Pakistan was not conceded by negotiations we must fight--- he wanted me to resign from service, go into the tribal territory & start a Jihad.

ترجمہ۔ "اس نے مزید کہا کہ اسے ڈر ہے کہ وہ پاکستان سے محروم رہے گا، اگر کچھ سنجیدہ مسئلہ پیدا نہ کیا گیا اور ایسا کرنے کے لئے موزوں ترین جگہ شمال مغربی سرحد کی صوبہ ہے۔ صوبہ جہاں قبائل آباد ہیں اس کی نظر میں یہ اہم تھا کہ مسلم غصے کا اظہار ہو۔ قبل اس کے برطانیہ ملک کو انگریزوں کے حوالے کر دے اگر پاکستان مذاکرات کے ذریعے ملتا تو ہمیں لڑنا ہوتا۔ چاہتا تھا کہ نوکری سے استعفیٰ دے دوں اور قبائلی علاقہ میں جا کر جہاد شروع کروں۔"

یعنی یوں لگتا ہے کہ انگریز مجھے پاکستان نہیں دے رہا۔ جب تک ہم کوئی سخت مشکل پیدا نہ کریں اور اس کے لئے سب سے بہترین جگہ شمال مغربی سرحد اور وہاں کے قبائل ہیں۔ جناح صاحب کے خیال میں یہ نہایت ضروری تھا کہ انگریز کو یہ بتادے کہ مسلمان اس بات پر سخت غصے میں ہیں کہ انگریز اختیارات کو انگریزوں کے حوالے کر رہا ہے۔ جناح صاحب نے آگے چل کر وضاحت کی کہ پاکستان اگر گفت و شنید سے حاصل نہ ہو سکا تو پھر لڑکر حاصل کر لیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سکندر مرزا آگے لکھتا ہے کہ جناح صاحب نے مجھے اس لئے بلایا تھا کہ میں سرکار کی نوکری سے استعفیٰ دے دوں اور قبائلی علاقہ میں جا کر وہاں جہاد شروع کروں۔

یہ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ فروری 1947ء کا مہینہ ہے۔ دیول برطرف ہو چکا ہے اور برطانوی حکومت اعلان کر چکی ہے کہ جون 1947ء تک وہ اختیارات ہندوستانیوں کے حوالے کر دے گی۔ دیول کے جانے سے جناح صاحب کی تشویش بجا تھی کہ اب کیا ہوگا۔ فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے تھے لیکن جناح صاحب اس سے بھی زیادہ خطرناک قدم اٹھانا چاہتے تھے اور وہ قدم بھی صوبہ سرحد کے علاقے میں جناح صاحب نہایت بے باکی سے سکندر مرزا سے کہتا ہے کہ میری یہ اطلاع ہے کہ تم یہ کام کر سکتے ہو اگر تم نے کوشش کی:

He (Jinnah) said according to his information. I could achieve this if I really tried.

ترجمہ:- ”اس (جناح) نے کہا کہ اس کی معلومات کے مطابق میں اگر واقعی کوشش کروں تو ایسا کر سکتا ہوں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسے جناح صاحب اپنا رابطہ سرکاری افسروں سے رکھے ہوئے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ قبائلی علاقوں میں گڑبڑ کیسے پیدا کی جاسکتی ہے اور انگریز کے افسر کیسے جہاد کا انتظام کر سکتے ہیں۔ سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں نے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ اس طرح صوبہ سرحد کے گاؤں پر حملے ہوں گے اور اس میں لوگ بھی مریں گے اور خصوصیت سے ہندو۔ لیکن یہ سب کچھ سوچنے کے بعد بھی میں یہ کام کرنے پر تیار ہو گیا:

This could only take the form of raids on border villages in the settled areas— yet I decided to fall in with Quaid-i-Azam's plan— I have no desire to be branded as a man who was found wanting when the time for action came.

ترجمہ:- ”یہ فقط آباد علاقوں کی سرحد پر واقع گاؤں پر حملوں کی شکل اختیار کر سکتا تھا۔ پھر بھی میں نے قائد اعظم کے منصوبے کو قبول کیا۔ میری کوئی خواہش نہیں کہ عمل کا وقت آنے پر مجھے کمزور پایا جائے۔“

میں نے کہا کہ مسلمانوں کے اس لیڈر کی اگر یہ رائے ہے کہ مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ایک ایسی راہ نکالنی چاہئے تو میں کون ہوتا ہوں اس پر اعتراض کرنے والا ورنہ کل کو اس نام سے یاد کیا جاؤں کہ مطلب اور ضرورت کے وقت میں نے مسلمانوں سے بے وفائی کی۔

سکندر مرزا آگے چل کر کہتا ہے کہ اگر مجھے کافی رقم ہاتھ آئے تو میں وزیرستان، تیراہ اور مہمند علاقے میں کام چلا سکتا ہوں:

With the liberal expenditure of money I would be able to cause some trouble in waziristan, Tirah and Mohmand country I gave my estimate of the sum of money as one crore.

ترجمہ:- ”کھلے پیسے کی موجودگی میں وزیرستان، تیراہ اور مہمند علاقے میں کچھ گڑبڑ کر دیا سکتا تھا۔ میں نے رقم کا اندازہ ایک کروڑ لگایا۔“

سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں نے رقم کا اندازہ تقریباً ایک کروڑ روپے بتایا اور پھر کہا کہ اگر میں اسی طرح دلی سے غائب ہو جاؤں تو اس کے لئے بھی کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈنا پڑے گا۔ سکندر مرزا آگے لکھتا ہے کہ میں معلوم ہو رہا تھا کہ جناح صاحب نے ان دونوں مسئلوں پر پہلے سے غور کر رکھا تھا۔ کہا کہ تم دلی کی نوکری چھوڑ کر ہڑپائی نس خان قلات کی نوکری اپناؤ اور رقم ہڑپائی نس نواب بھوپال دے گا:

Mr. Jinnah had already anticipated these requirements, he had the cover and the money ready, the cover was an appointment with H.H. The Khan of Kalat & the treasure was provided by, H.H. the Nawab of Bhopal.

ترجمہ:- ”جناح نے ان ضروریات کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ اس کے پاس غلہ اور رقم تیار تھی۔ ہڑپائی نس خان آف قلات کے ساتھ طاقت تھی اور خزانہ ہڑپائی نس نواب آف بھوپال نے فراہم کیا۔“

سکندر مرزا کہتا ہے کہ قباؤں نوکری، اور خزانہ تیار مل رہا تھا۔ آگے سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں نواب بھوپال سے ملے گیا۔ اس نے مجھے فوری طور پر خرچ کرنے کے لئے 200000 روپے دے دیے۔ سکندر مرزا کہتا ہے کہ جناح صاحب نے مجھے یہ بھی تسلی دی کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو وہ میرے خاندان کا ضرور خیال رکھے گا۔

سکندر مرزا کہتا ہے کہ میں نے فوراً کام شروع کر دیا۔ چند ایک اپنے معتمد ساتھی ذریہ اسماعیل خان اور پشاور سے بلائے۔ قبائلی علاقے سے بھی اپنے دوستوں کو بلایا۔ کافی بحث مباحثے کے بعد ہم نے ایک منصوبہ بنایا کہ جن لوگوں کو میں بہت قریب سے جانتا تھا ان کے ساتھ مل کر وزیرستان، تیراہ اور مہمند علاقے میں رابطے قائم کر لوں، لیکن مرزا صاحب آگے لکھتے ہیں کہ مئی کے مہینے میں پھر قائد اعظم نے مجھے بلایا اور کہا کہ چونکہ پاکستان ہمیں دیا جا رہا ہے اس لئے تم اپنا وہ منصوبہ چھوڑ دو

But early in mas, the Q.A sent for me again and told me that, as Pakistan would be conceded, the plan would be abandoned.

ترجمہ:- ”مگر اوائل مئی میں قائد اعظم نے مجھے پھر بلا بھیجا اور مجھے بتایا کہ پاکستان پر اتفاق ہو جائیگا۔ لہذا منصوبہ ترک کر دیا جائے۔“

”میں لگتا ہے جیسے وہ پہلے جناح صاحب اپنے کمر فرماؤں سے مسلسل رابطے میں تھے اور وہ ان کو اپنے اندیشوں اور منصوبوں کے متعلق بدلتی صورتحال بتاتے ہوئے لائحہ عمل دے رہے تھے۔“

اس سلسلے میں سکندر مرزا اپنی رائے ظاہر کرتا ہے کہ جناح صاحب ایسا لیڈر تھا کہ وہ ہر ایک کام خود اپنی مرضی سے کرتا تھا۔ کسی اور کی رائے یا مشورہ نہیں ماننا تھا اور ثبوت میں مرزا صاحب کہتا ہے کہ جب بعد میں قائد اعظم گورنر جنرل ہوا تو ایک دن میں نے کہا کہ ہمیں چاہئے کہ ان مسلم لیگیوں کا کچھ نہ کچھ خیال رکھیں کیونکہ یہ پاکستان تو انہوں نے بنایا ہے۔ کہا کہ قائد اعظم نے فوراً جواب دیا کہ تمہیں یہ کس نے بتایا کہ پاکستان مسلم لیگ نے بنایا ہے۔ پاکستان تو میں نے بنایا ہے اور میرے شیوگر افری نے:

That we must try to be considerate to the Muslim League as after all they had brought in Pakistan Jinnah immediately replied "who told you that M. League brought in Pakistan I brought in Pakistan with my stenographer.

ترجمہ:- "پھر ہمیں مسلم لیگ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ آخر کار انہوں نے پاکستان قائم کیا۔ جناح نے فوراً جواب دیا "تمہیں کس نے کہا ہے کہ مسلم لیگ نے پاکستان قائم کیا ہے۔ پاکستان میں نے اپنے شیوگر افری مدد سے قائم کیا ہے۔"

سکندر مرزا کے اپنے بیان سے اگر ایک طرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کیسے انگریز کے بڑے بڑے افسر مسلم لیگ کے لئے کام کرنے کو بالکل تیار تھے تو دوسری طرف یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدائی خدمتگار حکومت کو گرانے کے لئے جناح صاحب آئینی اور جمہوری طریقوں سے ناکامی کے بعد کس حد تک جانے کو تیار تھا کہ اس حکومت کو توڑنے کے لئے وہ ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا اور قبائل کے ذریعہ جہاد کا اعلان کرنے کو تیار تھا اور تیسری اور اہم بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ کیسے انگریز سرکار کے افسر قبائلی ملکوں اور لیڈروں سے اپنے رابطے پر قرار رکھے ہوئے تھے اور اگر وہ چاہیں تو ایسے لوگوں کی کمی نہیں کہ ان سرکاری افسروں کے کہنے پر وہ اپنے ملک پر بھی حملے کر دیں۔ اس طرح دوسری طرف بھی ذرا غور کرنا چاہئے کہ والدین ریاست کس طرح کروڑوں روپے فراخ دلی سے دے رہے تھے اور کروڑوں روپے بھی اس وقت کے کروڑوں۔

تخصریات کی یونیسٹ حکومت کو گرانے کا مشکل کام نہ تھا۔ ایک طرف مسلم لیگ نے اس کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائی تو دوسری طرف فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ صوبہ سرحد اور قبائلی علاقے سے بھاری مقدار میں اسلحہ لے جایا گیا۔ سول نافرمانی کے نتیجے میں مسلم لیگ کا جیل چلے جانا بھی ایک میلے کے برابر تھا۔ مثلاً پنجاب مسلم لیگ کے صدر مہاں افتخار الدین کے لئے صرف یہ نہیں کہ اپنی مرضی کا کھانا جیل جاتا تھا، دعوتیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ دعوتوں کے لئے جیل سے باہر آیا کرتا تھا اور

راتیں گھر پر گزارتا تھا۔ تو قصہ مختصر کہ ایک طرف فرقہ دارانہ فسادات کی وجہ سے ہندو اور سکھ ممبران اسمبلی رستے سے ہٹ گئے۔ دوسری طرف سوال نا فرمانی کی تحریک کی بناء پر خضر حیات اس بات پر مجبور ہوا کہ 3 مارچ 1947ء کو اپنی وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ لیکن مسلم لیگ اس قابل نہ تھی کہ اپنی وزارت ہٹا سکے، تو اس وجہ سے صوبہ کے اختیارات دفعہ 93 کے تحت انگریز گورنر نے ہتھیا لئے۔ لیکن جب ہندوؤں اور سکھوں کو اس بات کا علم ہوا کہ یہ تو انگریز کسی نہ کسی بہانے سے مسلم لیگ کے لئے راہ ہموار کر رہا تھا تو انہوں نے بھی مظاہرے شروع کر دیئے۔ فرقہ دارانہ فساد کی ایسی بنیاد رکھی گئی اور ایسے ناروا ظلم ہوئے کہ مار دھاڑ اور لوٹ مار کے علاوہ ہزاروں عورتوں کو اغوا کیا گیا۔

اس طرح سے مسلم لیگ کے لئے ایک اور صرف ایک صوبہ سرحد رہ گیا کہ اس کی وزارت ٹوڑنے کا انتظام کرے۔ یہاں بھی فسادات کی آگ بھڑکائی گئی۔ یہاں تک کہ ہزارے کے قبائلی علاقے سے ضلع پر حملے بھی ہوئے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر صوبے کی حکومت صوبے میں امن وامان برقرار نہیں رکھ سکتی تو بدنامی ہوگی اور کہا جائے گا کہ استعفیٰ دے دے اور اگر امن وامان قائم کرنے کے لئے قدم اٹھائے گی تو مسلم لیگ کے لیڈر اور اخبارات آسمان سر پر اٹھائیں گے کہ صوبے کی وزارت مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کر رہی ہے۔

خضر حیات کی پینسٹ حکومت اور یہاں سرحد میں یہ فرق تھا کہ وہاں پینسٹ پارٹی ایک وزارتی پارٹی تھی۔ سیاسی جڑیں نہیں تھیں۔ لیکن یہاں تو خدائی خدمتگاروں کی حکومت تھی جو ایک بڑا اور منظم جماعت تھی۔ مسلم لیگ نے اپنے تمام حربے استعمال کئے۔ ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں کو صوبہ سرحد بلایا۔ ہندوؤں کے فسادات کے حقیقی افسانوی قصے بیان کئے گئے۔ خاص کر بہار کے فسادات کے نام پر پشتونوں کے جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی۔ بے پناہ دولت پہنچی۔ پنجاب اور علی گڑھ کے طالب علم پہنچ گئے۔ پنجاب کا ایک فوجی افسر یہاں صوبے میں دندناتا پھرتا رہا تھا۔ اس آدمی نے فوج سے استعفیٰ رے دیا تھا۔ یہ پہلی بار صوبہ سرحد کی سیاست میں تخریب کاری کا مسئلہ پیش آیا تھا۔ ابھی تک خدائی خدمتگاروں نے کمال بہادری سے، جرات اور عدم تشدد سے حکومت کے خلاف تحریک چلائی تھی، لیکن مسلم لیگ کی اس تحریک میں ہوں کے دھمکے اور غیر مسلموں کا قتل بھی شامل ہوا۔ اس تحریک کے متعلق بعض لوگوں نے اپنے اقبالی بیانات دیئے۔ جوائنڈ جین سن نے اپنی کتاب "اڈیا، پاکستان اور پختونستان" India Pakistan and Pukhtoonistan by Erland Janson میں لکھی ہیں۔ ہنگو پولیس سکول کا چیف انسٹرکٹر بم دیتا تھا اور انہیں استعمال کرنے کا طریقہ بتاتا تھا۔ عالم خان خود جین سن کو بتاتا ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے لئے رقم ہیر آف مانگی شریف مہیا کرتا تھا۔ صوبے کے تمام سرکاری افسران اس تحریک میں مسلم لیگ کا ساتھ

دے رہے تھے۔ طالب علموں کے فیڈریشن کے صدر نے خود اسی جین سن کو بتایا کہ پولیس کے ایک کپتان فیض اللہ خان کا ہم سے کھل کر رابطہ تھا اور جب بھی سرکاری اجلاسوں میں تحریک کے متعلق کچھ فیصلے ہونے تھے تو وقت پر ہمیں اس کی اطلاع دیتے تھے۔ یہاں تک کہ احتجاجی جلوسوں میں کبھی ہمیں مارنے نہ تھے۔ لاشی کبھی زمین پر اور کبھی اپنی بس پر مارتے تھے۔

سوں تا فرمائی کے سلسلے میں جو مسلم لیگی جیل گئے۔ دفعہ 144 کی خلاف ورزی میں تین ماہ کی قید کی سزا ہوتی تھی۔ جیل میں اپنی بادشاہی تھی۔ وہاں اتنی آزادی تھی کہ اور تو اور دن کو قیدی ہر نکلنے، بازاروں میں گھومتے، سودا سلف خریدتے اور جس کو ضرورت ہوتی تھی، رات بھی گھر پر گزار بیٹے تھے۔ میرا ایک دوست ایک رات کے لئے میری گاڑی لے گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس کا ایک دوست مردان کا ایک خاں میری اسی گاڑی میں جیل سے نکلا۔ رات وہاں گزار دی اور دوسرے دن جب اسے جیل واپس پہنچایا تو میری گاڑی واپس آگئی۔

انہی دنوں سرحد اسپتال کا اجلاس تھا۔ میجر خورشید انور نے یہ انتظام کیا کہ ایک ایک جلوس اسپتال ہال لے جائے اور اجلاس نہ ہونے دے۔ اس جلوس میں طالب علم بھی تھے اور پیر آف، انگی کے مرید بھی۔ خورشید انور نے طالب علموں کو کہا کہ تم لوگ پیچھے رہو اور ان مریدوں کو آگے کرو۔ سرکاری افسروں نے نشان لگایا تھا کہ اس سے آگے کوئی نہیں جائے گا۔ طالب علموں نے پیر کے مریدوں کو دھکیلا اور جب گولی چلی اور چند لوگ گرے تو خورشید انور نے کہا۔ کافی ہے۔ اب چلیں۔

"The mission is completed he wanted to shed Muslim blood, now it has been done. (P 169) Erland Janson India Pakistan and Pukhtoonistan).

ترجمہ: ”مشن پورا ہو گیا۔ وہ مسلم خون بہانا چاہتا تھا۔ اب یہ ہو چکا ہے۔“

(صفحہ 169 ارلینڈ جین سن)

ہمارا مقصد یہ تھا کہ مسلمان کا خون گرے اور یہی مشن مکمل ہو گیا۔

یہی خورشید انور اور ایسے اور تخریب کار صوبہ بھر میں پھرتے رہے۔ سرکاری افسران ان پر ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔ ہندوؤں اور سکھوں کے گھروں اور دکانوں کو لوٹا گیا، انہیں قتل کیا جا تا رہا لیکن حکومتی افسروں میں دو عملی تھی۔ انگریز گورنر سرائف کیرد اور اس کے تحت افسران اس کوشش میں تھے کہ جیسے بھی ہو اور جس طریقے سے بھی ہو یہ وزارت توڑ دی جائے۔ کیرد صاحب کے متعلق اور تو کیا داسرائے دیول خود لکھتا ہے کہ کیرد کسی صورت بھی اس بات پر تیار نہیں ہو سکتا کہ انگریز ہندوستان آزاد کر دے:

Caroe himself has never yet reconciled himself to the idea of our leaving India.(P.329) Wavell.

ترجمہ:- ”کیرو خود آج تک ہمارے ہند کو چھوڑنے کے تصور سے اتفاق نہیں کر سکا۔“

(صفحہ 329 دیو)

کیرو صاحب تو ابھی تک دیول کے اس Break Down Plan (بریک ڈاؤن پلان) کے منصوبے کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور اس منصوبے کی اہم کڑی تو یہ صوبہ تھا۔ جو ہندوستان کی سرحد پر قبائلیوں کی سرحد تھا۔ پھر افغانستان اور اس طرف روس۔ انگریز کو تو یہاں اپنے تاج و تخت کے مفاد سے سروکار تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے یہ مفادات مسلم لیگ کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں۔ کیرو صاحب وراہس کے ساتھی افسروں کو جب معلوم ہوا کہ نہ فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعے اور نہ ہی مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک سے ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کو توڑا جاسکا تو اس نے دوسرا کھیل کھیلنا شروع کر دیا۔

تقسیم کے متعلق ماؤنٹ بیٹن کے سامنے مختلف تجاویز

جیسے ہی ماؤنٹ بیٹن دلی پہنچا۔ اس نے سیاسی میڈروں سے بات چیت شروع کر دی۔ پہلی ملاقات گاندھی جی سے کی۔ گاندھی جی نے کہا کہ کانگریس کے متعلق جناح صاحب کو ایک بدگمانی ہے۔ اس بدگمانی کو دور کرنے کے لئے میری ایک تجویز ہے۔ وہ یہ کہ اس موجودہ عبوری حکومت کو توڑ دیں اور نئی حکومت بنانے کا اختیار جناح صاحب کو دے دیں۔ وہ جسے مناسب سمجھے اپنی وزارت میں لے لیں۔ ہم دنیا کو صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں نے آپس میں فیصلہ کر لیا ہے اور اپنے تعاون و راتحاد کی خاطر مشترک زندگی گزارنے پر تیار ہیں۔ اور گاندھی نے کہا۔ جناح صاحب کی حکومت بنانے کے بعد برطانیہ کی ذمہ داری ہوگی کہ اکثریتی فرقہ کا تحفظ کرے یا اقلیتی فرقے کے حقوق کے تحفظ کی جگہ اکثریتی فرقے کے حقوق کا تحفظ کرے۔

اس کے بعد جب ماؤنٹ بیٹن جناح صاحب سے ملے اور گاندھی جی کی یہ تجویز بیان کی تو جناح صاحب نے کہا کہ یہ بیماری اب اتنی پھیل چکی ہے کہ اس کا اب بلا آپریشن کے اور کوئی علاج ہی نہیں۔ جناح صاحب کے رویے کی سختی کی ایک ظاہری وجہ اور بھی تھی۔ ویول کے جانے کے بعد جناح صاحب کو یہ تشویش پیدا ہو گئی تھی کہ انگریز مجھے پاکستان نہیں دے رہا لیکن اس دوران ایک اور واقعہ قابل ذکر ہوا۔ یہ بات تو ہر ایک پر ظاہر ہے کہ جب ہندوستان میں کانگریس اور انگریز کے مابین اختلافات پیدا ہو گئے اور بات تحریک چلانے تک جا پہنچی، تو اس دوران امریکی حکومت کی طرف سے بار بار برطانوی حکومت کو کہا گیا کہ وہ انگریس کے ساتھ صلح و مفاہمت کی کوئی راہ نکالے۔ یعنی امریکہ ہندوستان کے اس مسئلے میں دلچسپی لے رہا تھا۔

اسی دلچسپی کے سلسلے میں یکم مئی 1947ء کو امریکہ کے دو مذاکرہ جانا جناح صاحب کی ملاقات کے لئے ان کے گھر گئے جن میں ایک کا نام رولنڈ اے ہیر (Roland A. Hare) تھا جو امریکہ میں جنوبی ایشیا کے ڈویژن کے معاملات کا افسر تھا۔ روسرا ہندوستان میں امریکہ کے سفارت خانے کا دوئم سیکرٹری تھا۔ اس ملاقات کی تفصیل امریکی جارج ڈی آفیسر نے دوسرے دن یعنی 2 مئی کو امریکہ

کے سیکرٹری آف بیٹھ مارشل کو بھیجی۔ لکھتا ہے۔ جناح صاحب کہتا ہے کہ میں کسی قیمت پر بھی متحدہ اور وفاقی ہندوستان کا منصوبہ قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مسلم لیگ کا یہ فیصلہ ہے کہ پاکستان قائم ہو اور پھر ان دونوں امریکیوں کو پاکستان کی خبریاں بیان کی ہیں کہ آزاد اور خود مختار پاکستان کا قیام امریکہ کے مفاد میں ہے۔ کیونکہ پاکستان ایک مسلمان مملکت ہوگی اور مسلمان ممالک روس کی جارحیت کے خلاف متحد ہوں گے۔ اس لئے وہ امریکہ سے امداد اور تعاون کی امید رکھتے ہیں:

He (Jinnah) sought to impress on his visitors that the emergence of an independent, sovereign Pakistan would be in consonance with American interests. Pakistan would be a Muslim country, Muslim countries stand together against Russian Aggression. In that endeavour they would look to the United States for assistance, he added. (Page. 1) American Role in Pakistan. (vinkataraman)

ترجمہ۔ "اس (جناح) نے مہمانوں پر یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی کہ ایک آزاد اور خود مختار پاکستان کا معرض وجود میں آنا امریکی مفادات کے مطابق ہوگا۔ پاکستان ایک مسلم ملک ہوگا۔ مسلم ممالک روسی جارحیت کے خلاف متحدہ مزاحمت کریں گے۔ ایسی صورت حال میں وہ ریاست ہائے متحدہ سے امداد کی امید کریں گے۔"

(صفحہ 1۔ امریکن رول پاکستان ویکٹ رامن)

یہ بھی وہی انگریز کا منصوبہ کہ روس کے گلے میں اسلام کا طوق ڈال دینا چاہئے۔ دوسرا مسئلہ جو جناح صاحب نے ان امریکنوں سے بیان کیا۔ وہ بھی انگریز کے اس منصوبے کا ایک حصہ تھا کہ اگر کل کو انگریز یہاں سے چلا جائے اور یہاں ہندوستان کا اتحاد قائم رہے اور اچھے رات کانگریس کے ہاتھ میں آجائیں تو کانگریس چونکہ انگریزوں اور مغربی طاقتوں کی دشمن ہے تو مشرق وسطیٰ اور خلیج میں وہ کبھی بھی ان حکومتوں کے مفادات کا تحفظ کرنے پر راضی نہ ہوگی۔ اس وجہ سے جناح صاحب نے روس کے خطرے کے علاوہ اس دوسرے خطرے کی بھی نشاندہی کی جسے "ہندو سامراج" کہتا تھا تو وہ امریکی میڈروں پر یہ واضح کر دینا چاہتا تھا کہ مشرق وسطیٰ پر "ہندو سامراج" کے بڑھ کا راستہ روکنے کے لئے بھی پاکستان کا قیام ضروری ہے:

Jinnah coupled the danger of Russian aggression with an other

menace that Muslim Nations might confront. That was "Hindu Imperialism" The establishment of Pakistan was essential to prevent the expansion of Hindu Imperialism to the Middle East" he emphasized (P 1) American Role in Pakistan.

ترجمہ۔ "جناب نے روسی جارحیت کے خطرے سے اس خطرے کو بھی واضح کیا جو کہ مسلم اقوام کو درپیش تھا۔ ہندوسہ مراہیت کا خطرہ، پاکستان کا قیام، ہندوسامراج کو مشرق وسطیٰ تک پھیننے سے روکنے کے لئے ناکزیر تھا۔ اس نے زور دیا" (صفحہ مریکن رول ان امریکس)

مطلب یہ تھا کہ امریکہ کو اس سے دلچسپی لینی چاہئے اور روس کے خلاف ایک اسلامی قلعہ کو مضبوط کرے۔ چاہے کہ وہ پاکستان قائم کرنے میں مدد کرے اور اس کے علاوہ مشرق وسطیٰ اور خلیج کے علاقے میں مسلمان ممالک کا اتحاد ضروری ہے۔ ترکی سے لے کر چین کی سرحد تک مسلمان ممالک کی مدد کی جائے۔ اگر ہندوستان متحد رہ جاتا ہے اور پاکستان قائم نہیں ہو پاتا، تو یہ قلعہ نامکمل ہوگا۔ اس وجہ سے جناب صاحب امریکی حکومت کے ان ایجنٹوں کے ذریعے یہ بات پہنچانا چاہئے تھے کہ امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے یہ ضروری ہے۔ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کا قیام۔

یوں لگتا ہے کہ امریکنوں سے اس ملاقات میں بات مکمل ہو گئی تھی۔ کیونکہ پڑھنے والوں کو یہ دہوگا کہ سکندر مرزا نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ مجھے ہندوستان پر حملہ کرنے کا جو کام سونپا گیا تھا جناب صاحب نے اس سے منع کر دیا۔ کیونکہ مجھے اب پاکستان دے رہے ہیں تو تم ہندوستان پر قبضہ کی جہاں کا منصوبہ چھوڑ دو۔ اور مرزا صاحب نے خود بھی منی کے مہینے کا حوالہ دیا۔ نظر آ رہا تھا کہ امریکنوں سے معاملہ طے ہو گیا تھا اور دیول کے جانے کی کمی پوری ہو چکی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ لنڈنہنگو سے لے کر دیول تک ان دونوں وائسرائوں نے فرقہ وارانہ مسئلے کو ایسا رخ دے دیا تھا جیسے اب پورے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ جناب صاحب کے ہاتھ میں ہو۔ اس کے سامنے تین راستے کھلے تھے۔

1۔ متحدہ ہندوستان۔

2۔ کمیونٹیشن منصوبہ جس میں تین گروپ تھے۔

3۔ پاکستان۔

اور یہ بات اتنی آسان بھی نہ تھی۔ چاہئے تھا جناب صاحب اور مسلم لیگ یہ بات ذہن نشین کرتے کہ کوئی ایسا راستہ ڈھونڈ نکالتے۔ جس سے غیر مسلموں کے اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ

بھی کیا جاتا۔ کیونکہ اصل میں تکلیف تو ان لوگوں کو تھی۔ دوسرے یہ کہ ان سب میزروں کو تو اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں نے اپنے تحفظ کی خاطر منتخب کیا تھا۔ لیکن بات آکر اسی مقام پر کہ گلی کہ اب فیصد جناح صاحب اور مسلم لیگ کا ہے۔ کہ وہ

ایک وسیع اور عظیم پاکستان لیکن کم اختیارات چاہتے ہیں یا چھوٹا پاکستان اور مکمل اختیارات چاہتے ہیں

اس لئے کہ جب آخری ہارمسم لیگ نے کینٹ مشن پلان نامنظور کیا اور پاکستان کا مطالبہ کیا تو انہیں بتایا گیا کہ اگر ہندوستان تقسیم ہوتا ہے تو مسلمانوں کے دو اکثریتی صوبے پنجاب اور بنگال بھی تقسیم ہوں گے اور جب جناح صاحب نے پوچھا کہ یہ کس منطق کی بناء پر۔ تو ماؤنٹ بیٹن نے جواب میں کہا کہ وہی تمہاری منطق اور دلیل پر اور تم نے جو یہ سات سال جتنے کال ٹیوٹوں اور مدلل مباحثوں سے یہ ہندوستان اور مسلمان کی تقسیم کی بنیاد رکھی ہے۔ تو یہی تقسیم کے اصول انہی صوبوں پر حاوی ہوں گے کیونکہ صوبے تو انتظامی حدود رکھتے ہیں۔ انتظامی یونٹ (Administrative Units) اور ان صوبوں کے وہی علاقے جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے انہیں جد کیا جائے گا۔ جناح صاحب نے فوراً دھمکی دی کہ پھر تو میں صوبہ آسام کا ضلع سلہٹ بھی مانگوں گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا۔ یہ جائز ہے اور کانگریس کو اس پر اعتراض نہیں۔ جناح صاحب نے یہ منطق تو مان لی لیکن ماؤنٹ بیٹن سے درخواست کی کہ مجھے ”کرم خوردہ“ پاکستان مت دو۔ پھر ماؤنٹ بیٹن سے کہا کہ کانگریس مجھے پنجاب اور بنگال کی تقسیم پر ڈرانا چاہتی ہے کہ میں پاکستان کا مطالبہ چھوڑ دوں۔ لیکن میں آسانی سے ڈرنے والا نہیں۔

Mr Jinnah admitted the apparent logic of this but begged

Lord Mountbatten not to give him a "moth eaten" Pakistan.

The demand for partitioning of Bengal and the Punjab was all the bluff on the part of the Congress to frighten him off his claim for Pakistan. But he was not so easily frightened. (P 227)

Hodson. The Great Divide.

ترجمہ:- "مشر جناح نے اس منطق کو تسلیم کیا مگر ماؤنٹ بیٹن سے عاجزانہ درخواست کی کہ اسے کرم خوردہ پاکستان نہ حوالے کیا جائے۔ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا ہوا کانگریس نے اس مقصد کے لئے کھڑا کیا تھا کہ وہ اپنے پاکستان کے دعوے سے دستبردار ہو جائے۔ مگر وہ اتنی آسانی سے خوفزدہ ہونے والا نہیں تھا۔" (صفحہ 227 گریٹ ڈیوائڈ۔ ہڈسن)

ماؤنٹ بیٹن کی کوشش سے فیصلہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنی جانب سے کوشش یہ کرے کہ جناح صاحب کو کیمینٹ مشن کے گروپوں کے منصوبے پر راضی کر لے۔ اس لئے وہ بار بار ان مختلف مشکلات کی نشاندہی جناح صاحب کے سامنے کر رہا تھا۔ جو ہندوستان کی تقسیم کی صورت میں پیش آ سکتی تھیں اور اس تباہی و بربادی سے خبردار کرنے کی کوشش کی۔ ماؤنٹ بیٹن آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ جناح صاحب نے اپنے اس منصوبے کے کسی پہلو پر بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا ہے اور کہتا ہے کہ جناح صاحب کو تب جا کر معلوم ہوگا جب یہ ذرا نیچے گئے گا اور اس کے پاؤں زمین پر لگیں گے تو آنکھیں کھل جائیں گی:

"Nevertheless" Wrote Lord Mountbatten when recording the talk, he gives me the impression of a man who has not thought out one single piece of the mechanics of his own scheme & he really will get the shock of his life when he come down to earth. (P.229) Hodson.

ترجمہ:- "بہر کیف ماؤنٹ بیٹن نے گفتگو پر کارڈ کرتے ہوئے کہا "وہ مجھے ایسا شخص لگتا ہے جس نے اپنی سکیم کی مکانات پر ذرہ برابر بھی غور نہیں کیا اور اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا جھٹکا لگے گا۔ جب وہ حقیقت کی دنیا میں قدم رکھے گا"۔ (صفحہ 229۔ ہڈسن)

ماؤنٹ بیٹن کو جب اس بات کا اندازہ ہوا کہ جناح صاحب اپنی بات پر مصر ہے اور نہ کچھ دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی سنتا ہے۔ تو اس نے نوابزادہ لیاقت علی خان کو بلا یا اور اسے یہ ساری بات تفصیل سے بتائی کہ اگر مسلم لیگ اور جناح صاحب اسی طرح اس پاکستان کا مطالبہ کرتے رہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ تم لوگوں کو وہ پاکستان ملے گا جسے جناح صاحب خود لولا، لٹکا اور کرم خوردہ کہہ چکے ہیں اور اس نے اس کے لئے انکار کر دیا تھا۔ نوابزادہ صاحب کے ساتھ یہ فیصلہ ہو کہ وہ جناح صاحب اور بانی ساتھیوں سے اس مسئلے پر مشورہ کر لیں گے اور پھر وائسرائے کو مطلع کر دیں گے۔ نوابزادہ لیاقت علی خان جب دوسرے دن آیا تو معلوم ہوتا تھا کہ اس نے مسلم لیگ کے میڈروں اور جناح صاحب کے دل کی بات لا رہا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن سے کہی اور واضح الفاظ میں بتایا کہ "جناب والا! اگر آپ مسلم لیگ کو صرف سندھ کے ریگستان بھی دے دیں تو ہمیں وہ بھی قبول ہے"۔

If your Excellency was prepared to let the Muslim League have only the Sind desert, I would still prepare to accept it. (P.224) Hodson

ترجمہ۔ "اگر آپ عزت مآب مسلم لیگ کو فقط سندھ کا صحرا دے پر راضی ہوں تو میں پھر بھی قبول کر لوں گا۔" (صفحہ 224۔ ہڈسن)

یہاں یہ سود بازیاں چل رہی تھیں۔ ادھر بنگال میں دوسرا ہنگامہ ہوا۔ جب بنگالیوں کو پتہ چلا کہ مسلم لیگ تقسیم پر اڑ جاتی ہے تو اس کے نتیجے میں بنگال بھی تقسیم ہوگا۔ تو اس صوبے کے مسلم لیگی وزیر اعلیٰ حسین شہید سہروردی نے خود وائسرائے کو کہا کہ اگر تم ہمیں کچھ وقت دے دو تو میں بنگال کے ہندوؤں سے بات کر دیتا ہوں۔ میں انہیں اس بات پر رضا مند کر سکتا ہوں کہ بنگال متحد رہے اور پیدمہ داری بھی لے لے لی کہ جناح صاحب کو بھی اس پر راضی کر سکتا ہوں کہ متحدہ بنگال پاکستان میں شامل نہ ہو۔

Mr Suhrwady himself told the Viceroy— " he could say with confidence that given enough time he could persuade Bengal to remain united & that he could get Mr.Jinnah to agree that in the event it need not join Pakistan—

ترجمہ۔ "مسٹر سہروردی نے وائسرائے کو بتلایا۔۔ انہیں اعتماد ہے کہ اگر مناسب وقت دیا جائے وہ بنگال کو متحد رہنے پر متعلق کر سکتے ہیں اور جناح کو راضی کر سکتے ہیں کہ کسی صورت میں اس کا پاکستان سے الحاق ضروری نہیں۔"

، وٹن مین لکھتا ہے کہ میں نے سہروردی سے اپنی ملاقات اور ان باتوں کا ذکر اگلے دن جناح صاحب سے بھی کیا تا کہ میں یہ معلوم کر سکوں کہ متحدہ بنگال کی اس تجویز کے متعلق وہ کیا کہتا ہے کہ یہ پاکستان میں شامل نہ ہو۔ وٹن مین لکھتا ہے کہ جناح صاحب نے فوراً جواب دے دیا کہ اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہوگی۔ کہا کلکتہ کے بغیر بنگال کا فائدہ کیا ہوگا۔ اس سے تو بہتر ہے ان کا اپنا اتحاد اور آزادی۔

with out hasitation Mr.Jinnah replied, "I should be delighted what is the use of Bengal with out Calcutta they had much better remain united & independent" (P246) Hodson

ترجمہ۔ "بغیر کلکتہ کے جناح نے جواب دیا۔ مجھے بہت خوشی ہوگی۔ بغیر کلکتہ کے بنگال کس کام کا۔ بہت ہے کہ وہ متحدہ اور آزاد رہیں۔" (صفحہ 246 ہڈسن)

انسان جب یہ تاریخی واقعات پڑھتا ہے اور ان سرکاری دستاویزات کا مطالعہ کرتا ہے تو واقعی انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کے یہ رہنما جو کچھ کر رہے تھے، آیا ان کا مقصد حقیقتاً غریب اور پسماندہ مسلمانوں کے مفارکے لئے کام کر رہا تھا یا یہ سود بازیاں کسی اور جذبے کے تحت کرتے رہے۔

اس سلسلہ میں سب سے مشکل کڑی سرحد کا صوبہ تھا کیونکہ وہاں کی آبادی کا 93 فیصد مسلمان تھا اور انہوں نے ابھی 1946ء میں مسلم لیگ کی سیاست اور پاکستان کا مطالبہ رد کیا تھا اور انگریز کی دلچسپی اسی صوبے اور انہی قبائل کے ان دروں میں تھی جو افغانستان کے راستے روس کی سرحد تک پہنچتے تھے۔ اس کا کیا حل ہوگا۔

صوبہ کے گورنر اصف کیرو نے مرکزی حکومت کو تجویز پیش کی کہ اس ماں یہاں جو انتخابات ہوئے ہیں وہ کا عدم قرار دیئے جائیں۔ ورنہ سر نو انتخابات ہوں تاکہ یہ نئے ممبر صوبے کے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس وقت صوبے کے چیف سیکرٹری (De La Farque) ڈی۔ لا۔ فارک کو بلا یا۔ وہ چھٹی پر انگلینڈ جا رہا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس سے دو باتیں پوچھیں۔ ایک یہ کہ اگر انتخابات پھر سے ہو جائیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ صوبے کے گورنر سے صوبے کے وزراء بہت شاکہ ہے۔ یہاں تک کہ ڈکٹر خان صاحب نے وائسرائے کو کیرو صاحب کے سامنے کہا کہ تم مسلم لیگ کے صدر سے ملنے سے خواہشمند ہو تو اسی صوبے کے مسلم لیگ کا صدر تو تمہارا یہ گورنر کیرو ہے۔ پہلے سوال کے جواب میں چیف سیکرٹری نے کہا کہ صوبے میں اگر دوبارہ انتخابات ہو جائیں اور گورنر کے اختیارات کے تحت ہو جائیں تو کانگریس جیتے گی۔ گورنر کے متعلق کہا کہ وہ کانگریس کی وزارت کے خلاف ہے۔ یہاں تک کہا کہ گورنر کے اس رویہ سے انگریزوں کے وقار کو نقصان پہنچتا ہے:

Lt.Col.De La Farque, Chief Secretary to the N W F, Govt.

held the belief that a free and clean election in the province was more likely to return the Congress to power than the Muslim League, even if section 93 Govt.had been interposed " That the Governor, though having great knowledge of the frontier, was biased against his Congress Govt. & that his continuance in office was a menace to British prestige.(P.283)

Hodson. The great Divide)

ترجمہ:- "ایفٹینٹ کرنل ڈی۔ لا۔ فارک، چیف سیکرٹری صوبہ سرحد کا خیال تھا کہ صوبے میں آزاد اور صاف انتخابات میں زیادہ امکان ہے کہ مسلم لیگ کی بجائے کانگریس دوبارہ اقتدار میں آجائے۔ چاہے سیکشن 93 کی حکومت مسلط ہو، اور کہ گورنر جسے سرحد کی وسیع معلومات حاصل تھیں اپنی کانگریس حکومت کے خلاف تھا اور عہدے پر اس کی برقراری برطانیہ کی

شہرت کے لئے بہت نقصان دہ تھی۔“ (صفحہ 284 پڑھیں)

چیف سیکرٹری کی ان خفیہ اطلاعات کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے صوبہ سرحد میں از سر نو دوبارہ انتخابات کا ارادہ ترک کر دیا۔ صوبہ سرحد کے مسلمان افسروں کے ذہن اور سوچ کا اندازہ اسی ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جو ماؤنٹ بیٹن کے سیکرٹری کیمبل جانسن Cambell Johnson نے اپنی کتاب Mission with Mount Batten میں بیان کیا ہے۔ لکھتا ہے کہ وہ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ پشاور گیا تو رات کو گورنر کے گھر میں دعوت تھی۔ کہتا ہے کہ میرے قریب اس وقت پشاور کا ڈپٹی کمشنر، ایس شاہ صاحب بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تمام وقت میرے ساتھ لگا رہا اور اس بات پر مصر تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان نہیں چھوڑنا چاہئے۔ جانسن لکھتا ہے کہ مجھے یہ بات بہت عجیب لگ رہی تھی کہ ماؤنٹ بیٹن اور میں، ہم دونوں انگریز تھے اور حاکم تھے۔ ہم تو یہ کہتے تھے کہ ہندوستان آزاد ہو، اور یہاں یہ ہندوستانی اس بات پر مصر تھا کہ انگریز کو ہندوستان نہیں چھوڑنا چاہئے۔

گورنر کی دوبارہ انتخاب کی تجویز کو تو ماؤنٹ بیٹن مان نہ سکا کیونکہ اس کے نتیجہ میں اختیارات پھر سے خدائی خدمتگاروں کو مل رہے تھے تو اب اور طریقے اور راستے ڈھونڈنے پڑیں گے۔ جس کے ذریعے سے اختیارات مسلم لیگ کو منتقل کئے جاسکیں۔

گورنر کیر اور کانگریس کے اختیارات سے ایک اور مسئلہ بھی ابھر آیا کہ جب ہندوستان کی عبوری حکومت کے سربراہ جواہر لال نہرو نے یہ رائے ظاہر کی کہ صوبہ سرحد کے دورے پر آ رہے اور چاہتا ہے کہ ان مختلف ایجنسیوں میں جائے اور اپنے قبائلی بھائیوں کے ساتھ ہندوستان کے مستقبل اور اس میں اس کے مقام کے متعلق جرگہ کرے یہ تو ان کے لئے ایک خطرناک قدم تھا۔ کیر صاحب اس پہ کب تیار ہو سکتے تھے۔ وہ تو مرکزی حکومت کو یہ تاثر دے رہے تھے کہ قبائل سب کے سب کانگریس کے خلاف اور پاکستان کے حق میں ہیں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے تو دلائل کی ضرورت ہوگی کہ ان قبائلی علاقوں کے جو رہنما سرکار کے پاس جاتے ہیں، یہ قومی رہنما نہیں ہوتے اور نہ قوم ان کو پسند کرتی ہے۔ یہ تو پولیٹیکل ایجنٹ کے ہاتھوں بنے ہوئے حاجب غور ملک ہوتے ہیں۔ وہ کتنے سرکار کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اس کا ایک نمونہ تو ہم سکندر مرزا کی اپنی کتاب میں پڑھ چکے ہیں کہ وہ یہ ذمہ داری لینے کو تیار تھا کہ اگر جناح صاحب چاہے تو وہ قبائل کے ذریعے وزیرستان، تیراہ اور مہمند کی طرف سے ہندوستان پر حملہ کر سکتے ہیں۔ انگریز کے نوکرانوں نے اپنے ذریعے سے اور اپنے ننھواہ دار ملاؤں، بیروں اور فقیروں کے ذریعے قبائلی علاقے میں کافی کام کیا تھا اور ابھی کر رہے تھے۔ مثلاً مسود ملک گلاب خان 20 اپریل 1946ء کو ایک خط میں جناح صاحب کو لکھتا ہے کہ میں جنوبی وزیرستان ایجنسی کے تمام مسود قبیلے کی طرف سے تمہیں یہ تسلی دیتا ہوں کہ ہم مسلح انداز کے ذریعے

تمہارے ساتھ پاکستان حاصل کرنے میں مدد کرنے کو تیار ہیں اور ہم تم پر مکمل اعتماد کرتے ہیں۔ اور جب مسلم لیگ کی ہائی کمان حکم کرے ہم حاضر ہیں اور پھر یہ بھی لکھتا ہے کہ میں تیار ہوں کہ تمہاری ذاتی حفاظت کے لئے مسلح باڈی گارڈ بھی بھیج سکتا ہوں۔ آخر میں پاکستان زندہ باد لکھتا ہے۔

Dear Qaid e Azam

I on behalf of all the Masuds of S Waziristan Agency beg to assure you of our armed help for the achievement of Pakistan whenever so ordered by the Muslim League High command. We have full faith in your leadership in the critical time wish you long life & health. I am also ready to send Masud armed escort as your bodyguard if so ordered. Pakistan Zindabad (P.175)

Erland Janson

(India Pakistan or Pakhtoonistan)

ترجمہ۔ ڈیر قائد اعظم:

"میں جنوبی وزیرستان کے تمام مسود کی جانب سے حصول پاکستان کے لئے مسلح مدد کا یقین دلاتا ہوں۔ جب بھی مسلم لیگ کی ہائی کمان نے ایسا حکم دیا۔ اس مشکل دور میں ہمیں اس قیادت پر مکمل اعتماد ہے۔ ہم آپ کی زندگی و راحت کے لئے دعا گو ہیں۔ آپ کی باڈی گارڈ کے طور پر مسلح سید دستہ بھیجے کو تیار ہوں اگر حکم ہو۔ پاکستان زندہ باد"۔ (صفحہ 175۔

انڈیا۔ پاکستان، پختونستان (ازر لینڈ جانشن)

یہ ملک صاحب پاکستان کے لئے مسلح جنگ پر آمادہ تھے۔ جنگ کس سے کرنی تھی۔ یہاں انگریز کی حکومت تھی تو یہ کون مانے گا کہ جنوبی وزیرستان کا ایک ملک بمبئی میں جناح کو خط لکھے کہ میں تمہاری سیاست سے انگریز سے لڑنے کو تیار ہوں۔ یہ ماسوائے سرکاری افسروں کو سمجھانے اور پولیٹیکل ایسٹ کے کہے بغیر ہو نہیں سکتا۔ جن کو ایجنٹوں کے ان ملکوں اور پولیٹیکل ایجنٹوں کے تعلقات کا معمولی سا بھی علم ہے اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ لیکن عجیب تماشہ تو یہ تھا کہ جناح صاحب نے اس خط کا جواب دیا۔ ملک گلاب خان کو لکھتا ہے۔ تمہارے خط میں اہر ردی اور میری لیڈر شپ پر عقائد کا بہت بہت شکریہ۔ میں نے اپنا انتظام کر رکھا ہے اور میں فی الحال تمہیں کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتا۔

جناب صاحب کا جواب

Dear Sir,

I am in receipt of your letter of the 20th April, and thank you very much for your sympathies & your confidence in my Leadership, with regard to my staff. I have my own arrangements, while thanking you for your kind offer, there is no need just now to trouble you. (P.176) Erland Janson

ترجمہ: ”محترم جناب:

”مجھے آپ کا 20 اپریل والا خط موصول ہوا۔ آپ کی نیک خواہشات اور مہری لیڈرشپ پر اعتماد کا شکریہ۔ جہاں تک میرے اسٹاف کا تعلق ہے میرے اپنے انتظامات موجود ہیں۔ آپ کے خط کے شکریے کے ساتھ فی الوقت آپ کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں“ (صفحہ 176 ارلینڈ جانسن)

ملک گلاب خان کو کس نے بتایا کہ جناب صاحب کو قائد اعظم لکھنا ہے وغیرہ۔ بے شمار ایسے سوالات اٹھتے ہیں لیکن سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ جنوبی وزیرستان کا ایک ملک، ہندوستان کے ایک سیاستدان سے برملا ساز باز کرتا ہے اور نہ صرف اپنی بلکہ اپنی پوری انجینی کی طرف سے یہ قسلی دیتا ہے کہ وہ پاکستان کے قیام کے لئے لڑنے کو تیار ہیں اور اس کا حکم نہ پولیٹیکل ایجنٹ کو ہوتا ہے اور نہ انگریز کے کسی دوسرے ادارے کو۔ جناب صاحب کا خط بھی جواب میں آیا۔ اس کے برعکس ہمارے خدائے مہربان سالار یعقوب خان صرف اسی وجہ سے جیل میں بند تھے اور پچاسی کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں کہ اس پر یہ الزام تھا کہ فقیر اپنی کے ایک خلیفہ نے اسے خط لکھا ہے۔ جب کہ نہ خط موجود تھا اور نہ ہی کوئی گواہ۔ بات صرف وزیرستان کی نہیں۔ خیبر انجینس کے شنواری ملک، دورخان نے کمیونٹیشن کے ممبران کو تار دیا کہ خیبر انجینی کے قبائل جناب صاحب پر مکمل اعتماد کرتے ہیں اور مسلمان، اسوائے پاکستان کے اور کوئی چیز قبول کرنے کو تیار نہیں:

Khyber Agency tribes have full confidence in Jinnah Muslims

cannot accept anything except Pakistan (Khyber Mail 5.4.46)

ترجمہ: "خیبر ایجنسی کے قبائل کا جناح پر مکمل اعتماد ہے۔ مسلمان پاکستان کے علاوہ کچھ اور قبول نہیں کریں گے۔" (5-4-46-خیبر میل)

ملک گلاب خان نے تو شاید خط کسی خفیہ طریقے سے بھیجا تھا لیکن شنواری ملک باور خان نے تو نار دما اور تار پشاور کے انگریزی اخبار میں چھپ چکا تھا۔ انگریز کو اس بات پر تو نہ نصیحت تو لیش پیدا ہوئی۔ یہ مثالیں میں نے صرف اس لئے دیں کہ جواہر مال کے قبائل جانے پر کیر و صاحب کیوں پریشان تھے۔ ایک طرف کیر و صاحب کی کوشش تھی کہ سرکاری طور پر جواہر مال کو منع کیا جائے۔ دوسری طرف مسلم لیگ کی یہ کوشش تھی کہ جواہر مال قبائل نہ جائے۔ مگلی شریف کے پیر صاحب نے خود مختلف قبائل کا دورہ کیا۔ طاؤں کو بھیج دیا کہ ہندو جواہر مال کو آنے سے منع کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس لئے آرہا ہے کہ تم لوگوں کی آزادی کو ختم کر دے اور تمہیں ہندوؤں کا غلام بنائے۔ گورنر کیر و نے جو ہفتہ وار رپورٹ مرکز کو بھیجی۔ اس میں تفصیل سے اس دورے کا ذکر کیا کہ پیر صاحب، مگلی شریف، خیبر، مہمند اور ملاکنڈ کے دورے پر گیا ہوا تھا۔ یہاں پشاور میں مسلم لیگ نے جلسہ کیا۔ جس میں پیر مٹر قوم نے کہا کہ ہندو کانگریس نے جنگ کا بگل بجا دیا ہے۔ ہم قبائل میں تنظیم و رتوت رکھتے ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ ملکیت سے لے کر کوئٹہ تک آپ کو منظم کر دے۔ امتحان کا وقت قریب آرہا ہے۔ تیار رہو۔ تکلیف کے اس وقت میں اسلام کو تمہاری ضرورت ہے۔ تم لوگ سب مل کر پنڈت نہرو کو صرف ایک بات کہو کہ اگر وہ بات کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ مسٹر جناح سے بات کرے۔ قبائلیوں کے ساتھ بات کرنے کی ضرورت نہیں

The Hindu Congress is on the war path. In the tribal belt where have an immeasurable reservoir of strenght. You must organise and unite from Gilgit to Quetta. The hour of trials is coming be prepared. Islam in India needs your help in this hour of trial Tell Pundit Nehru that if he wants to talk, he must go to Mr. Jinnah Ther is no sense in talking to the tribals. should not go to the tribales (Dawn 13.10.46)

ترجمہ: "ہندو کانگریس لڑائی پر تلی بیٹھی ہے۔ قبائلی بٹی میں قوت کا ایک زبردست ذخیرہ موجود ہے۔ تمہیں خود ملکیت سے کوئٹہ تک متحد اور منظم کرنا چاہئے۔ امتحان کا وقت قریب آرہا ہے۔ تیار رہو۔ پنڈت نہرو کو بتا دو کہ اگر مذاکرات کرنا چاہتا ہے تو مسٹر جناح کے پاس جائے۔ قبائلیوں سے بات کرنا بے مقصد ہے۔" (13-10-46-ڈان)

پاکستان کے لئے راہ، ہموار کرنا

Ground work for Pakistan

لیکن جب جواہر لال نہرو گورنر کے مشورے کے بغیر صوبہ سرحد کے دورے پر آیا تو انگریز اور اس کے ماتحت افسروں نے جو کچھ کہا، وہ ہمیں تو کوئی کیا بتاتا۔ لیکن Erland Janson نے اپنی کتاب میں مختلف ملکوں، سرکاری افسروں کے بیانات نقل کئے ہیں کہ انہوں نے خود کیا کہا ہے۔ ارلینڈ جب جنوبی وزیرستان گیا، اسی مسعود ملک گلاب خان نے اسے کہا کہ اس ایجنسی کا اسٹنٹ پولیٹیکل افسر عبدالمنان بہت مددگار تھا۔ چوری چھپے ہمیں راستہ بتاتا رہا اور ہماری تسلی کرتا رہا۔ ہمیں دل سے دیتا رہا۔ اس ملک صاحب نے یہ بھی اقرار کیا کہ میں نے 200 روپے دیئے تھے کہ نہرو کے جہاز پر اس وقت گولی چے جب یہ جہاز رزمک پر اترے۔

Malik Gulab Khan paid Rs. 200/- to snipe at Nehru's plane when it would land at Razmak.

The Asstt Political Officer, one Abdul Manan, was particularly help full and would encourage and guide them secretly. (P.185 Erland Janson)

ترجمہ - ”ملک گلاب خان نے 200 روپے دیئے۔ نہرو کے جہاز پر گولی چلانے کے لئے جب وہ رزمک اترے۔ اسٹنٹ پولیٹیکل افسر عبدالمنان خاص طور پر مددگار تھا اور وہ خفیہ طور پر ان کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرے گا۔“

(صفحہ 185 ارلینڈ جانسن)

لیکن خیبر میں اس آدمی نے فرید اللہ شاہ کے ساتھ جو گفتگو کی اس سے یہ مسئلہ بالکل صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔ فرید اللہ شاہ ان دنوں خیبر کا اسٹنٹ پولیٹیکل افسر تھا۔ خیبر کا پولیٹیکل ایجنٹ کرنل خورشید تھا۔ سب فرید اللہ شاہ کا اپنا بیان سنئے۔

Scanned by CamScanner

نہرو کے آنے سے دو تین دن پہلے مجھے صاحبزادہ خورشید نے بلایا۔ کہا نہرو خیر آ رہا ہے اگر ان قبائل نے خاموشی سے خوش آمدید کہا تو اس علاقے کے تمام مسلمان ہندو کی غلامی میں چلے جائیں گے۔ اس نے کہا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہے کہ اس سسٹے میں کچھ کروں جو کچھ کرنا ہے کرو۔ لیکن مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ یہ کیوں؟ کیونکہ وہ بہت مذہبی آدمی تھا۔ کل کو اگر کوئی اس سے پوچھتا تو وہ بتاتا کہ مجھے معلوم نہ تھا۔ فرید اللہ شاہ کا کہنا ہے کہ پٹیکھل ایجنٹ کے پاس سے میں سیدھا جرمرد گیا اور ایک کوکی خیل ملک سواتی خان سے ملا۔ اس نے مجھ سے صرف ایک سوال کیا کہ پٹیکھل ایجنٹ کیا کہے گا؟ میں نے کہا۔ اس کی پروا مت کرو۔ کہا، میں نے بہت سختی سے منع کیا کہ خیال رکھنا کہ کسی کو مار نہ ڈالنا۔ لیکن گولیاں خوب برساتا۔ اس کے بعد ہنگی شریف کے مد صاحب پیر امین الحسنات کے پاس گیا۔ اس وقت شنواری اور ملا گور قبیلے میں ان کے کافی مرید تھے۔ اس نے بھی منڈی کوتل اور ملا گور علاقوں کا دورہ کیا

At that time Col. Khurshid was political Agent of Khyber Agency Two or three days before Nehru arrival. Khurshid sent for me and told me. Nehru was coming to Khyber. He said that if the tribals should receive him in a decile way, all Masalmans of this part of the country will go under the suzerainty of the Hindas, as a Muslim I should do something, but at the same time he warned me not to tell him the action I would take, do you know why He was a religious man & if he was asked anything he would say he did not know I went straight to Jurrud I contacted a certain Khukikhel Malik called Sawatai Khan. The only question he asked was, what would the reaction of the political agent, and I told him "Don't worry" I very strongly told him, that nobody was to be killed they should resort to very heavy sniping and on return from Jurrud I contacted Mullah Sahib of Mankisharif he had then a lot of disciples among the shah Waris and Mullagoris. So he also went on

Janson.

ترجمہ:- "اس وقت کرل خورشید خیر ایجنسی کا پولیٹیکل ایجنٹ تھا۔ نہرو کی آمد سے دو تین دن قبل خورشید نے مجھے بلا بھیجا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ نہرو خیر آ رہا ہے۔ اگر قبائلی خاموش رہے تو اس علاقے کے تمام ہندو ہندو کی غلامی میں چلے جائیں گے۔ ایک مسلمان ہوتے ہوئے مجھے کچھ کرنا چاہئے مگر ساتھ ہی اس نے مجھے خبردار کیا کہ میں اپنا پروگرام اسے مت بتاؤں۔ وہ ایک دیندار آدمی تھا۔ اگر اسے پوچھا گیا تو وہ کہہ سکے گا کہ اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ میں سیدھا جرود گیا اور ایک کو کی خیل ملک سواتی خان سے رابطہ کیا۔ اس کا فقط ایک سوال تھا۔ "پولٹیکل ایجنٹ کا رد عمل کیا ہوگا"۔ میں نے اسے کہا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ میں نے اسے سختی سے کہا کہ کسی کو مارنا نہیں بس گولیوں کی زبردست پوچھ ڈکرنی ہے۔ جرود سے واپسی پر میں نے مانگی شریف کے صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ شنوار پور اور ملا گوریوں میں اس کے بہت سے مرید تھے۔ لہذا وہ بھی لنڈی کوتل اور ملا گور کے دورے پر نکل گیا۔"

(صفحہ 186۔ ریلینڈ جانسن)

میرے خیال میں قبائلی اور پولٹیکل افسروں کے متعلق اور سرکاری افسروں اور مسلم لیگ کے رابطوں کے متعلق تمام مسئلے فرید اللہ شاہ نے بالکل واضح کر لئے۔ پولٹیکل ایجنٹ ہدایات دیتا ہے۔ جو اس کا نائب قبائلی ملک کو سناتا ہے اور ملک بھی آفریدی ملک۔ لیکن یہ ملک ایک اور صرف ایک سوال کرتا ہے کہ تم کہتے ہو۔ لیکن کل کو پولٹیکل ایجنٹ کیا کہے گا۔ یہ ملک صرف اس بات کی تسلیم چاہتا ہے۔ اس بات کی تسلی چاہتا ہے اور پھر یہی پولٹیکل افسر صاحب۔ یک مسلم لیگ لیڈر پیر صاحب مانگی شریف کے پاس جاتا ہے اور اسے یہ سب کچھ بتاتا ہے اور سے یہ کہتا ہے کہ ہمیں بھی چاہئے کہ ایسے مریدوں کو یہ بات بتا دو۔

لیکن میرے خیال میں انگریزوں نے قبائلیوں کا اپنا بنانا یا کھیل مالا کنڈ میں خراب کر دیا وہاں نہرو اور اس کے ساتھیوں پر حملہ ہوا اور وہ زخمی ہوئے۔ جس سے سب کچھ ظاہر ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ملا کنڈ اور باقی ایجنسیوں میں ایک تو جغرافیائی فرق ہے۔ باقی ایجنسیاں قبائلی علاقے سے ملحقہ ہیں اور دوسری طرف افغانستان سے سرحد ملی ہوتی ہے۔ لیکن مالا کنڈ کے ایک طرف مردان کا ضلع تھا اور باقی اطراف میں سوات اور دیر کی ریاستیں تھیں۔ لازمی بات ہے کہ یہاں کے ملک ان باقی

ایجنسیوں کے ملکوں سے جڑھ کر پولیٹیکل تھا۔ اور اس کے خلاف رشوت کا ایک مقدمہ چل رہا تھا۔ جب وہ جنگ کے دنوں میں یہ کوہاٹ کا ڈپٹی کمشنر تھا اور وہاں ٹل میں زیر زمین موہ چے بن رہے تھے تو اس میں یہ بے پناہ دولت ہڑپ کر گیا تھا بلکہ یہاں تک کہا جاتا تھا کہ نقدی کے علاوہ اس کے گاؤں "شیخان" میں پورے جنگی کامیہ، اینٹ سرب، سینٹ وغیرہ بھی وہاں سے گیا تھا۔ تو یہ بیچ رڈ اور ضرورت سے زیادہ کارگزاری دکھا رہا تھا اور اس نے تمام کھیل کو بگاڑ دیا کیونکہ اور ایجنسیوں کے ملکوں کے متعلق تو پھر بھی لوگ یہ کہہ سکتے تھے کہ ان میں کچھ جان ہے لیکن بالاکنڈ کے متعلق تو یہ بات یقینی تھی کہ وہاں اگر پولیٹیکل ایجنٹ نہ چاہتا۔ تو اینٹ جواہر مال پر کوئی پھول بھی نہیں پھینک سکتا تھا۔ *

جواہر مال پر حملوں کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ صوبہ سرحد میں ب خدائی خدمتگاروں کی مقبولیت ختم ہو چکی ہے اور پشتون مسلم لیگ کی سیاست قبول کرتے ہیں۔ انگریز اپنے کان اور آنکھ بند کر چکے تھے اس طرف خیال ہی نہ تھا۔ کہ خدائی خدمتگار تحریک تو صوبہ سرحد کی تحریک تھی۔ اس کے رہنماؤں کو تو قبائلی علاقے میں جانے کی اجازت تک نہیں تھی۔ اسمبلی اور ممبر صوبہ سرحد کے تھے۔ انتخابات میں صرف صوبہ سرحد کے ضلعوں کا حصہ تھا۔ قبائلی کا دوسرے سے ووٹ ہی نہیں تھا۔ معلوم نہیں انگریز یہ دونوں باتیں کیسے غلط ملط کر رہا تھا۔ یہ چونکہ نہرو کے خلاف تھے۔ قبائل میں مظاہرے ہوئے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ صوبہ سرحد میں خدائی خدمتگاروں کا اثر ختم ہو چکا ہے۔ حقیقت میں انگریز کو چیف سیکرٹری ڈی۔ لا۔ فاک کی طرح بات معصوم تھی کہ قوم ابھی تک خدائی خدمتگاروں کا ساتھ ہے۔ تو اس کے سامنے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ وہ اپنے پولیٹیکل ایجنٹوں اور ماتحت عملے کے ذریعے اور اپنے حاجب خور ملکوں، مخواہ دار ملاؤں اور پیروں کے ذریعے قبائل میں اسلام کے نام پر کام کرے اور پھر قبیلوں کے اس عمل کو صوبہ سرحد کی منتخب اسمبلی اور قوم کے پسند کردہ وزارت کے خلاف استعمال کرے اور کوئی ایسا طریقہ لاگو نہ کرے کہ جیسے بھی ہو یہ صوبہ خدائی خدمتگاروں کے ہاتھوں سے چھین کر مسلم لیگ کے حوالے کرے تاکہ انگریز کے حکم بند کے منصوبے کے لئے مکمل جواز پیدا ہوا۔

• شیخ محبوب علی اور علی خاں انگریز استعمار کے دہمات ہی اہم اور خاص کارندے تھے شیخ محبوب علی نے نہ صرف یہ کہ باچا خان پر قحطیہ حملہ کروایا تھا بلکہ جب ہڈت نہرو قبائل کا دورہ کر رہے تھے تو ملاکنڈ میں استعماری کارہیوسوں کے ذریعہ اس دورے کو ناکام بنایا اور ان پر پتھر ڈال دیا گیا شیخ محبوب علی ڈیرہ اسماعیل خان کے ہندو مسلم فسادات کے بھی سرخونے صوبہ سرحد میں ہندو مسلم منافرت میں ان کا کلیدی کردار رہا ہے یہی وجہ ہے کہ انگریز نے ان کو لوہا ب کا اعزاز دی عہدہ دیا تھا۔ جناح صاحب کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق تھا۔ چنانچہ جناح صاحب جب صوبہ سرحد کے دورے پر آئے تو اینٹ ہوم کے بعد صرف ان ہی سے تنہائی میں طویل ملاقات کی وہ انہیں گورنر جنرل بنانا چاہتے تھے لیکن وہ ولی کا دورہ کرنے سے انکار کر گئے۔

صوبہ سرحد میں ایک اور تماشہ ہوا کہ مسلم لیگ سے جلسہ کروایا گیا۔ صوبے کے کونے کونے سے
 لاریاں بھر بھر کر لوگ لائے گئے۔ جلسے میں وائسرائے، ماؤنٹ بیٹن کو بھی بلایا گیا۔ تاکہ کننگھم
 پارک پشاور میں اس ہجوم کو دیکھ سکے اسے کہا گیا کہ یہ مشتعل ہجوم ابھی چھاؤنی اور گورنمنٹ ہاؤس پر حملہ
 بولنا چاہتا ہے۔ پولیس تو کیا فوج بھی اسے قابو نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر تم کہو تو تمہارے کہتے سے یہ لوگ
 واپس چلے جائیں گے۔ ورنہ بات ہمارے بس کی نہیں گورنر کیرو نے ماؤنٹ بیٹن کو یہ تاثر دیا کہ یہ اتنا
 عظیم الشان جلسہ صرف مسلم لیگ کر سکتی ہے۔ کننگھم پارک میں مسلم لیگ کا یہ عظیم الشان جلسہ تو اس
 بات کا ثبوت ہے یہ سرحد کے پشتون خدائی خدمتگاروں کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور مسلم لیگ میں شامل ہو
 چکے ہیں۔

دولت مشترکہ اور ڈومینین سٹیٹس

مسلم لیگ دلی میں اپنی بات پہ بھڑکتی اور جناح صاحب کوئی بات بھی ماننے کو تیار نہ تھے۔ انگریزوں کی مدد سے کی محنت رنگ لائی۔ وائس رائے ہند نے ہنگامہ مچا دیا اور اس کے ساتھ وزیر ہند ایمرے کی یہ پالیسی تھی کہ جتنے ہم مسلمان اور ہندو کے اس مسئلے پر زور دیں گے اور جتنے ان کے اختلافات بڑھیں گے تو اس مسئلے کو حل کرنے کا واحد طریقہ یہ جائے گا کہ انگریزوں دونوں جماعتوں کی طرف سے ثالث بن جائے اور اپنا منصوبہ پیش کرے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ مقام آپہنچا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شرکت پر انگریز کے اصرار نے ہندوستان میں بہت سے لوگوں کو یہ بات سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ کچھ بھی ہو۔ انگریز پورے طور پر مسلم لیگ کے ساتھ کھڑا ہے اور ہندوستان کی تقسیم کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے اور جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ فرقہ وارانہ دشمنی اور نفرت کی نفث اور گھمبیر ہوتی گئی۔ فسادات پورے ہندوستان میں ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ جب مسلم لیگ وفاقی عبوری حکومت میں شامل ہوئی تو محکموں کی تقسیم میں مسلم لیگ کو خزانہ کا محکمہ مل گیا تھا۔ اس وقت ہندوستان کے فنانس کے محکمے میں دو قابل اور ہوشیار مسلمان تھے۔ ایک ملک غلام محمد اور دوسرے چودھری محمد علی ان کو اس بات کا علم تھا کہ ہندوستان کی صنعتی اور تجارتی دولت پر غیر مسلموں کی اجارہ داری ہے تو وہ جب لیاقت علی خاں کے لئے پہلا بجٹ تیار کر رہے تھے تو ایسے ٹیکس لگائے کہ ان کا اثر انہی سرمایہ دار اور کارخانہ داروں کوں پر پڑ رہا تھا۔ کانگریس جو ساری عمر اپنی سیاست غریب حوام کی حالت بہتر کرنے کی بنیاد پر چلا رہی تھی۔ اس کے لئے یہ بات مشکل تھی کہ اس بجٹ پر اعتراض کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سرمایہ دار دوست مندرستہ اور کارخانے دار بھی اس بات پر مجبور ہوتے کہ یہ مطالبہ کریں کہ بہتر ہے اب اس مسئلے کا کوئی حل نکالا جائے یہ روز روز کی دھینگا مشقی سے اچھا ہے کہ مسلم لیگ کا مطالبہ مان لی جائے اور انہیں اپنا پاکستان دے دیا جائے وہ لوگ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اگر مسلم لیگ اس بات پر راضی ہے کہ بنگال تقسیم ہو جائے۔ کلکتہ ہندوستان کو دیا جائے اور بنگال کا لوہا اور کوئلہ ہندوستان کو دیا جائے۔ اور مسلمان صرف مشرقی پاکستان کے جو ہڑ اور سیم زدہ پتھر زمین

ے لے۔ تو کانگریس اس بات پہ کیوں معترض ہے اور اس طرح مغرب میں مسلم لیگ آدھے پنجاب سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہے اور اس پر بھی خوش ہے۔ تو اس پر تو پھر تقسیم پر کیا اعتراض ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے اندر بھی آہستہ آہستہ رائے عامہ کو تقسیم ہند کی طرف دھکیلا جاتا رہا۔

آخری فیصلے کا مقام اب آن پہنچا۔ تقسیم کا فیصلہ تو ہو چکا تھا۔ لیکن اب انگریز کا مقصد یہ تھا کہ کس طرح اب وہ ان دونوں ممالک کو اپنے ساتھ ڈومینین (Dominion) کی حیثیت سے برطانوی دولت مشترکہ میں رکھ سکے۔ پاکستان کی طرف سے اس پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ * حقیقت میں جناح صاحب نے بہت پہلے ماؤنٹ بیٹن کو یقین دلا دیا تھا کہ پاکستان ڈومینین کی حیثیت سے برطانوی دولت مشترکہ میں شامل ہوگا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس پر اس کا مذاق بھی اڑایا تھا کہتا ہے جناح صاحب بہت حیران ہوا کہ میں نے صرف یہ نہیں کہ اس بات میں دلچسپی نہیں لی۔ بلکہ اسے یہ کہا کہ جب اس کا موقع آئے گا تو تمہاری یہ تجویز حکومت برطانیہ کو پیش کر دی جائے گی۔ جناح صاحب کا تو یہ خیال تھا کہ گویا میں برطانیہ پر بہت بڑا احسان کر رہا ہوں۔ لیکن انگریز کا اصل مقصد ہندوستان سے تھا اور اس سلسلے میں ایک مشکل پیش تھی کہ جب ہندوستان کی مشترکہ منتخب اسمبلی کا اجلاس ہوا تو ہندوستان نے اپنے نئے (Republic) کی حیثیت پسند کی تھی۔ نہ کہ ڈومینین کی۔ لیکن دوسری طرف ہندوستان کی یہ رائے تھی کہ ہندوستان کی حکومت حقیقت میں برطانوی ہندوستان کی وارث ہے۔ اس وجہ سے وہ اس تسلسل کو جاری رکھنا چاہتی ہے اس میں مقصد یہ بھی تھا کہ چونکہ پاکستان ہندوستان سے الگ ہو رہا ہے۔ اس طرح یہ (Secession) کی تعریف میں آتا تھا۔ ہندوستان کو ایک مشکل یہ بھی درپیش تھی کہ ہندوستان میں چھ سو سے زیادہ ریاستیں تھیں۔ چونکہ ان ریاستوں کے معاہدے براہ راست تاج برطانیہ کے ساتھ تھے تو جب تک نئی حکومت تاج برطانیہ کی وارث تسلیم نہ ہو۔ ان ریاستوں کے مستقبل کے فیصلے مشکل ہوں گے۔ اب جبکہ ہندوستان نے دولت مشترکہ میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا تو انگریز کے راستے کی آخری رکاوٹ دور ہو گئی۔ اس میں تبدیلی کرنی تھی۔ صرف یہ کہ اب دولت مشترکہ میں۔ ڈومینین کے علاوہ ری پبلک بھی شامل ہو سکتی ہے تاکہ ہندوستان کے لئے شمولیت کی گنجائش نکل آئے۔

* چنانچہ 1956ء تک پاکستان نوآبادیاتی ہی رہا اور پاکستان کے پہلے گورنر جنرل نے بھی شہنشاہ برطانیہ کی وفاداری کا حلف لیا تھا۔ پاکستانی ترانہ میں قوم ملک و سلطنت میں مسطنت سے مراد برطانوی بادشاہت ہی ہے حالانکہ پاکستان مسطنت نہیں جمہوریت ہے اس طرح 1956ء کے آئین کے بعد ترانہ سے بہتہ جان استقلال نکال کر جان استقبال کر دیا گیا لیکن ہندو ملک کا سن دیکھ کر کارکن اور برطانوی حاشیہ بردار ہے اس لیے قانونی طور پر وہاں اب بھی کے بجائے ہائی کمیشن رکھتا ہے۔

انگریز مطمئن ہوا کہ اس کی فرقہ وارانہ سیاست آخر کار اپنے منطقی نتیجے پر پہنچی اور اب اس کی پالیسی Divide & Rule کی تھی۔ اب جبکہ وہ یہاں کسی صورت بھی حکومت نہیں کر سکتا تو قوم پرست اور سامراج دشمن طاقتور کو وہ اس سے بڑھ کر سزا نہیں دے سکتا کہ (تقسیم کرو اور حکومت کرو) کا نسخہ استعمال کرے اور جانے سے پہلے نہ صرف یہ کہ ہندوستان کو مذہبی بنیاد پر تقسیم کرے بلکہ ملک کے اندر فرقہ وارانہ اور مذہبی جنون کی ایسی جنونی فضا پیدا کرے، جس میں لاکھوں مخلوق خدا تباہ و برباد ہو۔ ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ خون میں نہائیں اور معلوم نہیں اس حیوانیت کا اثر کتنی آنے والی نسلیں پر پڑے گا۔

3/ جون کے منصوبے کا اعلان

(The Referendum)

ملک کے حالات ایسے تھے۔ انگریز کے ہاتھوں بوئے ہوئے پودے پر پھل لگ چکے تھے۔ فرقہ وارانہ تعصب کا یہ جنون اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ مسلم اور غیر مسلم کے مابین نفرت اور غارت کی حدود کو پھلانگ کر قتل و غارت تک پہنچ چکا تھا۔ اس کا ملالاج جناح صاحب کے کہنے کے مطابق آپریشن کے بغیر ناممکن تھا۔ ہندوستان جس میں ہندو اور مسلم صدیوں سے بھائی چارے پیار و محبت اخوت اور برادری شرافت اور انسانیت کی زندگی گزار رہے تھے اور جہاں مسلمانوں کی صدیوں تک پرامن حکمرانی رہی۔ آج اسی ہندوستان کو ٹکڑے ٹکڑے اور حصے بخرے کرنے کے لئے انگریز نے چھری تیز کی ہے۔ اس وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہندوستان کی تقسیم نہیں بلکہ مسلمانوں کی تقسیم ہو رہی تھی۔

2 جون کو ماؤنٹ بینٹن نے کانگریس اور مسلم لیگ کے تین تین ممبر اور ایک سکریٹری بلائے۔ ممبروں نے ماؤنٹ بینٹن کو بتایا کہ ویسے تو میں اور سردار پٹیل اس کانفرنس کے لئے آئے ہیں لیکن اب چونکہ اچار یہ کر پانی نے پارٹی کی صدارت سنبھالی ہے تو چونکہ جماعت کی ذمہ داری صرف وہ ہی قبول کر سکتا ہے تو جب وائسرائے اپنا منصوبہ پیش کرے تو اس کی موجودگی بھی ضروری ہے۔ اس بات کا علم جب جناح صاحب کو ہوا تو اسی جہاد کے مطابق اس نے بھی تیسرے ممبر کا مطالبہ کیا اور اپنے ساتھ نواب زادہ لیاقت علی خان کے نام کے ساتھ سردار عبدالرب نشتر کا نام بھی دے دیا۔ نشتر صاحب کا مسئلہ بھی عجیب تھا اس کا نام جب مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں بطور ایک وزیر کے پیش کیا۔ تو اس وقت کانگریس نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ یہ کس حیثیت سے صوبہ سرحد کی نمائندگی کا دعویٰ کر سکتا ہے کیونکہ ابھی 1946ء کے انتخابات میں اپنے گھر پلو حلقے یعنی پشاور میں الیکشن ہار چکا ہے تو ایک آدمی جو صوبائی اسمبلی میں ممبر شپ کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہ مرکز میں کس منہ سے تمام صوبے کی نمائندگی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ آخر کانگریس سے اس بات پر فیصلہ ہوا کہ وائسرائے خدائی خدمتگاروں کے رہنما (خان عبدالغفار خان) با چا خان سے پوچھ لیں گے اگر وہ اعتراض کریں تو پھر حقیقت میں وہ صوبہ سرحد کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ با چا خان سے پوچھا

گیا۔ ہاچا خان نے کہ۔ سردار جو کچھ بھی ہے ایک پشتون ہے۔ میں اعتراض نہیں کرتا۔ جبکہ وائسرائے نے برطانوی حکومت کی طرف سے بچے منصوبے کی تفصیلات اس جرگے کو پیش کیں۔

بنگال کی تقسیم، پنجاب کی تقسیم، آسام کے ایک ضلع میں رائے شماری اور صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ یا ہندوستان میں۔

بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے لئے باؤنڈری کمیشن (Boundry Commissoion) مقرر ہو گا۔ کہ ان صوبوں کی تقسیم کی حد کیجئے۔ اس کا فیصلہ قطعی ہو گا اور کوئی بھی فریق اس کے سامنے سے انکار نہیں کر سکتا۔

اس کے ساتھ یہ بھی علان کیا۔ یہ اگر چہ انگریزوں نے 48ء جون تک کا وقت مقرر کیا تھا لیکن کوشش یہ ہوگی کہ جتنی جلدی ہو سکے۔ اختیار اس سے پہلے سوچے جائیں۔

ماؤنٹ بیٹن نے جب پلان کی یہ تجویز پیش کیں تو ساتھ میں یہ بھی کہا کہ میں ابھی فوراً جواب نہیں دے سکتا تم لوگ اپنی اپنی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بلاؤ اور پھر مجھے اپنے فیصلے بتا دو۔ جناح صاحب نے یہ سوال اٹھایا کہ مسلم لیگ کی کونسل کو بلانا پڑے گا۔ چونکہ کانگریس یہ بات پہلے، وائٹ بیٹن کو بتا چکی تھی کہ جناح صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنا فیصلہ سنائے میں یہ تسلیم کرتا ہوں اور اس بات کا انتظار کرتا ہوں کہ اسے کانگریس کے فیصلے کا علم ہو۔ پھر اس کی روشنی میں اپنے فیصلے کرتا ہے جو اس مرتبہ کانگریس، وائٹ بیٹن سے اس بات پر مصر تھی کہ وائسرائے کی طرح کام نہ کرے۔ وہ کانگریس کا تمام کا تمام حال جناح صاحب کو بتا دیتے تھے بلکہ ایک وقت مقرر کیا جائے کہ اسی مقررہ وقت پر دونوں فریق اپنے فیصلے وائٹ بیٹن کے پاس لائیں گے۔ جناح صاحب نے وعدہ کیا کہ میں آج رات تک اپنی جماعت کا فیصلہ وائسرائے تک پہنچا دوں گا۔

ماؤنٹ بیٹن کہتا ہے کہ جناح صاحب آدمی رات کو آگئے۔ مجھے کہا کہ میں تو مسلم لیگ کا ایک آئینی سربراہ ہوں اور فیصلے کا اختیار تو صرف مسلم لیگ کی کونسل کو ہے وائٹ بیٹن لکھتا ہے کہ میں نے بہت مغر خوری کی کہ اس مرتبہ کانگریس کسی صورت نہیں، نئی اور مسلم لیگ کا قطعی جواب مانگتی ہے۔ لیکن جناح صاحب کوئی بھی بات ماننے کو تیار نہ تھے۔ وائٹ بیٹن آخر کار مجبور ہوا اور جناح صاحب کو کہا کہ میں تمہیں قطعاً یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ یہ ایک فیصلہ جو ہم نے اتنی مصیبت اور تکلیف سے کر لیا ہے۔ اسے تم تباہ و برباد کر ڈالو اور اگر تم اسے مسلم لیگ کی طرف سے قبول کرنے کی ذمہ داری نہیں لیتے تو میں اسے مسلم لیگ کے لئے قبول کر لوں گا۔

Mr. Jinnah I do not intend to let you wreck all the work that has

gone into this settlement. Since you will not accept it for the Muslim League, I will speak for them myself. (p.103)

(Campbell Jahnson Mission with Mountbatten.P.103)

ترجمہ:- ”مسٹر جناح میں آپ کو اس بندوبست کے لئے کی گئی ساری محنت کو ضائع نہیں کرنے دوں گا کیونکہ آپ اسے مسلم لیگ کے لئے تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ میں خود ان کی طرف سے بات کروں گا۔“

(صفحہ 103 - مشن ودھ، ماؤنٹ بیٹن - کیسبل جانسن)

وائسرائے یہاں پر بھی نہ رکا۔ آگے چل کر جناح صاحب کو کہتا ہے کہ کل صبح جب یہ رہنما مل بیٹھیں گے تو میں اعلان کر دوں گا کہ جناح صاحب نے مجھے تسلی دی اور میں اس سے مطمئن ہوں اور تم اس کی تردید نہیں کرو گے۔ بلکہ اس اعلان کے بعد جب میں تمہاری طرف دیکھوں تو تم سر ہلا دو گے۔ مطلب یہ کہ وائسرائے جو کچھ کہتا ہے۔ سچ کہتا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کہتا ہے کہ اس وقت بھی جناح صاحب نے اپنا سر ہلا دیا حقیقت میں یہ تو صاف واضح ہے کہ تقسیم ہند کا وہ فیصلہ جو تین جون کے منصوبے کے نام سے موسوم ہے۔ مسلم لیگ یا جناح صاحب نے خود منظور ہی نہیں کیا بلکہ یہ منظوری مسلم لیگ کی طرف سے وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خود دی تھی۔ اس دھوے پر کہ مسلم لیگ کی نمائندگی کرنے اور ان کی طرف سے بات کرنے کا اجازت نامہ اس کے پاس ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ اجازت یا اختیار مسلم لیگ نے اسے دیا تھا یا اس نے اپنی زبردستی سے استعمال کیا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ان سرکاری دستاویزات میں موجود ہے جو ان کے اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی محفوظ پڑی ہوئی ہیں۔

ریفرنڈم

ریفرنڈم کے اعلان کے ساتھ صوبے کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی یہ کہا گیا کہ اگر استصواب کے ذریعے قوم کی رائے معلوم کرنا ہے تو وہ ظاہر ہو چکی ہے کیونکہ ایک سال پہلے انتخابات میں صرف یہ نہیں کہ خدائی خدمتگاروں نے صوبے کے کل رہنے والوں کی سطح پر بلکہ مسلمان ووٹروں کی گنتی میں مسلم لیگ کو شکست دے دی تھی۔ تو ایک سال بعد پھر کوئی چیز معلوم کرنی ہے جس کے لئے ریفرنڈم کا اعلان ہو گیا ہے۔ صوبے کے فیصلے کی روشنی میں کانگریس کے مرکزی رہنماؤں نے بھی یہ بات مان لی کہ وہ ریفرنڈم کی مخالفت کریں گے۔ ان دنوں ماؤنٹ بینن شملہ گیا۔ وہاں جواہر لال نہرو کو بھی مدعو کیا۔ وہاں سے جب یہ واپس آ رہے تھے تو اعلان ہوا کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہوگا۔ جواہر لال نے ان کے ساتھ یہ بات مان لی تھی جواہر لال نے کہا کہ میں نے یہ تمام بات صوبے کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب سے تفصیلی طور پر کر لی تھی اور اس نے ریفرنڈم مان لیا تھا۔ خدائی خدمتگاروں کا ریفرنڈم پر پہلا اعتراض یہ تھا کہ جب کانگریس اور مسلم لیگ کی توثیق کر دی ہے اور جب ہم اپنے آپ کو کانگریس کے فیصلوں کا پابند تسلیم کرتے ہیں اور ورکنگ کمیٹی میں ہماری نمائندگی باچا خان / خان عبدالغفار خان خود کرتے ہیں۔ تو ہم تقسیم مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ صوبہ سرحد پاکستان کا حصہ ہو تو پھر اس ریفرنڈم کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے کس لئے کرتے ہو اور کس کے ساتھ کرتے ہو۔ نتیجہ اور کچھ نہ ہوگا۔ ماسوائے اس کے کہ محاذ آرائی کی صورت پیدا ہو اور فرقہ وارانہ سیاسی فضا مکدر ہو۔ جبکہ حالات اس قدر خطرناک اور دھماکہ خیز ہیں۔ لیکن مسلم لیگ اور انگریز کے اس ریفرنڈم سے اپنی مقاصد وابستہ تھے۔ مسلم لیگ کا پہلا مقصد تو یہ تھا کہ مسلم لیگ یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ پاکستان صرف اور صرف ان کے کہنے اور مطالبے پر حاصل ہوا ہے اور یہ بھی کوشش تھی کہ یہ تاثر دے سکیں کہ خدائی خدمتگاروں نے اسلامی مملکت کے قیام کی مخالفت کی۔ اس لئے تو نوبت استصواب تک پہنچ گئی۔ اس مقصد کے لئے صوبہ سرحد کے لئے انگ روپیہ اختیار کر لیا گیا۔ پورے ہندوستان کے مسلم اکثریتی صوبوں میں اسمبلیوں سے رائے مانگی گئی۔ بنگال اور پنجاب کی اسمبلیوں نے تقسیم کے حق میں درٹ دیئے اس لئے بنگال اور پنجاب تقسیم ہوئے۔ سندھ اسمبلی نے بھی پاکستان کے متعلق پوچھا تھا تو سرحد سے کیوں نہ پوچھا گیا۔ بات تو بالکل واضح تھی کہ یہاں اسمبلی میں

خدائی خدمتگاروں کی اکثریت تھی تو اس لئے نہ پوچھا اگر پاکستان کے حق میں فیصلہ کیا تو یہ فیصلہ خدائی خدمتگاروں کا ہوتا اور مسلم لیگ یہ پوزیشن ماننے کو تیار نہ تھی اور نہ ہی انگریز اس بات پر آمادہ تھا۔

مسلم لیگ کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ انہیں معلوم تھا کہ خدائی خدمتگار ریفرنڈم میں حصہ نہیں لے رہے پھر تو ریفرنڈم میں ضرور پاکستان کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ جب ریفرنڈم کے نتیجہ کا اعلان ہو جائے گا۔ تو مسلم لیگ کو ٹھٹھے پر چڑھ کر پکارے گی کہ ہم نہ کہتے تھے کہ قوم کا اعتماد خدائی خدمتگاروں پر سے اٹھ چکا ہے کیونکہ صوبہ سرحد کی سیاست نے بالکل کروٹ بدل لی ہے اور اسی طرح اس ریفرنڈم کو صوبائی حکومت پر عدم اعتماد کا نام دے کر مطالبہ کریں گے کہ اب وزارت کو چاہئے کہ قوم کا فیصلہ مان لے اور استعفیٰ دے دے اور اگر یہ وزارت استعفیٰ نہ دے تو پھر گورنر جنرل کو چاہئے کہ اس وزارت کو برطرف کر دے اور اس طرح یہ صوبہ خدائی خدمتگاروں سے جھین کر مسلم لیگ کو تختہ دار دے۔

دوسری طرف جب خدائی خدمتگار اس نتیجے پر پہنچے کہ جیسے بھی ہوا انگریز یہ ریفرنڈم کر کے رہے گا۔ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر ریفرنڈم ہندوستان اور پاکستان کے مسئلے پر ہوتا ہے تو یہ بات تو فیصلہ ہو چکی ہے کہ صوبہ سرحد پاکستان کا حصہ ہوگا۔ پھر ریفرنڈم کی قطعی ضرورت نہیں۔ اگر انگریز خواہ مخواہ اپنا شوق پورا کرنا چاہتا ہے تو پھر حق خود ارادیت کے اصولوں کے تحت اس صوبے کے لوگوں کو بھی اختیار دے دے کہ اگر وہ ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ جانا نہیں چاہتے تو انہیں یہ اجازت ہو کہ یہاں ان کا ایک آزاد صوبہ قائم ہو۔ یعنی ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ آزاد پشتونستان کا یہ نکتہ بھی ریفرنڈم میں شامل کر دے۔

اس تیسرے مشن کا مطالبہ باؤنٹیشن نے نامعلوم کر دیا تو اس وجہ سے خدائی خدمتگاروں نے پھر اعلان کر دیا کہ چونکہ ان دو مسئلوں پر فیصلہ ہو چکا ہے تو اس پر ریفرنڈم بے مطلب اور بے مقصد ہے اس لئے خدائی خدمتگار اس ریفرنڈم کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔

یہاں یہ کہ انگریز کی دو عملی اور پاکستان کے رہنماؤں کی بے اصولی نوٹ کرنے کے مافیہ ہے کہ جب تقسیم بنگال کا مسئلہ پیدا ہوا اور وہاں کے مسلم لیگی وزیر اعلیٰ حسین شہید سہروردی نے یہ تجویز پیش کی کہ بنگال متحد رہے اور آزاد رہے۔ تو جناح صاحب اس تجویز پر تو خوش تھے فوراً منظور کر لیا لیکن یہاں صوبہ سرحد میں وہی مطالبہ خدائی خدمتگاروں نے کیا تو وہ اسلام کے دشمن اور پاکستان کے خدا بن گئے۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ متحدہ بنگال میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی آبادی کا تناسب 54% اور 46% تھا۔ وہاں تو مسلمانوں کو یہ خطرہ لاحق ہو سکتا تھا کہ اگر غیر مسلم کوشش کریں اور چند مسلمان اپنے ساتھ ملا لیں تو اس کی وزارت پر مسلمانوں کی جگہ غیر مسلموں کا قبضہ ہو سکتا ہے لیکن یہاں صوبہ سرحد میں تو اس قسم کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی کہ اس صوبے میں بھی کبھی غیر مسلموں کی حکومت بن سکتی ہے کیونکہ یہاں مسلمانوں کی آبادی 93%

تھی۔ دوسرے آزاد بنگال کی حکومت ہمیشہ مسلمانوں کی محتاج ہوتی۔ یہاں تو یہ مجبوری بھی نہ تھی لیکن کھوم پھر کر بات وہاں آ کر رہ جاتی ہے کہ انگریز اسلام کا ایک نظریاتی طوق روس کے اشتراک کی نظام کے گلے میں ڈالنا چاہتا تھا اور خدائی خدمتگار تو کیا اس رستے میں انگریز کسی قسم کی رکاوٹ کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کا یہ فیصلہ تھا کہ جب تک قوم پرست اور سامراج دشمن قوتوں کو راستے سے ہٹا نہ دیا جائے وہ اپنا منصوبہ مکمل نہیں کر سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ خدائی خدمتگار رہنماؤں کو یہ یقین تھا کہ مسلم لیگ کے رہنماؤں پر جو جونی کیفیت طاری ہے اور مار دھاڑ پر اتر آئے ہیں وہ پاکستان بننے تک ہے اور جب یہ پاکستان بن جائے گا تو پھر یہ اتنی دیوانگی اور خواہ مخواہ کا الجھ و شتم ہو جائیگا۔ ورنہ حقیقت میں خدائی خدمتگاروں نے اس وقت مقابلے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کے لئے راستہ بھی موجود تھا۔ بلکہ میں نے خود اس رستے کی نشاندہی کی تھی۔ بات واضح تھی کہ اگر خدائی خدمتگار آزاد پشتونستان چاہتے اور انگریز کی طرف سے انہیں یہ حق نہیں دیا گیا تو اس سے نکلنے کا تو آسان طریقہ تھا۔ اس وقت ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی پر کانگریس کا مکمل قبضہ تھا۔ اگر خدائی خدمتگاروں نے اس اسمبلی سے یہ تجویز پاس کر لی ہوتی کہ اگر آنے والے ریفرنڈم میں صوبہ سرحد کے لوگوں نے ہندوستان کے ساتھ شمولیت کا اعلان کر لیا تو ہندوستان اس صوبے کو مکمل آزادی دے دے اور اس آزادی کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کرے گا۔ اور پھر قوم کو یہ بتایا جاتا کہ اگر آزاد پشتونستان چاہتے ہو تو ہندوستان کے ساتھ شمولیت کے حق میں ووٹ دے دو لیکن میرا خیال ہے کہ اس وقت ہم سب مسلم لیگ کی ظاہری شرافت، اسلامی جذبہ کے اظہار اور اپنی سادگی سے دھوکا کھا گئے۔

ان دنوں میرا ایک مسلم لیگی دوست میرے پاس آیا۔ کہا بچو مانتے ہو کہ تمہیں کیسے کس کر ہاندھ لیا ہے۔ اب تم لوگ یہاں پھنس گئے ہو اور ہندوستان وہاں رہ گیا ہے۔ سچ میں پنجاب آ گیا ہے۔ اب ریفرنڈم میں یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہندوستان کے ساتھ شامل ہونا ہے۔ میں نے ہنس کر کہا مسلم لیگی ہونا۔ یہ ملکوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور اس کے حصے بخرے بنانا۔ تمہارا اور تمہارے آقا انگریز کا کام ہے ہم بتایا کرتے ہیں بگاڑتے نہیں۔ ورنہ اگر تم لوگوں کی طرح سیاست ہم بھی کرتے تو کیا تم یہ بات بھول چکے ہو کہ تمہارے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔ تم تو سرحد سے ڈیڑھ ہزار میل دور مشرق کہ ملک بنا سکتے ہو۔ تو میرے لئے تو صرف تین میل بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ تمہارے مشرقی اور مغربی حصے کے درمیان تو تمہارے کہنے کے مطابق ایک کافر اور دشمن ملک ہے۔ میری سرحد پر تو مسلمان اور پنجابی بھائی ہوگا۔

آخر کار حکومت ہند نے ریفرنڈم کی تیاریاں شروع کر دیں۔ صوبہ سرحد کے گورنر کیرو کو ہٹا دیا گیا اور اس کی جگہ (Sir Robb Lock Hart) سر راب لاک ہارٹ گورنر مقرر ہوا۔ اس کی سرپرستی میں

ریفرنڈم کر لیا گیا۔ اگرچہ خدائی خدمتگاروں نے ہائیکاٹ کا اعلان کیا تھا اور ریفرنڈم کا نتیجہ صاف ظاہر تھا لیکن اس کے باوجود بھی مسلم لیگیوں نے انتہائی زور لگایا تھا۔ نفرت، حقارت اور اشتعال دلانے کے لئے پشتونوں کے علاوہ ہندوستان کے کوئے کوئے سے رہنما آتے تھے۔ یہاں تک کہ علی گڑھ کے طالب علم پورے صوبے میں بکھرے ہوئے تھے۔ لیکن پولنگ کے دن تو اتنی بے ایمانی کی جس کی مثال ملنی مشکل تھی۔ غصہ اور بوس دوٹ ڈالے گئے۔ ہمارے رہنماؤں کے دوٹ پول ہوئے۔ اس سلسلے میں دو واقعات بیان کرنے کے قابل ہیں، ایک تو مرزا سکندر نے خود مجھے بتایا جو اس وقت ہزارہ کاڑھی کشن تھا کہ اس دن پولنگ کے سلسلے میں مختلف پولنگ شیٹوں کو دیکھتے ہوئے گلیات کے ایک پولنگ شیٹ پر گیا۔ جب محلے سے پوچھا تو انہوں نے نہایت فخر سے کہا کہ صاحب اس شیٹ پر تو کل مل کر 200 ووٹ ہیں کیونکہ پہلی حدیقت ہے لیکن اب تک ہم 210 ووٹ پول کر چکے ہیں ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ میں نے بہت شور مچایا کہ یہ تم لوگوں نے کیا فضا کیا اگر کسی نے اعتراض کیا تو ہم کیا جواب دیں گے۔ ایک دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ بعد میں جب 1970ء کے انتخابات کے نتیجے میں صوبہ سرحد میں نیشنل حوامی پارٹی کی حکومت بنی اور کافی مسلم لیگی ہمارے ساتھ شامل ہوئے تو ان میں ایک مسم لگی خاتون* نے مجھے کہا کہ میں نے ریفرنڈم میں اپنے ہاتھ سے 51 ووٹ ڈالے تھے۔ میں نے کہا بی بی، یہ ایک ووٹ تو تمہارا اپنا ہوگا۔ اپنے ہی میاں کے نام کا۔ لیکن ہاتی یہ پچاس ووٹ ڈالنے کے بعد تم نے تجدید نکاح کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ تم نے خدائی زبان سے پولنگ کے عیسے کے افسران کے سامنے بیان دیا کہ میں فلاں کی منکوحہ ہوں۔ تو اپنے خاوند کے نکاح میں رہتی ہو۔ ان پچاس آدمیوں کے نکاح کی مناسبت کی کیا حیثیت ہوگی۔ پر مزے کی بات تو یہ ہوتی کہ ان پچاس میں سے ایک آدمی بھی آکر کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا کہ تم میری منکوحہ ہو۔ کیونکہ اپنی زبان سے اقرار کر چکی ہو تو پھر کیا بننا اور کیا ہونا۔

لیکن انگریز مسلم لیگ سرکاری افسران سب کی ملی جلی دھاندلی کے باوجود نتیجہ کچھ یوں تھا۔

5,72,799	ووٹوں کی کل تعداد
51%	پول شدہ ووٹ
2,92,118	
50.50%	پاکستان کے حق میں
2,89,244	
2,874	ہندوستان

بہر حال یہی ریفرنڈم کی اصل حقیقت تھی۔ ان سب بے ایمانوں اور جعلی ووٹوں کے باوجود صرف 50% لوگوں نے ووٹ دیا ہے اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان دنوں عام ووٹ نہیں یہ خاتون یوسف شک کی بہن مشہور مسلم لیگی رہنما تھی جو یوں کے کوئے پر 1970ء کی اسمبلی بنی تھی۔

تھا بلکہ مخصوص تھا۔ اس لئے تو صوبہ سرحد کی 35 لاکھ آبادی میں صرف 6 لاکھ ووٹر تھے۔ بلکہ یہ کہ یہ ریفرنڈم صرف صوبہ کے چھ اضلاع میں ہوا تھا۔ صوبہ سرحد سے ملحق چھ ایجنسیاں بھی اس سے باہر تھیں۔ قبائلی علاقہ شامل نہ تھا اور تو چھوڑیں۔ سوات، دیر، چترال اور مہاراجپور کی ریاستیں بھی شامل نہ تھیں۔ تو یہ سب آبادی ملا کر تقریباً سترہ لاکھ افراد بنتے ہیں۔ ان میں صرف تین لاکھ بلکہ اس سے کم لوگوں نے ووٹ دیا ہے۔ ویسے بھی بین الاقوامی اداروں کی طرف سے جب حق خودارادیت استقامت ہوتا ہے تو اس کے قطعی فیصلہ تسلیم کرنے کے لئے چاہئے۔ 2/3 یا 76 فیصد ووٹ پڑیں۔ تو اگر خدائی خدمتگار اس ریفرنڈم پر اعتراض کرنا مناسب سمجھتے تو قانونی اور اخلاقی طور پر ان کا اعتراض صحیح ہوتا لیکن چونکہ خدائی خدمتگار اس ریفرنڈم کو غیر ضروری سمجھتے تھے تو اس لئے اس بات پر انہوں نے اپنا وقت ہی ضائع نہ کیا۔ بلکہ کوشش یہ تھی کہ گزشتہ تلخ اور اشتعال انگیز مسئلوں سے آہستہ آہستہ کر کے خود کو نکالے اور جب کہ انگریز بستر گول کرنے پر مجبور ہو گیا ہے اور خدائی خدمتگاروں کی ان عظیم قربانیوں اور بے پناہ شجاعت رنگ مائی اور عورتوں کے ارمان پورے ہو چکے ہیں تو اب چاہئے کہ کوشش کریں کہ مجذباتی اور نفاق کی فضا ختم ہو جائے۔ دشمن انگریز ملک میں سے نکل گیا، اب تو اپنے رائے رکھتے ہیں۔ چاہئے کہ ملک کی آبادی کا کامل کر شروع کریں تاکہ انگریز کے ہاتھوں سے چھینی ہوئی زندگی کی تسکینوں اور کامرائوں سے پشتوں کے بھوکے ننگے بچوں کو نئی زندگی دے سکیں۔

جیسے توقع تھی۔ ریفرنڈم کے نتیجے کے اعلان کے ساتھ ہی مسلم لیگ نے پنج و پکار شروع کی کہ قوم اپنا فیصلہ سن چکی ہے اور ریفرنڈم کے ذریعے موجودہ حکومت پر عدم اعتماد کا اظہار کر لیا ہے۔ اب چاہئے کہ حکومت استعفیٰ دے دے۔ ایسا نہیں کہ مسلم لیگ کو یہ معلوم تھا کہ ریفرنڈم کا صوبائی حکومت سے کیا تعلق تھا۔ ریفرنڈم تو ہندوستان اور پاکستان کے نام پر ہوا تھا اور اس میں حکومتی جماعت نے حصہ بھی نہیں لیا تھا۔ وزارت کا اعتماد اور اعتماد تو اسمبلی سے وابستہ ہے۔ یہ اتنا زور مسلم لیگوں نے دوسری وجہ سے بھی لگایا تھا۔ موجودہ آئین کے تحت گورنر جنرل کو یہ اختیار تھا کہ وہ ایک صوبائی وزارت کو برطرف کر دے بلکہ جس آئین کا اعلان آزادی کے سلسلے میں انگریز نے کیا تھا تو اس میں اختیار صوبوں کو دے دیا تھا اور گورنر جنرل کو یہ اختیار نہ تھا کہ ایک صوبائی وزارت کو برطرف کر دے۔ تو اس وجہ سے مسلم لیگ کے رہنماؤں کی یہ کوشش تھی کہ پہلے تو وزارت خود استعفیٰ دے دے اور اگر یہ استعفیٰ نہیں دیتے تو پھر گورنر جنرل کو چاہئے کہ انہیں برطرف کر دے چنانچہ اس قسم کی بات جناح صاحب نے مائنٹ بینٹن سے خود کی اور اس سے یہ خوشی کی کہ صوبہ سرحد کی وزارت کو برطرف کر دے لیکن مائنٹ بینٹن نے یہی کہا کہ ریفرنڈم کا صوبائی وزارت سے کوئی تعلق نہیں۔ تم اگر صوبہ سرحد کی وزارت کو ہٹانا چاہتے ہو تو اس کے لئے آئینی طریقے موجود ہیں تم لوگ ان کے خلاف اسمبلی کے ذریعے عدم اعتماد کا ووٹ پاس کرو۔ یہ بھی کہا کہ میں یہ وزارت برطرف نہیں کر سکتا۔ درجب اختیار تم لوگوں کے ہاتھ میں آ جائے پھر تمہاری اپنی مرضی۔

گورنر جنرل کا انتخاب

وہاں دلی میں دو تین واقعات ایسے ہوئے جو انگریز کی توقع کے بالکل خلاف تھے۔ جن میں دو کا تعلق ہندوستان سے تھا اور ایک کا تعلق پاکستان سے۔ ہندوستان کا اختیار تو اس ملک کی قوم پرست جماعت کانگریس کو سونپ دیا گیا۔ وہاں یہی انقلابی لیڈر شپ موجود تھی جو انگریزوں کے خلاف سالہا سال جدوجہد کی تھی۔ مرد، عورتوں نے بے پناہ قربانیاں دی تھیں۔ ان کا مقابلہ سامراج انگریز سے تھا اور لڑی بات تھی کہ وہاں تعلقات میں ایک قسم کی سختی اور تلخی تھی۔ انگریز کو بھی یہ معلوم تھا کہ اس کا رویہ ہندوستانیوں کے ساتھ دشمنی پر مبنی تھا۔ اور سب سے زیادہ اس وقت جب کانگریس نے مکمل خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اور اس سلسلے میں اتنی تحریکیں چل چکی تھیں اور ان تحریکوں کو کچلنے کے لئے انگریز نے کتنے ظلم و تشدد سے کام لیا تھا۔ خصوصیت سے ہندوستان چھوڑ دو (Quit India) تحریک کے سلسلے میں تو نوبت ہوائی جہازوں سے بمباری تک آن پہنچی تھی۔ تو وہاں تو سوائے دشمنی، نفرت اور فحاشی کے اور کوئی نتیجہ نکلا ہی نہ ہوگا۔ انگریز کو یہ بھی معلوم تھا کہ ہندوستان کے موجود رہنما اور ان کے ماحکوں ہیردکار اس آگ کے کھیل سے گزر چکے ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر جاتے جاتے انگریز نے ملک میں جو حالات پیدا کئے تھے اور مذہبی جنونی اور فرقہ واریت کی، ایک ایسی آگ پورے ملک میں بھڑکائی تھی تو ہندوستان کے ان رہنماؤں کے دس کیونکر انگریز کے لئے صاف ہو سکتے تھے اور پھر جب ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی نے اپنے لئے ڈومنین کی جگہ (Republic) کی حیثیت قبول کر لی تھی تو انگریز پر ان کی سوچ اور بھی واضح ہو گئی۔ مگر جب انہوں نے دولت مشترکہ میں رہنے کا فیصلہ کیا تو انگریز کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہندوستان اس پر تیار ہے کہ (Republic) کی حیثیت سے برطانوی دولت مشترکہ British Common Wealth میں شامل ہو جائے اور برطانیہ کی ملکہ معظمہ کی سربراہی میں اس ادارے کی ممبری قبول کرے۔ انگریز حیران تھا۔ دلی سے لے کر لندن تک تمام حاکم یہ سوچنے پر مجبور تھے کہ کانگریس کے رہنما کتنی سیاسی عقل اور بصیرت رکھتے ہیں۔ قوی اور ملکی مفادات کو اپنی ذات اور شخصی مفادات پر ترجیح دیتے ہیں۔

لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت انگریزوں کو اس بات سے ہوئی کہ کانگریس کے رہنماؤں نے یہ

فیصلہ کر لیا کہ اس عبوری دور کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہی ہندوستان کے نئے آئین کے تحت ہندوستان کا گورنر جنرل رہے گا۔ انگریز کیا پوری دنیا حیران تھی کہ ایسے مشکل حالات میں اور ہندوستان کی نئی مملکت کے مستقبل کے فیصلوں اور پالیسیوں کے اس نازک وقت میں قوم کے مانے ہوئے لیڈر اور موجودہ رہنما اختیار ایک انگریز کو سونپ رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مدبر اور دور اندیش سیاسی جماعت کا کارنامہ تھا کہ یہ رہنما ذاتی دشمنی نہیں رکھتے اور انہوں نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ سب کچھ اپنے ذاتی جاہ و جلال اور شخصی منصوبوں کے لئے نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کے سامنے سب سے پہلے ملکی اور قومی مفاد تھا۔

اس کے مقابلے میں ماؤنٹ بیٹن کے سیکرٹری کیمپ بیل جانسن کے کہنے کے مطابق جناح صاحب کی طرف سے یہ یقین دہانی کر لی گئی تھی کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن دونوں ڈومینین کا مشترکہ گورنر جنرل ہوگا۔

Provision had been made in the Act, on Mr Jinnah's suggestion for Lord Mount Batten to be Governor General of both Dominions & for some time it seems as if this might be acceptable, but at the last moment Mr Jinnah decided otherwise. (P.335) Campbell Johnson Mission with Mount Batten.

ترجمہ۔ ”مسٹر جناح کے کہنے پر ایکٹ میں تجاویز پیدا کی گئی کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن دونوں ڈومینین کے گورنر جنرل بن سکیں اور کچھ عرصہ کے لئے یوں لگا کہ یہ قابل قبول بھی ہوگا مگر آخری لمحے مسٹر جناح نے اس کے برعکس فیصلہ کیا۔“

(335 مشن وڈھ ماؤنٹ بیٹن از کیمپ بیل جانسن)

اور یہی اطلاق اس نے حکومت برطانیہ کو بھی دی تھی۔ پھر جب فیصلے کا وقت آیا اور ماؤنٹ بیٹن نے جناح صاحب کو ان کے فیصلے کے متعلق بتایا تو جناح صاحب بات کو اس بہانے طول دیتے رہے کہ ساتھیوں سے مشورہ کرنا ہے۔ کیمپ بیل جانسن لکھتے ہیں کہ جناح صاحب کے سب ساتھیوں نے یہ تجویز پیش کی۔ گو پاکستان کو بہت مسائل کا سامنا ہے صوبوں کی تقسیم کا مسئلہ ہندوستان کے ساتھ فوج۔ ساز و سامان، اثاثے اور اس کے ساتھ ہی نقد رقوم وغیرہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ پاکستان کا مفاد اس میں ہے کہ اس عبوری وقت کے لئے یہی ثالث ماؤنٹ بیٹن گورنر رہ جاتے۔ کیمپ بیل کہتا ہے کہ جناح صاحب ہفتوں اس فیصلے کو لئے بیٹھ رہا اور آخر کار اس نے فیصلہ سنایا اور جناح صاحب کا فیصلہ جناح صاحب کے حق میں تھا کہ وہ پاکستان کے گورنر جنرل رہیں گے:

He has at long last "come clean" Jinnah's (P 127) Campbell,

Jahnsen

(P. 127 Campbell Johnson)

ترجمہ: "وہ بالآخر صاف نکلا ہے اور جناح کا فیصلہ جناح کے حق میں جاتا ہے۔"

(صفحہ 127 کمپبل جانسن)

اس سلسلے میں ماؤنٹ بیٹن لکھتا ہے کہ مجھے جب جناح صاحب کے فیصلے کا علم ہوا تو میں نے اسے سمجھا یا کہ تمہارے اس فیصلے میں کس قدر مشکلات اور نقصانات ہیں۔ تمہاری نئی مملکت کے لئے لیکن جناح نے یہ سب کچھ سننے کے بعد ایسا جواب دیا جس سے ماؤنٹ بیٹن خاموش ہو گیا۔ جناح صاحب نے کہا کہ مشترکہ گورنر جنرل نہ بنانے میں جتنی مشکلات، پیچیدگیاں اور نقصانات ہیں۔ ان کا مجھے علم ہے لیکن تم یہ بتاؤ کہ جب پاکستان قائم ہو تو اس مملکت میں میرے مناسب کونسا منصب یا مقام ہو گا کہ میں اسے قبول کروں تو جناح صاحب نے کہا کہ میری نظر میں میری حیثیت کے مطابق یہی ایک مناسب منصب ہے۔ "گورنر جنرل" جسے میں 15 اگست کو قبول کر لوں گا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس کے جواب میں کہا کہ گورنر جنرل کا منصب تو صرف ایک آئینی سربراہ کا ہوتا ہے۔ تمام اختیارات تو وزیراعظم کے پاس ہوں گے تو اگر جناح صاحب کی دلچسپی اختیارات میں ہے تو پھر تو چاہئے کہ وزیراعظم کا عہدہ قبول کر لے۔ اس کے جواب میں جناح صاحب نے کہا کہ وہاں میرا اختیار ہو گا۔ میں ہی حکم دوں گا اور باقی مانیں گے۔

Jinnah solemnly assured me that he realised all the disadvantages of giving up the common Governor—but he was unable to accept any position other than the Governor General of Pakistan on 15th Aug.

I ask him "Do you realise what this will cost? He said sadly. It may cost me several crores of rupees in assets, to which I replied some what acidly, "It may will cost you the whole of your assets and the future of Pakistan.

His (Jinnah) answer was significant. He said "In may position it is I who will give the advise and others who will act on them.

(P.331) Hodson, The great Divide

ترجمہ: "جناب نے مجھے بنجیدگی سے یقین دلایا کہ مشترکہ گورنر جنرل نہ ہونے کے تمام نقصانات کا اسے اندازہ ہے مگر وہ 15 اگست کو پاکستان کے گورنر جنرل کے علاوہ کسی حیثیت کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔"

میں نے ان سے پوچھا کہ تمہیں اندازہ ہے کہ اس کی کتنی قیمت دیں پڑے گی۔ انہوں نے افسردگی سے جواب دیا۔ "شاید مجھے اس کے باعث کئی کروڑ روپوں کے اکاؤنٹوں سے محروم ہونا پڑے" جس پر میں نے کہا "اس کے باعث تمہیں اپنے تمام اکاؤنٹوں اور پاکستان کا مستقبل قیمت ادا کرنا پڑے گا" (صفحہ 33، ہڈسن)

کچھ عجیب مکالمہ تھا انگریز نے جناب صاحب سے پوچھا کہ اگر مشترکہ گورنر جنرل نہ ہو تو کچھ نقصان کا اندازہ لگایا ہے۔ جناب صاحب کہتا ہے چند کروڑ روپے ہی ہوں گے۔ ماؤنٹ بیٹن کہتا ہے۔ میں نے کہا کہ تمہارا تمام اثاثہ چل جائیگا اور پاکستان کے مستقبل کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ تو جناب صاحب کا یہ فیصلہ ان حالات میں ہر ایک کو اور انگریز کو تو بہت ہی اٹو کا معلوم ہوتا تھا کیونکہ حقیقت میں یہ ضرورت پاکستان کو تھی کہ وہ اپنے اکاؤنٹوں، دولت اور ہر ایک چیز کا یہ مسئلہ کسی ثالث کے حوالے کر دے بلکہ ایک ذمہ دار انگریز کے حوالے کر دے اور ماری بات ہے کہ جناب صاحب کے اس فیصلے کے بعد انگریز اپنی اس مایوسی اور غصے کو نہ چھپا سکا۔ بلکہ بہت تلخ اور سخت لہجے میں جناب صاحب پر تنقید شروع کی اور خصوصیت سے ماؤنٹ بیٹن تو دونوں طرف سے گھر چکا تھا۔ اس نے تو برطانوی حکومت کو بھی یہ تجویز دے رکھی تھی کہ جناب صاحب کا فیصلہ مشترکہ گورنر جنرل کا ہے اور خود بھی یہ تاثر دیا تھا تو یہ اسے ایک طرح سے اپنی ذاتی بے عزتی نظر آ رہی تھی۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے جب جناب صاحب کو مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز پیش کی تو پوری دنیا کی طرح اسے بھی یہ کھل یقین تھا کہ ہندوستان کے کانگریس رہنما کبھی بھی اس بات پر راضی نہیں ہوں گے کہ آزاد ہندوستان کا پہلا سربراہ ان کا مدتوں کا دشمن انگریز ہو تو جناب صاحب کی اپنی سوچ یہ تھی کہ ماؤنٹ بیٹن اور حکومت برطانیہ پر یہ احسان بھی رہ جائے گا اور جب ہندوستان مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز منظور کرے گا تو میں اترام ہندوستان کو دوں گا اور اسی طرح میرے لئے بھی راستہ کھل جائے گا چونکہ ہندوستان یہ تجویز نہیں مانتا تو میں بھی مجبور ہوں کہ اپنی تجویز واپس لے لوں۔

انگریز کیا پوری دنیا جب کانگریس اور مسلم لیگ کا موازنہ کرتے تو اس بات سے حیرت ہوتی اور ایک طرف کانگریس کی یہ تنظیم ہے جو ساہ سال تک انگریز سامراج کے ملک کی آزادی کے صلے کر جنگ لڑتی

رہی ہے۔ انگریزوں کی جیبوں میں رہے۔ ملک بدری کا عذاب سہا ہزاروں وطن پرست قربان ہوئے۔ اس کے نتیجے میں ہات فوری طور پر نفرت اور حقارت تک پہنچ چکی ہوگی لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود کانگریس کے رہنماؤں میں اتنا حوصلہ، ذہنی توازن اور فراخ دلی تھی کہ جب ہات ملکی اور قومی سودوزیوں کی آئی تو ہندوستان کی خاطر اور ملک کے مستقبل کی خاطر انہوں نے اپنے دشمن انگریز کے ساتھ اپنی تمام زندگی کی دشمنی کو پس پشت ڈالا اور ایک بہت ہی اونچے مقام، دراعلیٰ کردار کا مظاہرہ کیا۔ برطانیہ پر اس کا بہت ہی اچھا اثر ڈالا اور اسی طرح ہندوستان کے اپنے مستقبل کے مفادات کے تحفظ کے لئے بہت ہی سازگار فضائی۔

اس کے مقابلے میں مسلم لیگ کا کردار یہ تھا کہ وہ نہ تو وطن کی آزادی کے لئے لڑتے تھے۔ نہ انگریز کا مقابلہ کیا تھا نہ ہی اس کے خلاف تحریک چلائی تھی۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اگر انگریز نہ ہوتا تو نہ یہ پاکستان ہوتا اور نہ ہی یہ ریاست اور حکمرانی مٹی۔ انگریز کو تو یہاں دلی اور وہاں ہندوں میں مسلم لیگ اور جناح صاحب کی حیثیت کا بخوبی اندازہ تھا۔ یہ تو انگریز ہی تھا کہ مسلمانوں کے اتحاد کے لئے ان سب کو مسلم لیگ میں جمع کر دیا۔ اور اسی طرح جناح صاحب کی بغلوں کے نیچے بھی انہوں نے اپنی بیس کھیں دے رکھی تھیں تاکہ کانگریس کی ہم سمری کر سکے۔ تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر وہ پاکستان کے سودوزیوں کو بھی نہ دیکھتے تو کم از کم اپنے اس محسن انگریز کے ساتھ تو اتنی محبت برتتے تاکہ زندگی بھر کے ساتھی اور تعاون کی قدر کرتے ہوئے اپنی طرف سے دوستی کا حق ادا کر دیتے۔ لیکن اس فیصلے سے تو مسلم لیگ اور جناح صاحب دونوں نے پاکستان کو نقصان پہنچایا۔ اور میرے خیال میں اسی فیصلے کے بعد شاید انگریز اپنی کی ہوئی نیکی پر پشیمان ہوا ہو۔ اگرچہ یہ بات واضح تھی کہ انگریز جو کچھ کرتا رہا۔ جناح صاحب یا مسلم لیگ کے لئے نہیں۔ بلکہ اس سے اس کی سمرانی نوآبادیاتی مفادات وابستہ تھے لیکن پھر بھی جناح صاحب کے اس فیصلے کے بعد انگریز کا مسلم لیگ کے ساتھ تعلق کا وہ مزاحم رہا۔

اس سلسلے میں ایک دوسرا دلچسپ رخ اس مسئلے کا تھا (Freedom at Mid Night) کے مصنفین نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ جناح صاحب مدت سے T.B کے مریض تھے ڈاکٹروں اور ماہرین نے اس بیماری کا اس کو بتا دیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ تم زیادہ سے زیادہ دو یا تین سال اور زندہ رہو گے۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ اس لئے اسے یہ ڈر ہو کہ یہ عبوری دور ختم ہونے تک شاید دو زندہ بھی نہ رہ سکے۔ البتہ جناح صاحب طبعاً بھی جاہ پرست ایسا واقع ہوا تھا کہ اس کی تسلی اونچی سے اونچی سڑمی کے بغیر نہیں ہوتی تھی اور وہ یہ کب برداشت کر سکتا تھا کہ وہ ماؤنٹ بینٹن سے کمتر مقام پر بیٹھے۔

فرقہ دارانہ نفرت کی آگ

مگر ایک طرف دلی میں بیٹھے ہوئے رہنما محلوں میں بیٹھ کر اقتدار کی بانٹ میں مصروف تھے تو دوسری طرف پور ملک آگ کی لپیٹ میں تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ہندو اور سکھ متعلقہ صاحب جائیداد، تجارت پیشہ، دولت مند، بنگلوں، کوٹھیوں، تجارتی اداروں اور کارخانوں کے مالک تھے۔ تو جب ان پر سرحد میں عموماً اور پنجاب میں خصوصاً فرقہ دار نہ فسادات کے ساتھ قتل و غارت گری تک نوبت پہنچی اور یہ کوشش بھی شروع ہوئی کہ انہیں اپنی سرزمین سے بھگایا جائے تاکہ یہ بنگلے اور دولت رہ جائیں تو جب یہ سکھ گئے تو وہی کھیل انہوں نے مشرقی پنجاب اور پھر دلی میں شروع کر دیا اور اسی طرح ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ وہ مار دھاڑ لوٹ کھسوٹ، گھیراؤ جلاؤ کے ساتھ ساتھ عورتوں کے اغوا کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور ایک اندازے کے مطابق صرف پنجاب سے 30000 اور 40000 کے درمیان عورتوں کو اغوا کیا جا چکا تھا۔ یہ آخری تحفہ تھا جو انگریزوں نے جاتے جاتے ہندوستان کو دیا تھا۔ وہ ہندوستان جنہوں نے 200 سال تک انگریز بچوں کے لئے اپنے بچوں کو بھوکا رکھا۔ جنہوں نے اپنے جوان بیٹے۔ تاج و تخت برطانیہ کے تحفظ کے لئے اور اس کی وسعت کے لئے قربان کئے تھے۔ جو دنیا کے ہر کونے میں انگریز کے دشمن سے برسر پیکار تھے۔ یہاں تک کہ کافر انگریز کے لئے اگر خانہ کعبہ پر بھی حملہ کرنے اور کوئی چلانے کی ضرورت پڑی تو اس ہندوستانی نے منہ نہیں موڑا۔

لیکن آج انگریز کی اس فرقہ دارانہ پالیسی کے نتیجے میں یہ مظلوم اور بے بس قوم اس قدر اندھی اور بہری ہو چکی ہے کہ وہ دشمن انگریز اپنا دوست بن گیا۔ اور وہ اپنا صدیوں کا بھائی۔ عزیز ہمسایہ دشمن بن گیا۔ اور پھر سب سے زیادہ حیرت تو مسلم لیگ کی پالیسی ہے۔ اس بات کی تو انسان کو سمجھ آ جاتی ہے کہ تم چاہتے ہو کہ ہندو اور سکھ جائے تاکہ ایک طرف تم پنجاب پر براثر کرتے غیرے حکومت کر سکو۔ دوسری طرف ان چھوڑی ہوئی جائیدادوں اور دولتوں کو بوٹ سکو لیکن اس کی مطلق سمجھ نہیں آتی۔ جیسا کہ مری میں ایک مسلم لیگی نے کئی ساتھی اکٹھے کئے اور ایک ہی رات میں ہندوؤں اور سکھوں کے تقریباً 120 مکانات اور بنگلے لوٹ مار کرنے کے بعد جلا ڈاے۔ یہ بنگلے تو ہندو اور سکھ چھوڑ گئے تھے۔ پاکستان کی دوست تھے۔ تو یہ تعصب میں ایسے

اندھے ہو گئے کہ یہ پاکستان کو جانے لگے۔ مگر اس وقت فرقہ وارانہ نفرت، اور حقارت کا ایک ایسا جنوں لوگوں کے سروں پر سوار تھا کہ نہ کوئی آگے دیکھ رہا تھا نہ پیچھے۔ بس ایک دوسرے کا گلہ کاٹتے رہے۔

اگر دیکھا جائے تو بے شک کچھ لوگ اپنے لئے بادشاہت کی تلاش میں تھے اور کچھ وزارت کے۔ کچھ حکومت کے تھے اور کوئی جا سید اور ہمارا تھا لیکن جس نے بھی یہ کھیل شروع کیا تھا، جس غرض اور مقصد کے لئے شروع کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے عام آدمی کے لئے تو نتیجہ کھل کر میدان میں سامنے آ گیا تھا۔ ان کے گھر لٹ رہے تھے۔ جوان خاک اور خون میں ترپ رہے تھے اور بچے خون میں نہا رہے تھے۔ گھر جل رہے تھے، عورتوں کی عصمتیں لٹ رہی تھیں اور ان لئے ہوئے تباہ حال مظلوموں کے قافلے ہر چیز سے محروم ہو کر جا رہے تھے۔ پنجاب کی سرکاری تقسیم کے بعد ان سے قبل ہی تقسیم کی ذمہ داری لوگوں نے لے رکھی تھی۔ ہم تاریخ میں پڑھا کرتے تھے کہ ایک بادشاہ اپنی بادشاہت چھوڑ کر دوسری سلطنت میں بھاگ گیا ہے اور اپنا وطن چھوڑ دیا ہے لیکن اپنی گتھا گرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ رعیت بھاگ رہی تھی اپنے وطن کو چھوڑنے پر مجبور تھی۔ ملک کی آزادی کا یہ پہلا پھل قوم کی جھولی میں آن گرا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ یہ اتنا بے پناہ نقصان اور یہ اتنا بے حساب خون بہا کیوں۔ وطن کی آزادی کا علان ہو چکا تھا۔ ملک کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کا اعلان بھی ہو چکا تھا تو پھر یہ اتنی دیوانگی کس بات کے لئے تھی اور اسی طرح دوسرے سے محبت کے رشتوں کو نفرت میں بدلنے کی ضرورت کون سے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تھی۔ (Road to Pakistan) میں اس سال بھی گزشتہ برسوں کی طرح گرمی گزارنے کے لئے کشمیر گیا ہوا تھا۔ ان دنوں شیخ عبداللہ کشمیری مہاراجہ کی حکومت کے ساتھ اختلافات کی بناء پر جیل میں تھا۔ کانگریس کے رہنماؤں کی کوشش یہ تھی کہ ایسے نازک اور اہم وقت میں شیخ عبداللہ کو جیل سے نکالا جائے۔ ہم وہاں تھے کہ ضلع ہزارہ کے ہزاروں ہندو اور سکھ فدائے کے نتیجے میں کشمیر پہنچ گئے ان دنوں گاندھی جی بھی کشمیر آئے ہوئے تھے تاکہ کوشش کریں کہ شیخ عبداللہ کو مہاراجہ کی جیل سے رہا کرے۔ میں تقریباً روزانہ گاندھی جی کے پاس جایا کرتا تھا اور کچھ وقت ان کے پاس گزارتا تھا۔ میں نے جب دیکھا تو گاندھی جی کی طبیعت میں وہ شوخی نہ تھی۔ وہ ہنس مذاق اور وہ گپ شپ کا سوڈ نہ تھا۔ ایک دن میں نے گاندھی جی سے پوچھا کہ میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ یوں لگتا ہے کہ تمہارے اندر کا وہ دیا ماند پڑ چکا ہے۔ وہ ہنس خوشی نہیں۔ مگر یہ جارہا ہے اور آپ لوگوں کی سیاسی جدوجہد اور قربانیوں کے نتیجے میں ہندوستان آزاد ہو رہا ہے اور آپ لوگ دنیا کی تاریخ میں ان رہنماؤں میں شامل ہو جاؤ گے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کی جدوجہد کا نتیجہ جیتے جی اپنی آنکھوں سے دیکھا تو یہ کتنی خوشی اور حوصلہ افزائی کی بات ہے پھر میں نے ہنس کر کہا۔ آپ نے تو کہا تھا کہ میں 125 سال تک زندہ

رہوں گا۔ تو اچھا ہے اب یہ آزاد قوم آپ کے تجربے اور رہنمائی سے اور بھی استفادہ کر سکے گی۔

گاندھی جی کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر عمر اور ہر مزاج کے آدمی کے ساتھ اس کی طبیعت اور عمر کے تقاضوں کے مطابق بات کرتے تھے۔ میں نے جب گاندھی جی کو دیکھا تو بہت ہی سنجیدہ ہو گئے تھے۔ کہا میری اب تک یہ خواہش تھی کہ میں 125 سال تک زندہ رہوں۔ لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ میری زندگی کا مقصد صرف ہندوستان کی آزادی نہ تھا بلکہ اس آزادی کے ساتھ ساتھ ان تمام خرابیوں اور گندگیوں کو دور کرنا تھا جو انگریز کے ان دو صد سالہ دور حکومت نے ان لوگوں میں پیدا کر دی تھیں اور خصوصیت سے انگریز نے جو ہمارے بھائی چارے کو فرقہ دارانہ سیاست کے ذریعے دشمنی میں بدل دیا تھا۔ اسے بدل ڈالیں گے اور ہم بھائیوں کی طرح، محبت، اخوت اور بھائی چارے کی فضا میں اس ملک کی آبادی کے نئے کمرس میں گئے۔ تاکہ یہاں سے غربت کا خاتمہ ہو۔ اور آزادی حاصل کرنے کے بعد اپنے بچوں کو وہ سب نعمتیں دے سکیں جس سے جابر انگریز نے انہیں محروم کر دیا تھا اور اسی طرح ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم کے درمیان تجھے تعلقات کو پناہ مقصد بنا رکھا تھا اور چونکہ وہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ تو میرے لئے یہ آزادی ادھوری ہے۔ آج جب مسلمانوں اور ہندوؤں کے گمراہ گئے اور آج جب اس جدائی نے مکمل فراق کی صورت اختیار کر لی ہے۔ تو میں اس کو اپنی سیاسی اور روحانی شکست سمجھتا ہوں۔ اب اور زندہ رہنے کی خواہش نہیں رہی۔ پھر میری طرف منہ کر کے کہا میرے لئے وہ کوئی خوشی اور آزادی کا دن تھا کہ جب اس دن تمہارے والد باچا خان کو دلی کے شیخن پر خدا حافظ کہہ رہا تھا تو ہم راستے کے ساتھی۔ سفر کے دوست مورچے کے ساتھی۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد اسی طرح ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں گے کہ شاید پھر اس زندگی میں ایک دوسرے سے ملنے کی گنجائش نہیں۔ اب تم کہو یہ آزادی میرے لئے کیا خوشی لے کر آئی۔ پھر گاندھی جی نے کہا۔ اب پورے ہندوستان کا حال دیکھو۔ سری نگر کے تمام میدان اور بازار ہندوؤں اور سکھوں سے بھرے پڑے ہیں۔ جو سرحد سے ادھر بھاگ کر آئے ہیں۔ وہاں جا کر بنگال کو دیکھو۔ بہار پر نظر ڈالو۔ دلی کو دیکھو۔ مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے اور پھر سب سے بڑھ کر پنجاب کی حالت دیکھنے والی ہے۔ ایک طرف سے مسلمانوں کے قافلے ادھر کی طرف جا رہے ہیں دوسری طرف سے ہندوؤں اور سکھوں کے قافلے ہیں لیکن ان قافلوں کو بھی کوئی نہیں چھوڑ رہا اور انسانوں میں یہ حیوانیت اس قدر غالب آ چکی ہے ہر ایک قافلے پر باقاعدہ اور منظم حملے ہوتے ہیں۔ ایک قتل عام ہے۔ مرد، عورت، جوان، بوڑھے۔ بچے کسی کی تیز نہیں۔ تو یہ آزادی ہم اس لئے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تو پھر گاندھی جی نے مجھ سے سوال کیا کہ اب تم خود فیصلہ کرو کہ جب میں ہندو و مسلمان کے درمیان اس نفرت اور حقارت کو ختم نہیں کر سکتا اور خدا کے مذہب کے

نام پر اس کی مخلوق میں پیار، محبت، خصوص اور بھائی چارے کا جذبہ نہیں پیدا کر سکتا تو پھر زندگی کا مقصد کیا۔ میں تو خود پھر اس زندگی سے موت پر خوش ہوں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں اور ان پر اپنی اغراض کے دبیز پردے نہ پڑے ہوں وہ معاملات کو دوسری طرح سوچتے ہیں۔ فرض کریں یہ تقسیم قطعی مجبوری تھی تو پھر تو چاہئے تھا کہ ہوش مند، عاقل اور ذمہ دار انسانوں کی طرح تقسیم کرنے بیٹھتے اور آرام سے اپنے گھر کی تقسیم کر لیتے۔ دنیا میں ایسے ممالک تھے جو ایک تھے اور پھر الگ ہو گئے۔ مثال کے طور پر سویڈن اور ناروے کو لیتے ہیں۔ یہ ایک ملک تھا۔ مشترکہ گھر تھا۔ پھر فیصلہ ہوا لگ ہونا ہے بیٹھے کر گھر کے درمیان حد کھینچ لی۔ لیکن نہ ایک دوسرے کے گھروں کو لوٹا، نہ ہی ایک دوسرے کو مار ڈالا۔ بلکہ بالغ شریف ہمسایوں کی طرح اب ہمسایہ کا حق ادا کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔ لیکن یہاں تو ایک جنون تھا۔ پشاور میں کسی نے ہندو کو مار ڈالا۔ ان کے مسلمان رشتہ دار پاکستان کے مقرر کردہ علاقوں میں آئے۔ یہاں بے گناہ ہندوؤں کو مار ڈالا اور ایسے ہی یہاں اگر کوئی سکھ کی جائیداد پر زبردستی قابض ہوا اور اسے مار بھگا یا وہ اسکے بدے ہندوستان میں ایک مال دار مسلمان سے سب کچھ چھین لیتا ہے اور اسے یہاں بھگا دیتا ہے۔ یہ سلسلہ لاقتنا ہی تھا۔ ایک آگ سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا بھڑکتا ہے اور سب سے افسوس ناک بات یہ تھی کہ یہ سب کچھ مذہب کے نام پر ہوتا تھا۔ اللہ کے رحیم اور رحمت نام پر ایک دوسرے کا خون بہایا جاتا رہا۔

کسی شاعر نے اس کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

یوں گلستان میں آئی فصل بہار
ہم صفیروں کا ساتھ چھوٹ گیا
میں نے پوچھا جو زندگی کیا ہے؟
ہاتھ سے رگر کے جام ٹوٹ گیا

صوبوں کی تقسیم

میں ایک تاثر مٹانے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ مسلم لیگ کے رہنما کہتے ہیں کہ صوبوں کی یہ تقسیم انگریزوں کی پالیسی تھی۔ یہ بالکل غلط ہے، جیسے ذکر آچکا ہے۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں نے جب مسلمانوں اور غیر مسلموں کی آبادی کے تناسب کو دیکھا تو انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر کہیں یہ حالات اسی طرح رہ جائیں اور یہاں انتخابات ہوں تو بنگال اور پنجاب دونوں میں مسلم لیگ کی وزارتوں کو مشکلات پیش آئیں گی۔ کیبنٹ مشن منصوبے کے اعداد و شمار نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ گروپ سی یعنی بنگال اور آسام میں تناسب مسلمان 36 اور غیر مسلم 34، یہاں پنجاب میں مسلمان 16، ہندو 8 اور سکھ 4 تھے۔ یعنی 16 مسلمانوں کے مقابلے میں 12 غیر مسلم تھے تو دونوں صوبوں میں مسلمانوں کی وزارتیں، دو تین ممبروں سے وابستہ تھیں۔ چنانچہ اس طرف اشارہ بہت پہلے کیا جا چکا تھا

Agha Khan came and talked of the necessity for Pakistan and the impossibility of Hindu and Muslim agreeing, he said Jinnah was willing to concede districts of Bengal and Assam (P 215) Wavell. Transfer of Power volume 1.

ترجمہ: ”آغا خان آیا اور پاکستان کی ضرورت اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتفاق کے ناممکن ہونے پر بات کرتا رہا اس نے کہا کہ جناح شمال مغرب میں امرتسر، اقبالہ وغیرہ اور بنگال اور آسام کے اضلاع چھوڑنے پر راضی تھا۔“

(صفحہ 215-ٹرانسفر آف پاور والوم اول)

اور پھر جب جناح صاحب کو اس کے تقسیم ہند کے مسئلے میں ان مشکلات کی نشاندہی بھی کی گئی تھی تو وہ پہلے ہی یہ علاج تجویز کر چکا تھا کہ پنجاب سے غیر مسلموں کے کچھ حصے تو ضرور الگ کرنے پڑیں گے۔ جس کا ذکر ان دستاویزات میں موجود ہے جو کہ برطانوی حکومت نے کتابی شکل میں عطف جددوں میں شائع کیا ہے۔

اس بات کا دوسرا واضح ثبوت یہ ہے کہ مسلم لیگ کی کوشش یہ تھی کہ پنجاب صرف انہی کا ہو۔ اس سلسلے میں دیوے اپنی ڈگریوں میں لکھتا ہے کہ سکھوں کے رہنما اور وزیر بلدیوں نے دیول کو خود کہا۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ جناح صاحب کے ساتھ صلح صفائی کی بات کریں۔ لیکن وہ کسی صورت پر بھی کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں۔ یہاں تک کہ سکھوں نے یہ پیش کش کی کہ وہ پاکستان کا مطالبہ بھی مان میں گئے لیکن پھر بھی جناح صاحب نے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی:

(Baldev Singh)

Said the Jinnah did not want a settlement he had discussions with him in London, but had got nowhere & Jinnah offered no assurance to the Sikhs even if they supported Pakistan. (P. 149)

Wavell, The Viceroy's Journal.

ترجمہ۔ ”کہا کہ جناح کچھ طے نہیں کرنا چاہتا۔ اس کی لندن میں جناح سے بحثیں ہوئیں تھیں مگر حاصل کچھ نہیں ہوا۔ جناح نے سکھوں کو کوئی یقین دہانی نہیں کرائی چاہے وہ پاکستان کی حمایت ہی کیوں نہ کریں۔“

(صفحہ 199 دیوے)

اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ مسلم لیگ خود پنجاب کو ایک رکھنے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی بلکہ فیصلہ اس بات پر تھا کہ خواہ جتن بھی چھوٹا اور مختصر پاکستان ہو۔ لیکن اس پر مسلم لیگ کی بادشاہت بلا شرکت غیرے ہو اور اس لئے کوشش یہ تھی کہ پاکستان کے سب صوبوں سے غیر مسلموں کو بھگا دے۔ لیکن کسی کو یہ پروا نہیں تھی کہ دوسری طرف مسلمانوں پر کیا گزرے گی۔ جب یہ لئے پٹے زخم خوردہ غیر مسلم وہاں ہندوؤں تک پہنچ جائیں گے تو ان کا وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ کس قسم کا رویہ ہوگا۔ جنہیں مسلم لیگ نے اپنی سیاست پر قربان کر دیا ہے اور غیر مسلموں کے صوبوں میں ایسے فرقہ وارانہ جنون، نفرت اور دشمنی کی فضا میں غیر مسلموں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

اس مختصر پاکستان کے سلسلے میں ایک اور واقعہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ بلوچستان کے خان قلات کا کافی عرصہ سے انگریزوں کے ساتھ کوئٹہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں کی ملکیت پر مقدمہ چل رہا تھا اور اس کے اس مقدمے کی پیروی وکیل کی حیثیت سے جناح صاحب کر رہے تھے۔ جب تقسیم ہند کا اعلان ہوا تو خان قلات نے حکومت ہند کے ساتھ یہ مسئلہ اٹھایا کہ قلات کی حیثیت ریاست نیپال کی مانند ہوگی۔ کیونکہ یہ ہندوستان کا حصہ نہیں ہے اور اس نے اس ضمن میں اپنے بزرگوں کے وہ معاہدے ثبوت کے

طور پر پیش کئے جون کے اور اس وقت کے انگریز حکمرانوں کے مابین ہوئے تھے۔ خان قلات اپنی کتاب ”مختصر تاریخ بلوچ، خواہن بلوچ“ میں لکھتا ہے۔

چنانچہ اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک اجلاس ہوا۔ جس میں ایک طرف خان قلات اور اس کا قانونی مشیر سلطان احمد خان موجود تھا۔ دوسری طرف پاکستان کا نامزد گورنر جنرل جناح صاحب اور نامزد وزیراعظم لیاقت علی خان اور ان کے درمیان موجود گورنر جنرل اور وائسرائے ہند و مارڈاؤنٹ بیٹن بیٹھ گئے۔ منسل گفتگو کے بعد مندرجہ ذیل دو باتوں پر فیصلہ ہوا۔

(1) 15 اگست کو جب انگریز ہندوستان کا اختیار چھوڑ دے گا۔ تو ریاست قلات کی حیثیت واپس اس جگہ پہنچ جائے گی۔ جب 1838 کو خان قلات اور انگریز حاکم کے مابین عہد نامہ ہوا تھا۔

(2) دوسری بات یہ کہ اگر خان قلات اور حکومت پاکستان کے درمیان الحاق کے لئے کوئی افہام و تفہیم نہ ہوئی تو پھر ریاست قلات کو یہ حق ہے کہ وہ افغانستان کے ساتھ اپنا الحاق کرے۔

(مختصر تاریخ بلوچ اور خواہن بلوچ، خان قلات)

اس معاہدے پر خان قلات اور مارڈاؤنٹ بیٹن کے ساتھ جناح صاحب کے بھی دستخط موجود ہیں۔ مسلم لیگ کے ان رہنماؤں کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ سہروردی کے ساتھ متحدہ بنگال کی مکمل آزادی کی تجویز منظور کرتے ہیں کہ پاکستان میں نہ ہو۔ بنگال اور پنجاب مکمل طور پر تقسیم کرتے ہیں۔ آسام کا ایک ضلع لے کر باقی چھوڑ دیتے ہیں۔ ادھر خان قلات کو حق دیتے ہیں کہ وہ افغانستان کے ساتھ اپنا الحاق کرے ان سب باتوں کا مطلب تو صاف ظاہر ہے جیسے لیاقت علی خان نے کہا کہ جناب والا اگر ہمیں صرف سندھ کے صحرائے دیں تو بھی ہمیں قبول ہے۔

ہم اپنے صوبے میں مسلم لیگ سے کہتے تھے اور اعتراض کرتے تھے کہ یہ تقسیم ہند نہیں بلکہ تقسیم مسلمان ہے جب کہ کروڑوں مسلمان ہاتھ پیر بندھے تو لوگ وہاں چھوڑ دو گے۔ یہ سب سیاسی لیڈر اور سب مسلمان سرکاری افسر یہاں آجائیں گے تو وہ بچا رہے کیا کریں گے تو اس کے جواب میں یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ یہاں جو ہندو ہمارے پاس رہ جائیں گے تو ان کی حیثیت ایک طرح کی برعکس کی ہوگی۔ وہاں ہندوستان میں اگر ہندو ہمارے مسلمان بھائیوں پر زیادتی کریں گے تو ہم ان ہندوؤں کو دباؤں گے۔ تو اس طریقے سے ہندو یہ جرات نہیں کر سکیں گے تو اب کہ تو تم نے اس پر غفل کو بھگا دیا ہے۔ اب ان بے کس مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جبکہ ہندوؤں اور سکھوں کو تم نے اپنے ہاتھوں رخصت کر دیا ہے تو اب دباؤ کس پہ ڈالو گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت نہ کسی کو اسلام سے ہمدردی تھی اور نہ ہی مسلمان سے۔ ہندوستان میں باقی رہ جانے والے مسلمان کس کے تھے۔ یہاں ہندوؤں اور سکھوں کے گھروں، جائیداد، بنگلوں،

دکانوں، کارخانوں اور تجارت پر لوٹ مار کا ہزار گرم تھا۔ کسی کی نظر ان کی چھوڑی ہوئی سرکاری نوکریوں پر تھی۔ حالانکہ حق تو سب سے پہلے ان مسلمان مہاجرین کا بنتا تھا۔ جو ہندوستان سے لٹ پٹ کر آئے تھے۔ جن کی جائیدادیں حقیقتاً وہاں رہ گئی تھیں۔ اور یا پھر یہ جائیدادیں حکومت پاکستان کی تھیں۔ یعنی حکومت اور ملک کی ملکیت تھی۔ چاہئے تھا اسے پوری قوم کے فائدے کے لئے استعمال کیا جاتا اور جب سوال قوم کے مفاد کا پیدا ہوتا ہے تو حکومت وقت پر فرض ہے کہ وہ یہ بات تسلیم کر لے کہ اس قومی اور ملکی تقسیم میں سب سے زیادہ حق صرف اور صرف ان بہادروں کا بنتا ہے جنہوں نے ملک کی آزادی کی خاطر جا بجا انگریز کے خلاف زندگی بھر قربانیاں دیں۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور خصوصیت سے وہ گھرانے اس کے مستحق ہیں جن کے بزرگ جیلوں میں گئے اور پیچھے رہنے والے بچے ایک ٹکڑا روٹی کے لئے محتاج ہو گئے۔ وہ گھرانے بے تعلیم اور بچے بے تربیت رہ گئے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ حق ان نوجوانوں کے وارثوں کا ہے جنہوں نے وطن کی جنگ آزادی میں سروں کی قربانیاں دیں جنہوں نے اپنی اور اپنے گھرانے کی خوشیوں کو قوم پر وارد کیا۔ حق ان عورتوں کا ہے جنہوں نے اپنے بچوں کو قوم کے بچوں پر بھروسہ کیا تاکہ ان کے لئے آزادی، عزت اور غیرت حاصل کر سکیں۔ یہ ان مجاہدوں، ان غازیوں، ان شہیدوں، ان مردوں اور انہی عورتوں کا وطن پر ایک ادھار تھا۔ چاہئے تھا کہ مشکور اور ممنون قوم۔ ان جیالوں، بہادروں۔ ان سرنردشوں کا یہ قرض چکا دیتی۔ لیکن یہاں تو جنگ انگریز جیتا اور قوم ہار چکی۔ انگریز کو خدائی خدمتگار پر اس لئے غصہ تھا کہ پورے ہندوستان میں سوائے دیوبند کے علماء دین کے مسلمانوں میں صرف پشتون قوم نے من حیث القوم انگریز کے خلاف آواز اٹھائی تو اس کی سزا ہی تو ملی تھی کہ یہاں وہی انگریز کے خطاب یافتہ سر، نواب خان، بہادر اور خصوصیت سے خوشامدی جاگیرداروں کو تخت پر بٹھایا گیا تاکہ وہ صرف اپنے ذاتی اغراض کو پورا کرنے کے لئے انگریز کی اس پالیسی کو کامیاب بنائیں جو وہ اس خطے کے لئے بنا چکا تھا۔ ان جاگیرداروں، سروں، اور نوابوں کو اس وقت یہ ارمان بھی تھا کہ پوری قوم ان کی محتاج ہو۔ خدائی خدمتگاروں نے فریب اور نادار انسانوں میں جو عزت نفس خود داری اور اپنا حق مانگنے اور حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کر دیا تھا وہ نہ انگریزوں کے مفاد میں تھا اور نہ ہی اس کے ہم نواؤں، سروں، نوابوں اور جاگیرداروں کے۔

مسلم لیگ اور ریاستیں

ہندوستان میں ریاستی حکمرانوں کے تحت علاقے رقبے کے لحاظ سے 1/5 تھا اور ان ریاستوں کی آبادی پورے ہندوستان کے 2/5 تھی۔ یعنی 40 کروڑ کی آبادی میں 16 کروڑ ریاستی انتظام کے تحت تھے۔ یہ چھوٹی بڑی تقریباً چھ سو ریاستیں تھیں۔ ان ریاستوں کے مستقبل کے متعلق بھی کانگریس اور مسلم لیگ کی پالیسیوں میں اختلاف اور تضاد تھا۔ کانگریس نے اپنی پالیسی کا اعلان کر دیا تھا کہ ہر ایک ریاست کے الحاق کا فیصلہ ریاست کے رہنے والے عوام کریں گے لیکن دوسری طرف مسلم لیگ کا کہنا تھا کہ نہیں یہ اختیار ریاستوں کے حکمرانوں کو دیا جائے کہ جس کے ساتھ۔ اس لئے ریاست کی مرضی ہو اس مملکت کے ساتھ الحاق کرے۔

اگر ہندوستان کے نقشے کو دیکھا جائے اور ان ریاستوں کی کتنی کو دیکھا جائے۔ تو یہ پورا ہندوستان ان راجوڑوں کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ بڑے بڑے علاقے ان شہزادوں، نوابوں، راجوں، بہاراجوں کی حکمرانی میں تھے اور اس وسیع و عریض مملکت میں ایسی ریاستیں بھی تھیں۔ جیسے حیدرآباد کی ریاست اس کا علاقہ ایک پوری مملکت کے برابر تھا۔ یعنی اٹلی کے برابر اور آبادی کچھ کم دو کروڑ تھی۔

مسلم لیگ کی نظر میں مسلمانوں کی ایسی ریاستیں تھیں۔ مثلاً حیدرآباد کن بھوپال اور راجپور کاٹھیا واڑ کی ریاستیں، جونا گڑھ، منادور وغیرہ غیر مسلم کثرت کی ریاستیں تھیں لیکن ان کے نواب مسلمان تھے۔ ان ریاستوں کے ساتھ اگرچہ پاکستان کی سرحدیں ملتی تھیں بلکہ سرحدیں پاکستان سے دور تھیں لیکن خاصے اتنے بھی نہ تھے جتنے کراچی اور ڈھاکہ کے درمیان اس لئے مسلم لیگ کی منطق کے بناء پر تو ان کا الحاق پاکستان سے ہو سکتا تھا۔ مسلم لیگ کی دوسری بات پر تو کوئی اعتراض کر ہی نہیں سکتا تھا کہ ریاست کی قسمت کا فیصلہ حاکم کے ہاتھ میں ہو۔ قوم سے پوچھنے کی ضرورت وہ محسوس نہیں کر رہے تھے، آخر مسلم لیگ نے پہلے کب ہندوستان کے عوام کا حق انگریز سے، لگایا تھا کہ اب ایک مسلمان نواب سے ہندو رعیت کے لئے مانگے گا۔ بلکہ وہ تو لٹا انگریز یہ بات واضح کرنا چاہتا تھا کہ مسلمان یہ نہیں چاہتا کہ انگریز ہندوستان چھوڑ کر چلا جائے۔ لارڈ ویل وائسرائے ہند لکھتا ہے کہ خود لیاقت علی خاں نے کہا انگریزوں کو چاہئے کہ چند سال یہاں رہ جائیں اور کم از کم مسلمان یہ نہیں کہتے کہ انگریز ہندوستان چھوڑ دے۔ وغیرہ۔

He (Liaquat Ali Khan) said that in any event we (British) should have to stay for many year yet & that the Muslim were not at all anxious that we should go--- (P 207) Wavell. The Viceroy Journal.

ترجمہ :- ”اس (لیاقت علی خان) نے کہا کہ بہر صورت ہمیں (برطانیہ کو) ابھی کئی سال اور رہنا چاہئے اور یہ کہ مسلمان اس بارے میں پریشان نہیں تھے کہ ہمیں جانا چاہئے۔“

(صفحہ 207 ویل)

مسلم لیگ میں اکثریت ایسے انگریز پرست لوگوں کی تھی جو قوم کے خلاف انگریز کا ساتھ کھل کر دے رہے تھے۔ انہیں قوم سے کیا سروکار اور قوم کے لئے ناسندگی کا حق حاصل کرنے سے انہیں کیا واسطہ۔ تماشہ تو یہ تھا کہ ریاستوں کے افاق کے اس فیصلے کو بھی اسلام کا رنگ چڑھا دیا۔ اس طرف خیال ہی نہیں کیا کہ جب ہم والیان ریاست کے اس اختیار کو تسلیم کر لیں گے کہ ریاست کے الحاق کا فیصلہ والی کرے گا تو کشمیر کا کیا بنے گا۔ کیونکہ وہاں کا مہاراجہ تو ہندو تھا اور رعیت کی اکثریت مسلمان تو کیا وہاں نے ہوں گے؟ کہ حیدر آباد (دکن، بھوپال، راجپور کے لئے ایک پیمانہ) اور کشمیر کے لئے دوسرا۔

لیکن کشمیر کے ضمن میں ہندوستان کو ایک اور مشکل درپیش تھی کہ اس کی سرحد ہندوستان سے نہیں ملتی تھی۔ یہ مسئلہ بھی مسلم لیگ نے حل کر دیا جب پنجاب کی تقسیم پر راضی ہو گئے اور باؤنڈری کمیشن (سرحدات کی کمیشن) کی رپورٹ آئی اور اس میں گورداسپور کا ضلع ہندوستان کو دے دیا۔ ”تو اسی طرح ہندوستان کی سرحد کشمیر سے مل گئی اور چونکہ دونوں جماعتوں کا ٹکڑا میں اور مسلم لیگ نے یہ پابندی قبول کر لی تھی کہ اس کمیشن کا فیصلہ آخری ہوگا اور اسے دونوں فریق قبول کر لیں گے تو پھر مسلم لیگ یا پاکستان کے حکمرانوں کو یہ حق نہ تھا کہ گورداسپور کے ضلع پر کچھ اعتراض کریں اور پھر جب یہ ہندو مہاراجہ اپنی ریاست کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کرے گا تو اور جو کوئی اعتراض کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ لیکن مسلم لیگ کسی اعتراض کی مستحق نہیں۔ مسلم لیگ نے ریاستوں کے متعلق یہ اعلان کیا ہے کہ ریاست کا الحاق ریاست کا حکمران کرے گا۔ تو اسی طرح مسلم لیگ نے خود کشمیر کی قسمت کے فیصلے کی راہ ہموار کر دی اور یہ ریاست مفت میں ہندوستان کو تحفہ پیش کر دی۔

یہ ایک اور حصہ مسلمانوں کی اکثریت کا تھا جو تقسیم مسلمان کے سلسلے میں ہاتھوں سے جاتا رہا۔

گورداس پور کو فیروز پور کے بدلے میں جہاں نواب فیروز الدین ممدوٹ کی جاگیر تھی کے بدلے میں ہندوستان میں شامل کیا گیا تھا لیکن بد قسمتی سے فیروز پور راہ کی جاگیر ملی اور نہ گورداس پور باؤنڈری کمیشن کی رپورٹ میں گورداس پور پاکستان میں شامل تھا لیکن مسلم لیگ اپنی کمان کی ناقابل اندیشی اور نواب ممدوٹ کی خند کی وجہ سے یہ معاہدہ پیش آیا۔

فرقہ وارانہ سیاست اور مسلم لیگ کا نظریہ

مسلم لیگ ایک سیاسی تنظیم کی حیثیت سے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حقوق کا محافظ سمجھتی تھی۔ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی تکالیف مصائب اور محرومیوں کا علاج یہ تجویز کیا تھا کہ ایک مملکت بن جائے جو مسلم ملک نہیں بلکہ اسلامی ملک ہوگا۔ چاہیے کہ اس دونوں چیزوں کے درمیان فرق کیا جائے مسلم ممالک تو آج بیسیوں ہیں۔ یعنی ایسے ممالک جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہو، لیکن اسلامی وہی ہوگا جہاں اسلامی نظام حکومت رائج ہوگا۔ فرق صاف ظاہر ہے۔ آج گردنیا میں ہم مسلمان ممالک پر نظر ڈالیں تو تقریباً ہر ایک ملک میں مختلف نظام رائج ہیں۔ کہیں شہنشاہ تو کہیں بادشاہ۔ کہیں حکمران، کہیں پرنس، کہیں پرنس، کہیں صدر کا اقتدار تو کہیں پارلیمانی طرز حکومت، مسلم لیگ نے دعویٰ کیا کہ ہم نے پاکستان اس لئے بنانا چاہتے ہیں کہ وہاں اسلامی نظام عدل و انصاف جاری ہو اور وہاں حقیقی اسلامی معاشرہ قائم کریں اور اسی طرح تمام اسلامی دنیا کو ایک نمونہ پیش کریں کہ وہ اپنے ممالک میں بھی نظام رائج کریں۔

الگ مملکت کے جواز میں مسلم لیگ نے یہ دلیل پیش کی کہ ہندوستان میں ایک نہیں بلکہ دو قومیں بستی ہیں اور دنیا میں پہلی مرتبہ یہ نظریہ پیش کیا کہ عقیدے کی بناء پر قومیں بنتی ہیں۔ یعنی ہندو اور مسلم دو قومیں ہیں۔ اور چونکہ ان کے عقائد الگ ہیں اس وجہ سے الگ مذہبی عقیدوں کی بناء پر تقسیم ہو جائیں تاکہ ایک طرف ہندو ہوں اور دوسری طرف مسلمان:

The Hindus and Muslims belong to different civilizations which are based mainly conflicting ideas & conceptions ... to you together such two nations under a single must lead to growing discontent and finally to destruction of any fabric that may be so built up for the Govt. of such a state.

(P. 39) Chaudhry Mohd

The Emergence of Pakistan.

ترجمہ :- ”ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے۔ جن کی بنیادیں متضاد خیالات اور تصورات پر ہیں ایک دو قوموں کو ایک ریاست میں اکٹھا کرنے کا مطلب بڑھتی ہوئی ناراضگی اور ہاتھ آخراست کے لئے کوئی سی بھی حکومت کا خاتمہ ہوگا۔“ (صفحہ 39 دی ایمر جنس آف پاکستان از چودھری محمد علی)

ابھی تک قوم کا تصور مملکت سے منسلک ہوتا تھا یعنی کہ کسی مملکت میں جتنے بھی فرقے رہتے ہوں لیکن اس ملک کی قومیت مملکت یا خاک وطن سے وابستہ ہوا کرتی ہے۔ مثال کے طور پر برطانیہ میں ہر فرقے اور عقیدے کے لوگ رہتے ہیں لیکن انہیں (Britisher) کیا جاتا ہے۔ اسی طرح امریکہ کو لیں اس کی قومیت اس کی ریاست سے وابستہ ہے۔ ہر مذہب، فرقے اور عقیدے کا شخص جو امریکہ میں رہتا ہے وہ امریکن ہے۔ اسی طرح فرانس، جرمنی، اٹلی وغیرہ میں یہاں تک کہ مشرق وسطیٰ میں جتنے بھی ممالک ہیں۔ ان میں مختلف مذہب اور عقائد کے لوگ رہتے ہیں لیکن ان کی قومیت اس مملکت اور سرزمین سے وابستہ ہوتی ہے۔

لبنان واضح مثال ہے جہاں مسلمان اور عیسائی رہتے ہیں لیکن دونوں لبنانی ہیں۔ دور کیوں جائیں۔ علامہ سر شیخ محمد اقبال پادشاہ لاء (جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا) خود اپنے اس نظریے کی اپنے ایک اردو شعر میں وضاحت کی ہے کہ مذہب کا یہ کام نہیں کہ وہ لوگوں سے دشمنی اور تفرقہ کر دے کیونکہ ہم سب ہندی ہیں اور ہندوستان ہمارا ملک ہے۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیز رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

یعنی جناب شاعر مشرق کے کہنے کے تحت جو بھی اس سرزمین پر رہتے ہیں۔ ہندی ہیں یا ہندوستانی ہیں۔ تب مسلم لیگ نے یہ فلسفہ پیش کیا۔ دنیا میں صرف ایک دوسرا مذہب یہودیت تھا۔ جس نے یہ اصول تسلیم کر لیا اور اسی دلیں کے زور قیام پاکستان کے صرف سال بھر بعد پر اس نے انگریزوں پر زور دیا کہ یہودیوں کے لئے بھی اسرائیل دیا جائے اور فلسطین سے الگ کر دیا جائے۔ کیونکہ مسلم لیگ نے عقیدہ مذہب کی بناء پر مملکت بنانے کی دلیل پیش کر دی تھی۔

ایک قدم آگے چل کر دیکھئے کہ مسلم لیگ نے اپنے اس نظریے کو قبول کرنے کے لئے کونسے ذرائع استعمال کیے۔ مسلم لیگ اس ملک میں کسی قسم کے حالات پیدا کرنا چاہتی تھی تاکہ ایک ایسی مملکت قائم ہو جائے جس میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور ان کے لئے ایک روشن اور زریں مستقبل کی ضمانت ہو۔ اس کے لئے لازمی بات یہ تھی کہ سب سے پہلے مسلمانوں کی موجودہ بدبختی اور محرومی کی وجوہ معلوم کی

جائیں۔ یعنی دشمن کی نشاندہی کی جائے یہاں مسلم لیگ ہند کو اپنا دشمن مان چکی تھی اس کی تمام تر توجہ ہندو پر مرکوز تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ایمانداری سے دیکھا جائے تو مسلمان کا دشمن تو انگریز تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ انگریزوں نے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی تو فرض اس پر عائد ہوتا تھا۔ کیونکہ ہندوستان کو آزاد رکھنے کے سلسلہ میں غفلت ان سے سرزد ہوئی تھی۔ اس کو چاہئے تھا کہ انگریزوں کے مقابلے میں اس وقت تک چوکس رہتا جب تک ہندوستان کی کھوئی ہوئی آزادی قوم کو واپس نہیں دے دیتا۔ اس لئے ہندو کے مقابلے میں مسلمان کی زیادہ دشمنی انگریز سے ہونی چاہئے تھی۔ دوسری بات یہ کہ انگریز نے صرف ہندوستان میں ہی مسلمانوں کو تباہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو دنیا کے ہر کونے میں مسلمانوں کا پیچھا کرتا رہا۔ جہاں بھی اس کا بس چلا مسلمان کا گھر تباہ و برباد کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور سے لے کر آج تک اس کے قیسے یہی ہیں ترک مسلمانوں کی خلافت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا اور آپس میں بانٹ دیا تھا پھر یہ کہ انگریز ہندوستان پر قابض ہوا۔

کیا اس نے صرف ہندوؤں کے حقوق غصب کئے ہیں دریا صرف ہندو غلام ہے اور یہ پھر ہندو کے بچے کا حصہ انگریز چھین کر اپنے بچے کو کھلا رہا ہے۔ انگریز کی چکی میں اس کی تمام رحمت ایک ہی طرح پس رہی تھی اس میں ہندو کو مسلمان سے لگ نہیں کیا جاسکتا تھا تو اس لئے سیاست کے حاسب علموں کو یہ بات بہت عجیب معلوم ہوتی تھی کہ ہندوستان کی سر زمین پر ایک جماعت ایسی بھڑائی جو انگریز کو نہیں بلکہ ہندو کو اپنا دشمن تصور کرتی تھی جو خود بھی انگریز کی چکی میں ان کے ساتھ پس رہے تھے۔ اس جماعت نے نہ صرف ایک ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی کہ سہ مرا جی نوآبادی قوت کو اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھیں۔ اور یہاں تک اس کی خدمت کرنے کو تیار کیا کہ اگر مسلمان فوجی کو حکم دیا گیا ورتو اور اس نے خانہ کعبہ پر گولی چلانے سے گریز نہیں کیا۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ مسلم لیگ کے اس نظریے کی ہندو دشمنی نے اتنا اثر کیا کہ انگریز کے تمام دشمن پھر تو مسلم لیگ کی نگاہ میں اس کے دشمن بن گئے۔ ایک طرف وہ حقیقی مسلمان غازی، مجاہد، عالم دین جو دیوبند کے دارالعلوم کی برکت سے اسلام کو حقیقی روح سے آشنا کافر انگریز کے خلاف جہاد میں حصہ لے رہے تھے اور دوسری طرف وہ قوم پرست مسلمان جو قوی جذبہ اور ملکی مفاد کی خاطر ملک کی آزادی کے لئے انگریز سے لڑ رہے تھے۔ ان کی محاطت ہی نہیں انہیں غدار کہا اور خارج از اسلام قرار دیا۔ میرے خیال میں مسلم لیگ کی فرقہ وارانہ سیاست کا یہ پہلا غلط قدم تھا کہ انہوں نے اپنے دشمن کی نشاندہی میں غلطی کی بلکہ ان سے کروائی گئی یعنی مرض کی تشخیص غلط ہوئی۔ لازمی بات تھی کہ ان ہاتوں کا فائدہ انگریز کو پہنچ رہا تھا۔

مسلم لیگ کے رہنما اپنے اس دو قوی نظریے کے حق میں یہ بات بار بار دہراتے ہیں کہ اس نظریے کی بنیاد سرسید احمد خان نے رکھی تھی جس نے دیوبند کے دارالعلوم کے مقابلے میں علی گڑھ مسلم

ہندوؤں کی بنیاد رکھی تھی لیکن تاریخی چھان بین سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی جو تقاریر میری نظر سے گزری ہیں وہ تو مکمل طور پر دو قومی نظریے کے خلاف ہیں۔ مثال کے طور پر جو تقاریر مخدوم زادہ حسن محمود نے اپنی کتاب (A Nation is Born) میں نقل کی ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر 339 پر سر سید احمد خان کی گورداسپور میں کی گئی ایک تقریر نقل ہے جو اس نے 27-10-1884 کو کی تھی۔ کہتا ہے: ہم یعنی مسلمان اور ہندوؤں کو چاہئے کہ ایک دل و ایک روح بن جائیں۔

In this speech at Gurdaspur on January 27 1884 Sir Syed Ahmed Khan said "We (i.e. Hindus & Mohammadans) should try to become one heart and soul & act in Union."

ترجمہ۔ "27 جنوری 1884ء کو سر سید نے گورداسپور میں اپنی تقریر میں کہا تھا۔ ہمیں

(ہندوؤں اور مسلمانوں کو) کو دل و جان بن جانا چاہئے اور مل کر چلنا چاہئے۔"

اور پھر آگے چل کر اس کے لئے یک منطقی اور تاریخی دلیس پیش کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ تمام پرانی تاریخی کتابیں اور روایات تمام لوگوں نے پڑھی ہوں یا سنی ہوں۔ اور آج بھی یہ بات واضح ہے کہ ایک مملکت میں رہنے والے ایک ہی نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ افغانستان کے مختلف قبیلے ایک قوم ہیں اور اسی طرح ایران میں بسنے والے مختلف گروپ ایک ہی نام ایرانی سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان میں بہت ذہنی اور مذہبی اختلافات ہیں۔ پھر ایک قدم آگے چل کر کہتا ہے کہ یہ ہندو اور مسلمان کا نام صرف مذہبی امتیاز کے لئے ہے۔ ویسے تو سب ہندو، مسلمان اور عیسائی جو یہاں رہتے ہیں وہ حقیقت میں ایک قوم ہے۔

In old historical books and traditions you'll read and heard, and see it even now, that all the people inhabiting one country are designated by the term one Nation.

"The different tribes of Afghanistan are termed as one Nation & so the miscellaneous hordes people in Iran distinguished by the term Persians, though abounding in a variety of thought & Religions are still known as member of one Nation."

ترجمہ۔ "تاریخ کی پرانی کتابوں اور روایتوں میں تمام پڑھوسنوں کے اور اب بھی دیکھ سکتے ہو کہ

ایک ملک میں رہنے والے تمام لوگوں کے لئے ایک قوم کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔"

"افغانستان کے مختلف قبائل ایک ہی قوم کہلاتے ہیں اس طرح ایران میں رہنے والے تمام

کے مختلف انواع گردہ یہائی کہلاتے ہیں۔ حالانکہ ان میں بہت سے افکار اور مذاہب رائج

ہیں مگر پھر بھی ایک قوم کہلاتے ہیں۔“

ایک دوسری تقریر میں سر سید احمد خاں نے لاہور میں 1884ء میں کی۔ اس میں بھی قوم کے مسئلہ پر کافی تفصیلی گفتگو کی ہے اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ان وجوہ کی بنا پر میں ان دونوں (Races) قومیں جو یہاں ہندوستان میں رہتی ہیں ایک نام سے پکارتا ہوں۔

Remember that the word Hindu & Mohammadans are meant for religion distinction otherwise all who reside in this country are , all in this particular respect belong to the same Nation.

There are the different grounds upon which, I call both these races which inhabit India by one word i.e. Hindu meaning to say that they are the inhabitants of Hindustan.

(P 340) A Nation is Born by Hussan Mahmood.

ترجمہ:- ”یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان تو مذہبی تفریق کے لئے استعمال ہوتے ہیں مگر نہ اس ملک میں رہنے والے تمام لوگ ایک ہی قوم کے فرد ہیں۔ یہ ہیں وہ مختلف بنیادیں جن کے سبب میں ان دونوں نسلوں کو جراثیم میں آباد ہیں۔ میں ایک ہی لفظ ہندو سے منسوب کرتا ہوں جس میری مراد ہے ہندوستان کے رہنے والے۔“ (اے نیشن از ہمن حسن محمود)

اب تو بس حد ہی ہوگی۔ سر سید تو یہاں تک پہنچے کہ وہ محمدؐ کا نام بھی چھوڑ دیا اور یہ فتویٰ جاری کر دیا کہ جو کوئی ہندوستان کی اس سرزمین پر رہتا ہے اس کا جو بھی عقیدہ ہو اور جس مذہب کا بھی پیروکار ہو۔ اسے ہندو کے نام سے پکارا جائے۔

اور یہی مسئلہ اسی طرح سر شیخ محمد اقبال کا بھی ہے ”ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا“ کے لئے مذہبی نکتہ نگاہ ڈھونڈتا ہے۔ ”یہ مذہب نہیں سکھاتا آپس میں پیر رکھنا۔ مذہب اور مذہبی تعلیم تو بدل نہیں سکتا۔ کم از کم مسلمان کا تو یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد جبکہ دین مکمل ہو گیا ہے کسی کو تو حق حاصل نہیں کہ مذہب میں ترمیم کر سکے۔ تو پھر یہ مذہبی عقیدہ کس طرح سیاسی نظریے کے ساتھ بدل سکتا ہے۔ لیکن سر محمد اقبال بھی سر سید احمد خاں کی طرح اس سلسلے میں کافی آگے جانچے ہیں جسے کہ اپنے فارسی کے ایک شعر میں کہتا ہے۔

”دانش سبھ بہ زبائر کشیدن آموز
مگر نگاہ تو دوین، است نہ دیدن آموز“

یعنی چاہئے کہ مسلمان کے تسبیح کے دانوں کو ہندو کے زنا میں پرودیا جائے۔ (زنا ہندوؤں کا وہ مقدس دھاگہ ہے۔ جو ان کے جسم سے پوست کندھے سے بغل تک لٹکا ہوتا ہے) یعنی مسلمانوں کی تسبیح کے ذکر الہی کے دانوں کو ہندوؤں کے زنا کے دھاگہ میں پرونا چاہتا ہے۔ یہ اتحاد چاہتا ہے یہ مذہبی رواداری چاہتا ہے اور پھر فیصلہ سنانا ہے کہ اگر تمہاری نظر ان دنوں کو الگ الگ کر کے دیکھے تو پھر تمہاری آنکھوں میں روشنی نہیں۔ یعنی اندھا ہے۔ بہت زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ مسلم لیگ کی اکثر پاس ہونے والی قراردادیں اور جناح صاحب کی بے شمار تقاریر اس بات کا ثبوت ہیں کہ مسلم لیگ نے دو قومی نظریے کو اپنی سیاست کی بنیاد پر رکھا تھا۔ چاہیے کہ اس بات پر غور کریں کہ مسلم لیگ تو صرف مسلمانوں ہی کی سیاست کرتی تھی۔ باقی ہندوستانوں سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ یعنی جسے قوم پرست سمجھا جائے۔

اس کی دعویدار نہ تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ نسخہ کس حد تک مسلمانوں کے مرض کا علاج ثابت ہوا۔ جیسے میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مسلم لیگ نے مرض کی تشخیص یہ کر دی تھی کہ مسلمانوں کا دشمن انگریز نہیں بلکہ ہندو ہے اور اب علاج یہ تجویز کیا ہے کہ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان تقسیم کیا جائے۔ اور پاکستان بن جائے تو اس طریقے سے ہندوستان کے مسلمانوں کی مشکلات اور محرومیاں ختم کر دی جائیں گی۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلم لیگ کی تحریک ہندوستان کے ان صوبوں میں زیادہ مضبوط تھی جہاں مسلمان، اقلیت میں تھے، اور اس کا ثبوت 1937ء کے صوبائی انتخابات نے قطعی طور پر ثابت کر دیا تھا کہ مسلمانوں کے چاروں اکثریتی صوبوں میں مسلم لیگ نے کوئی نمائندہ حیثیت تو کیا۔ دو صوبوں میں یعنی سندھ اور سرحد میں ایک بھی نمبر نہیں تھا اور پنجاب کے 84 مسلمان نمبروں میں صرف ایک نمبر تھا۔ اس میں بھی کسی شک کی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں تھیں۔ قیادت ان کی تھی۔ پنجاب کا لیڈر سر سکندر حیات خاں، بنگال کا مولوی فضل الحق، سندھ میں خان بہادر اللہ بخش سومرو تو صوبہ سرحد میں سر صاحبزادہ عبدالقیوم تھے۔ تو ان صوبوں میں تو مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کا مسئلہ تو ان صوبوں میں تھا جہاں غیر مسلموں کی اکثریت تھی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلم لیگ انہی صوبوں میں ہر دھڑ تھی اور مسلم لیگ کے کل ہندو لیڈروں کی نمائندگی پارلیمنٹ اور صوبوں میں یہی رہنما کرتے تھے تو اب اس بات پر غور کیا جائے۔ جذباتی طریقے سے نہیں۔ بلکہ بہت ٹھنڈے دل و دماغ سے کہ غیر مسلم اکثریتی صوبوں میں ان مسلمانوں کی تکالیف اور محرومیوں کو دور کرنے میں مسلم لیگ کی کامیابی کے نتیجے میں کس حد کامیابی ہوئی۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے کہ مسلم لیگ اپنی سیاست میں کامیاب ہو چکی۔ تقسیم ہند کے نتیجے میں پاکستان حاصل کر چکی ہے تو چاہیے کہ اب اس سیاست کی کامیابی کے بعد یہ حساب لگایا جائے کہ مسلمانوں کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کے اس مرض کا علاج

اس نسخے سے کس قدر کامیاب ہوا۔ میں یہ بات بار بار کرتا ہوں کہ جن صوبوں میں پاکستان کے قیام کا مطالبہ ہوا۔ تو ان صوبوں کا اختیار تو ویسے بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ اگر تو بات اختیار کی حد تک محدود تھی تو پاکستان کا وہ اختیار وہاں موجود تھا۔ صرف نام پاکستان نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ اصل مرض تو بمبئی، مدراس، دلی، یوپی، سی پی اور اڑیسہ میں تھا۔ مسلم لیگ کی اس دو توی نظریہ اور پاکستان کے قیام کی کامیابی نے اس کے مجبور اور محروم مسلمان کو کیا فائدہ پہنچایا۔ تکلیف۔ بمبئی اور لکھنؤ کے مسلمان کو بھی پاکستان بنایا۔ لاہور، پشاور میں۔ تکلیف بہار اور اڑیسہ کے مسلمانوں کو تھی۔ پاکستان بنا ڈھاکہ میں۔

یہ سوال کرنے کا حق صرف ہندوستان کے ان صوبوں کے مسلمانوں کا نہیں جو اس تقسیم کے نتیجے میں اپنے اپنے صوبوں میں بے ہیں۔ بلکہ پاکستان کے مسلمانوں کا یہ حق ہے کہ مسلم لیگ کے رہنماؤں سے پوچھتے اور سختی سے پوچھیں کہ ہم سے کٹ کر رہنے والے ان پانچ کروڑ مسلمانوں کے لئے اس خوشی اور آزادی کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے آپ کا تجویز کردہ نسخہ کتنا کامیاب اور بحرب ثابت ہوا۔

اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قیام پاکستان کے مہینوں منت تمام ہندوستان میں فرقہ دارانہ فسادات کی آگ کی بھڑک اٹھی تھی۔ وہ مقامی باشندے آپس میں ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے میں مصروف تھے۔ اور جب ایک طرف سے مہاجر لڑے پڑے۔ جہاں حال، بے سرو سامان دوسری طرف جاتے تو وہاں غلّی پر تیل کا کام ہو جاتا۔ پورا ملک شعلوں کی پیٹ میں تھا اور ایک ایسے مذہبی جنون اور فرقہ واریت کی دیوگی پورے ملک پر چھائی تھی جس سے ہندوستان کا کوئی کونہ بچ نہ رہا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت، حقارت و دشمنی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ اخلاقی اقدار تو چھوڑیں، انسانی جہت بھی کسی میں نہیں رہی یہاں تک کہ یہ سب کچھ کرنے کے لئے ایک دوسرے کی خواتین پر بھی ہاتھ ڈالنے سے نہیں چوکتے تھے۔ جب ایک طرف پورے ملک میں ہندو اور مسلمان کے نام پر یہ دیوگی کی فصاحتی اور ان مصائب، تکالیف اور تباہی اور بربادی کے وقت یہ مظلوم اور مجبور مسلمان وہاں فساد زدہ ہندو اور سکھوں کے ساتھ مشترکہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے تو اس مسلمان کی ذہنی، روحانی، نفسیاتی اور ایمانی کیفیت کا اندازہ کوئی لگا سکتا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ بات کہ وہ سب لیڈر جو اپنے آپ کو مسلمانوں کے لیڈر کہتے تھے۔ وہ سب پاکستان منتقل ہو گئے اور ان مسلمانوں کو اسی فضا میں خون میں لتھڑے ہوئے آگ کے شعلوں میں چھوڑ دیا اور سرکاری نوکریوں میں جو مسلمان تھے۔ سول میں تھے یا فوج میں اور جن سے ان نے بچے مسلمانوں کو یہ توقع ہو سکتی ہے کہ شاید ہمارے کام آئیں کچھ دے دیں۔ انہوں نے بھی پاکستان آئے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ بات کبھی کسی مسلم لیگ رہنما کے ضمیر میں نہیں آئی کہ یہ پیچھے رہ جانے والے مسلمان جنہوں نے مسلم لیگ بنایا اسے چندے دیئے۔ ان کے کہنے پر مظاہرے اور مطالبے کئے تھے۔ جنوں لکے تھے اسی مسلم لیگ کی ہدایات پر سیاسی سرے بازی کی تھی اور اپنے

ہمسایہ کے ساتھ دشمنی کی حد تک پہنچ چکے تھے۔ ان بچاروں کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑا، ان مسلمانوں کے وہ منتخب کردہ رہنما کہاں گئے یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب دینے پر مسلم لیگ کے رہنما مجبور ہیں۔

یہ تو حال تھا سیاسی سرکاری ملازمین اور مسلمان السروں کا لیکن اس کے ساتھ چھوٹے موٹے مسلمان، سرمایہ دار تاجر اور کارخانہ دار بھی پاکستان چلے آئے تو ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کے اقتصادی رستے بھی بند ہو گئے اور اگر کچھ چھوٹا موٹا کاروبار، نوکری کسی مسلمان کو اگر کوئی تاجر، سرمایہ دار یا کارخانے دار دے سکتا تھا اس کی بھی گنجائش ختم ہو گئی غرض یہ کہ ہندوستان رہ جانے والے مسلمانوں کو نہ ہی طور پر بھی سیاسی طور پر بھی اور اقتصادی طور پر بھی ایسی حالت میں بے یا مددگار چھوڑ دیا گیا کہ ملک کی پوری فضا اس کی مخالف تھی۔ مذہبی جنون نے پورے ملک کو سر پر اٹھ رکھا تھا لاکھوں لوگ تو پاکستان آ گئے لیکن تقریباً پانچ کروڑ مسلمان مسلم لیگ سیاست کی نذر ہو کر ہندو کی غلامی میں رہ گئے کہ مکمل طور پر دشمن کے رحم و کرم پر زندگی ایسے حالات میں گزاریں ان کے رہنما تمام کے تمام ایک ایک کر کے پاکستان آ گئے۔ میرے اپنے خیال میں ان میں صرف ایک میرٹھ کے نواب اسامیل خان تھے جس نے آنے سے انکار کر دیا۔ لیکن باقی سب نے تو خیر اسی میں جانا کہ بیع بال بچے کے نہایت آرام و سکون سے پاکستان آ گئے اور وہ اپنی سرزمین اپنے بھائی بند، اپنے سیاسی ساتھی اور خدمت گزاروں تا بحصار ان سب کو دیکھتی آگ میں چھوڑ آئے۔

باقی رہ جانے والے مسلمانوں میں بھی بہت غیر مسلموں کی بربریت کی وجہ سے نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔ مٹے پٹے، ڈاٹی اور جسمانی طور پر زخمی بڑے بڑے قلعے بے سرو سامان کے حالات میں پاکستان پہنچے۔ لازمی بات تھی کہ ہندوستان کے تمام مسلمان تو بھرت نہیں کر سکتے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس مجبور اور مظلوم مہاجر پر یہاں کیا گزرتی ہے۔ * سوچنے کی بات تو یہ تھی کہ ہندوستانی مسلمان اپنے اس گھر میں دیکھتی آگ میں نہیں رہ سکتے اور انہیں اپنی نجات صرف اسی میں نظر آتی تھی کہ وہ اپنے آباء و اجداد کی سرزمین چھوڑ دیں اور اپنی عزت اور اپنا سر بچانے کی خاطر پاکستان کی پناہ میں چلا جائیں۔ اس بچارے کا صرف یہی ایک آسرا تو رہ گیا تھا۔ یہ بات تو معلوم ہے یہی کہ بڑے بڑے رسائی رکھنے والے مہاجر تو غیر مسلموں کی

* ان مجبور و مظلوم مہاجروں پر یہاں جو گزری اس کا اندازہ اردو ادب میں سعادت حسن منٹو اور قدرت اللہ شہاب کے افسانوں

”کھول دے اور“ یا خدا سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو اردو ادب میں اس نوعیت کے شاہکار افسانے ہیں۔ البتہ پشتو

ادب میں فسادات پر افسانے نہیں لکھے گئے اس کی وجہ یہ کہ جعلی رفریڈم میں شکست کے باوجود سرحد میں مغربوں

مظہیم اور عوامی سطح پر مقبوضت کی وجہ سے خدائی خدمتگار تحریک کے رضاءوں نے بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فسادات

کی کوشش ناکام بنا دی اور ہندوؤں کو بحفاظت نکال دیا البتہ ہزاروں جہاں مسلم لیگ کا نفوذ زیادہ تھا وہاں مسلم لیگ

رہنماؤں جیسے جلال بابا وغیرہ کی سرکردگی میں ہندو سکسوں کو بے درغی مارا گیا۔ اور ان کی عزتیں لوٹی گئیں۔

چائیدادوں، بنگلوں، گھروں، دکانوں اور کارخانوں پر قبضہ کر لیں گے لیکن آگ کے شعلوں میں جلے ہوئے
تباہ حال خون میں نہائے ہوئے ان عام بے کس مہاجرین کا کیا حال ہوگا۔

انسان جب اس پورے مسئلہ کو غور سے دیکھتا ہے تو مسلم لیگ کی سیاست کے نتیجے میں ایک
بنیادی مشکل ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کے لئے یہ پیدا ہوئی کہ ایک سیاسی مسئلے کو بلاوجہ
مذہبی رنگ دیا گیا اور مسلم لیگ کی برکت سے یہ جنگ۔ سیاسی میدان سے نکل کر مذہبی فرقہ وارانہ ڈگر پر چل
پڑی تھی۔ ورنہ اگر سیاسی تحریک ہوتی تو تقسیم کے ساتھ مسئلہ ختم ہو چکا ہوتا۔ سیاست ہوتی تو کامیاب ہو چکی
ہوتی۔ کانگریس ہندوستان کی آزادی مانگ رہی تھی کامیابی ہوتی۔ انگریز چلا گیا۔ غلامی ختم ہوئی مسم
پاکستان، رنگ رہی تھی وہ انہیں مل گیا تو مسئلہ اگر سیاسی سطح پر ہوتا تو ختم ہو چکا ہوتا لیکن مسلم لیگ نے اسی
سیاسی مسئلے کو مذہبی رنگ دے دیا۔ ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم مصیبت
چھوڑ آئے کہ فرقہ پرست ہندو اور مذہبی جنونی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہندوستان کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کیا۔
لیکن اس مذہب کے کرداروں پیروکار اب بھی یہاں موجود ہیں۔ یہ تو مسئلہ کا حل نہ ہوا اور یہی وجہ تھی کہ مذہبی
جنونیت اور فرقہ وارانہ منافرت کی یہ آگ سرد نہ ہوئی بلکہ وہ باقی ماندہ مسلمان پھر اور بھی مجبور و محروم اس وجہ
سے ہوئے کہ پہلے تو صرف غیر مسلموں کی اکثریت کے رحم و کرم پہ تھے لیکن اب ان کے قہر و غضب اور ان کی
دشمنی میں آ گئے تھے۔ تو مطلب واضح ہے کہ مسلم لیگ ہندوستان میں مسلم اقلیتی صوبوں کی نمائندہ کی حیثیت
سے ان کے مرض کی درست تشخیص نہ کر سکی اور جب کسی مرض کی تشخیص صحیح نہیں ہوگی تو علاج یقینی طور پر غلط ہو
گا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مسلم لیگ کی سیاست کے نتیجے میں مسلمانوں کی حالت بہتر ہوتی لیکن وہ اور بدتر ہو گئی
اب تو وہ اور بھی زیادہ مجبوری، محرومی کی حد تک موذی مرض میں جھکڑے گئے ہیں۔

فرقہ وارانہ سیاست اور کانگریس

اس میں شک نہیں کہ ایک طرف مسلم لیگ کی فرقہ وارانہ سیاست کے نتیجے میں پورے ملک میں آگ بھڑک اٹھی تھی تو اس کے مقابلے میں ایسی قوتیں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں بھی موجود تھیں جو اس آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہی تھیں اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس وقت پوری قوم کے جذبات اور احساسات دیوانگی کی حد تک بھر آئے تھے اور درندے بن گئے تھے اس وقت جو بھی ہندو، مسلمان اور سکھوں کے مابین صلح اور صفائی اور دوستی کی بات کرنا تھا۔ تو یہ نہیں کہ بات بے موقع اور بے جا ہوتی تھی بلکہ ان حالات کی موجودگی میں ایسی بات حماقت کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔

مسلمانوں میں اس سلسلہ میں منظم حرکت خدائی خدمتگاروں نے کی۔ جب مسلم لیگ کی طرف سے خدائی خدمتگار وزارت کو توڑنے کی مہم ہایت تیز ہو گئی اور بھجور خورشید انور کے ذریعے صوبہ سرحد کی سیاست میں تخریب کاری پہلی مرتبہ منظم طریقہ سے متعارف ہوئی اور پھر یہاں جب فسادات کی بنیاد رکھی گئی تو یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ ایک طرف ان حالات میں قوم دشمن بد معاشوں کے لئے راستہ کھول دیا گیا تا کہ وہ لوٹ مار شروع کر دے۔ فرقہ وارانہ دادرش عام کریں۔ مکانوں، جنگلوں تجارتی اداروں اور کارخانوں پر قبضہ کریں تو دوسری طرف یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ سرکاری افسران اپنی ذمہ داریاں پوری کر نہیں رہے ہیں اور جو انہیں کرنا چاہئے تھا، اس کے برعکس کر رہے ہیں۔ حفاظت نہیں ہو رہی تھی۔ صوبائی وزارت نے درخواست کی کہ پشاور شہر میں غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت کے لئے خدائی خدمتگار رضا کار سامنے آ جائیں چنانچہ چھ ہزار خدائی خدمتگار پشاور میں اس ڈیوٹی پر حاضر ہوئے تاکہ فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام کر سکیں اگرچہ مسلم لیگ کے تخریب کار، رضا کار اور کچھ مستندے لپے لٹکے جگہ جگہ کھڑے ہو کر خدائی خدمتگاروں کو طعنہ دیتے تھے کہ تم لوگ ہندوؤں کو بچانے کے لئے آئے ہو۔ بہار کے فسادات کے قصے سناتے اور سکھوں کے ہاتھوں پنجاب میں مسلمانوں کی تباہی کی یاد دلاتے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ وجود اشتعال کے خدائی خدمتگار غیر مسلموں کے دل و جان اور عزت کا تحفظ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ لیکن انگریزوں کی یہ پالیسی تھی کہ دنیا کو یہ تاثر پیش کرے کہ ہندو اور مسلم کی یہ جدائی اتنی اہم اور بنیادی ہے کہ مشترکہ گھر میں رہنے

کا تو سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انگریز کا مقصد یہ تھا کہ ان غیر مسلموں کو صوبے سے نکال دے۔ مسلم لیگ بھی یہی چاہتی تھی لوٹ مار جائیدادوں پر قبضہ کرنے کے بعد وہ ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ یہاں اسبلی میں ہندو اور سکھ ممبران تھے تو ان کے چپے جانے سے انگریز اور مسلم لیگ دونوں کا مقصد پورا ہوتا تھا۔ غیر مسلموں کو پشاور کے بالا حصار قلعہ میں جمع کیا اور ہندوستان روانہ کر دیا گیا۔*

وہاں ہندوستان میں بھی کانگریس کے رہنما عموماً اور گاندھی جی خصوصاً ان فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بجھانے کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ گاندھی جی تو اس مسئلہ میں اتنا آگے نکل گئے کہ اس نے اپنی جان بھی داؤ پر لگا دی اور کلکتہ میں مسلمانوں کے خلاف فساد بند کرانے کی خاطر تادم مرگ روزہ رکھا اور اس ذاتی قربانی کے ذریعے ایسی فضا پیدا کی کہ ہندو مسلم سکھ مآدم آدمی تو چھوڑیں سرکاری پولیس بھی اتنی متاثر ہوئی کہ وہ بھی روتی رہی تھی اور تب جا کر گاندھی جی نے مرن بھرت کھوڑا اور کلکتہ کے میدان میں ہزاروں مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کو بغل گیر کیا لیکن یہ آگ اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ ایک جگہ سے بھاتے تو دوسری طرف لپک پڑتی۔ گاندھی جی اس کے ساتھ سرگرداں پھر رہے تھے کہ جیسے بھی ہواں آگ کو بجھانے کی کوشش کریں۔ کلکتہ تھا کہ دہلی مشرقی بنگال تھا یا بہار۔ لیکن یہ مسلم لیگی بھی عجیب مخلوق تھی کہ حسین شہید سہروردی جس نے بنگال کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے مسلم لیگ کے اعلان کے مطابق راست اقدام (Direct Action) کا دن منانے کے لئے مسلمانوں کے جلوس کی قیادت کی اور یہ وہی مقام تھا جہاں سے فرقہ وارانہ منافرت کی آگ بھڑکائی گئی تھی اور پھر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حسین شہید سہروردی گاندھی جی کے ساتھ اپنی فرقہ وارانہ سیاست کو دہانے کی کوشش کے لئے نکلا تھا۔**

اس سلسلے میں مسلم لیگ نے ان منحرف فدائی خدمتگداروں سے بھی کام لیا جو کانگریس سے اتحاد کا بہانہ بہا کر انگریز کی ایماء پر الگ ہوئے تھے۔ جیسے صوابی کے مولانا شاد محمد اور بخت جمال چارسدہ کے ملہ خادم انیسویں نے نہ صرف یہ کہ احمد آباد، گجرات کے ان بختوں کو ہندوؤں سے لڑائی پر آمادہ کیا جو اس سے پہلے باچا خان کی مشورت سے اخبارات میں فرقہ وارانہ فسادات سے برأت کا اظہار کر چکے تھے اور ان کے جواب میں وہاں ہندوؤں نے بھی ایسے اشتعال دہکے ذریعے جواب دیا تھا لیکن ان صوبوں نے وہاں جا کر ان میں کچھ کو جہاد کے نام پر حزیب کے بے آمادہ کیا جس کے نتائج بڑے نکلے۔ اور بہت سے لوگ مارے گئے۔

ایس کے محمد ار کتاب "جناح اور گاندھی" میں فرقہ وارانہ فسادات کا بنیاد بننے والے مسلم لیگ کے راست اقدام کے متعلق لکھتے ہیں۔ قانون کے منسٹر انچارج حسین شہید سہروردی نے 16 اگست کو کلکتہ شہر کے 24 پولیس ایشینوں میں سے 22 مسلمان افسروں اور ہائی دھائی انگوادین کے کنٹرول کرنے دے دیئے اور پورے صوبے میں عام تعطیل کا اعلان کرتے ہوئے لالچیاں، برصیاں، ہتھوڑے، چھڑاں، دیگر آتشیں ہتھیار بڑی تعداد میں تقسیم کر دیئے مسلم لیگی فسادوں کو راسپرٹ اور سیکڑوں گیلن ہٹول کے کوپن منائی دیئے گئے۔

قومی نظریے سے مسلم لیگ کا انکار

ہم نے دیکھا کہ جب مسلم لیگ نے کینٹ مشن کا منصوبہ منظور کیا اور ہندوستان کے وفاق کو تسلیم کر لیا اور تین گروپوں پر مشتمل ایک مرکزی حکومت کو مان لیا تو اس طرح سے انہوں نے اپنے پاکستان کا وہ مطالبہ چھوڑ دیا اور چونکہ پاکستان کے قیام کی بنیاد صرف اور صرف دو قومی نظریے پر رکھی گئی تھی تو اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ پاکستان کا مطالبہ چھوڑنے کے ساتھ ساتھ اس سے بھی دستبردار ہو گئی۔ جس بات کی مجھے سمجھ نہیں آئی وہ یہ کہ مسلم لیگ کے رہنماؤں نے اپنی سیاست کے لئے مذہب کا میدان پسند کیا تھا اور ہر ایک بات اور پالیسی کے لئے اسلامی نکتہ نگاہ سے جوار ڈھونڈا کرتے تھے تو مشکل یہ تھی کہ مذہب میں تو کوئی کمی بیشی یا ترمیم و تہجیح کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ کم از کم مسلمان تو نبی کریمؐ کو آخری نبی مانتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ انہوں نے ہمارے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات چھوڑ دیا ہے جس میں تغیر و تبدل یا کسی کمی بیشی نہیں ہو سکتی تو ہمیں یہ بات سمجھنے میں ذرا تکلیف تھی کہ پاکستان کا مقصد کیا؟ لا الہ الا اللہ*۔ لیکن اس مسلم لیگ کے رہنماؤں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اس کلمے کو اپنی جگہ چھوڑ کر پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں تو اگر ان پر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے بتایا تھا کہ پاکستان اور لا الہ الا اللہ مربوط ہیں تو کیا اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ ان لوگوں نے اس کلمے کو چھوڑ دیا ہے۔ مذہب تو کبھی بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ آج کلمے کی بنیاد پر ایک تحریک چلائی جائے اور کل کو وہی مذہبی تحریک چھوڑ دی جائے تو اسی طرح یہ تمام کلمے اسی کلمے کے انکار پر ختم ہوتا ہے۔

یہ ایک بنیادی تکلیف ہے جو ہر اس تنظیم، پارٹی یا جماعت کو پیش آتی ہے جو اپنے سیاسی اغراض اور پالیسی کو آگے بڑھانے کے لئے مذہب کا سہارا دیتے ہیں اور اسی نام سے کام کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ تنظیمیں ہیں جو خالص مذہب کے نام پر دینی تحریکیں چلاتی ہیں یعنی ہمارے ہندوستان کے وہ بائبل علماء کرام جس کا تعلق دیوبند کے دارالعلوم سے تھا اور وہ کافر انگریز سامراج کے خلاف تحریک چلانا اپنی دینی فریضہ اور جہاد سمجھتے تھے سے مسلم لیگ جو اپنی سیاست کو مذہب کے پردے میں چلا رہی تھی۔ ان کے راستے میں

مذہب کے بعد حضرت مودائی کا دیا گیا یہ نعرہ پاکستان کا مقصد کیا لا الہ الا اللہ اچانک پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ سے بدل دیا گیا کیوں کہ اب مقصد کا تعین بدل گیا تھا۔ لہذا لا الہ الا اللہ صرف مطلب (یعنی چہ؟) تک محدود کر دیا گیا۔

یقیناً اسکی مشکلات آتی تھیں کیونکہ مذہب کا راستہ تو سیدھا اور بالکل واضح ہے۔ اس میں ادھر ادھر نکلنے اور آگے پیچھے چلنے کی گنجائش نہیں اور سیاست میں تو یہ کام ضروری پیش آتا ہے تو جو لوگ سیاست اور مذہب کو خلط مدط کرتے ہیں تو اس کا ماری نتیجہ بھی یہی ہوتا ہے جو مسلم لیگ کو درپیش تھا کہ ایک مقام ایسا آت پہنچا کہ اپنی سیاسی پالیسی کو بدلنے کے نتیجے میں وہ پاکستان کے مطالبے سے ہاتھ دھو بیٹھے اور چونکہ پاکستان کو انہوں نے مسلمانوں کے بنیادی عقیدے سے مربوط کر دیا تھا تو اب ان پر یہ اعتراض کرنا جائز تھا کہ انہوں نے اپنا سیاسی نہیں بلکہ مذہبی عقیدہ چھوڑ دیا ہے۔

لیکن اگر مسلم لیگ کی سیاست کو دیکھا جائے تو مسلم لیگ کے رہنماؤں کا یہ دتیرہ رہا ہے کہ مختلف لوگوں سے مختلف باتیں کرتے رہے۔ جناح صاحب جب مرحد آئے تو اس نے اوروں کے عدوہ یہاں کافی مذہبی رہنماؤں، درجیروں سے بھی مذاقات کیے۔ ہاگی شریف کے پیر صاحب امین الحسنات کو لکھ کر دیا تھا کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہوگی اور اس میں قانون شریعت محمدی ہوگا۔ لیکن اس کے مقابلے میں سکندر مرز اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جب ہم نے دل سے کراچی کے لئے روانہ ہونے کا فیصلہ کیا تو میں نے ایک دن قائد اعظم سے پوچھا کہ جناب ہم تو سب پاکستان جا رہے ہیں لیکن پوچھنا یہ ہے کہ وہاں آپ کس قسم کی حکومت بنائیں گے۔ آیا آپ کا ارادہ ہے کہ ایسی حکومت بنائیں جس کا دار و مدار اسلام پر ہوگا۔ قائد اعظم نے کہا کہ No Nonsense میں ایک Modren حکومت بنائوں گا

Before we all left Dehl., I said to the Q. Azam one day, " Sir we are all agreed to go to Pakistan, but what kind of a Govt are you going to have? Are you going to have a type of Govt. with accent on Islam?" No nonsense" he replied" I am going to have a modran Govt."

ترجمہ:- "اس سے قبل کہ ہم سب دہلی چھوڑیں۔ میں نے ایک دن قائد اعظم سے کہا 'سر ہم سب پاکستان جانے پر متفق ہیں مگر آپ کس طرح کی گورنمنٹ قائم کریں گے۔ کیا ایسی گورنمنٹ جس کا اسلام پر زور ہو؟' قائد اعظم نے جواب دیا:- "اس نے کہا:- "میں ایک جدید حکومت قائم کروں گا۔"

پاکستان سائنس مورٹین اس حوالے سے دو گروپوں میں منقسم ہیں برٹر ہند ہیں کہ جناح صاحب ایک سیکولر لیبرل پاکستان بنانا چاہتے تھے جبکہ دانا درباری گروپ کہتا ہے کہ نہیں وہ اسلامی فلاحی ریاست بنانا چاہتے تھے لیکن اس کا سانچہ ارحال بے وقت ہونے سے تجرباتی فلاحی ریاست کی بنیاد سے نہ چڑھ سکی حالانکہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حقیقت میں مسلم لیگ نے پاکستان کو ملا صاحب کی جنت کے طور پر پیش کیا تھا کہ جو تمہاری خوشی ہوگی وہی حاضر ہوگا۔ دودھ اور شہد کی نہریں، بیکس کی اور جوروں اور غلمان کا تو کوئی حد حساب ہی نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ جو چیر چاہو وہ حاضر۔ نگور چاہئے، انار یا سیب یا دام۔ نہ بونے کی جمنیٹ۔ نہ اپنی کھاؤ کا جنجال، بس فوراً پھل حاضر۔ اور اگر مائگی شریف صاحب کے ساتھ شریعت محمدی کا دھڑا تھا۔ اس کا منہ بھی ہم دیکھ چکے تھے۔ جب مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل ہونے کی اجازت مل گئی تو مسلم لیگ کے وزیروں میں ایک جو گندرتا تھا منزل تھا۔ جو ہندو بھی تھا اور ہریجن بھی۔ تو یہ بہت حیرت کی بات تھی۔ ایک مکمل مذہبی تحریک جس نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری صرف اپنے سرے رکھی تھی کیسے مسلمانوں کے اس تحفظ کے لئے ایک ہندو وزیر مقرر کرتی ہے جو مسلم لیگ کے کہنے کے مطابق ایک الگ قوم سے تھا، اور جناح صاحب کی اپنی تقریروں کی رو سے دو مختلف اور متضاد قومیں ایک مملکت میں نہیں رہ سکتی تھیں۔

اب ذرا آگے چلیے۔ جب مسلم لیگ اپنے مطالبے میں کامیاب ہو گئی اور دو قومی نظریے کی بنیاد پر ہندوستان تقسیم ہو گیا اور پاکستان کا مطالبہ منظور ہو گیا تو پاکستان کے باقاعدہ اعلان سے تین دن پہلے یعنی 11 اگست 1947ء کو جناح صاحب نے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں اپنی مفصل تقریر میں مسلم لیگی حکومتی پالیسی کا بہت وضاحت سے اعلان کیا تھا۔ چونکہ مسئلہ بہت اہم اور بنیادی ہے تو میں ذرا تفصیل سے نقل کروں گا۔ جیسے فرماتے ہیں۔

(بقیہ ماضیہ) اس میں البتہ شک نہیں کہ وہ مذہب کو اپنی سیاسی کامیابی کے لئے عوامی حلقوں میں استعمال کرتے تھے۔ جیسے 1948ء میں کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب میں کہا کہ لکھوان میں داخلہ کی وجہ وہاں قانون سازوں میں محمد علی جناح پاک کا نام تھا حالانکہ لکھوان میں کہیں بھی ان کا نام نہیں البتہ ان کی تصویر عیسائی، موسیقی کے ساتھ بنائی گئی تھی۔ لندن داہسی کے معلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے خود یہ لکس نہیں ان کے ظلیٹ میں رات کے بچھے پہر آ کر ہندوستان جانے کا حکم دیا تھا دوسری طرف یاسنت علی خان کو بھی اس کا ذمہ دہ نہیں لیا جاتا ہے۔ یہ بڑی سیدھی سی بات ہے دیکھنا یہ ہے کہ جناح صاحب کی اپنی روزمرہ زندگی کیسی تھی اگر ان کا لائف سٹائل موبایانہ تھا تو پھر تو وہ مولانا ریاست کے حامی تھے اگر ان کی روزمرہ زندگی مغربی طرز کا منہ تھی تو پھر وہ لبرل پاکستان بنانا چاہتے تھے۔ سگار کشا پوری، بلیرا، برگر، کاک ٹیل پارٹی کے علاوہ جوان کے معمولات تھے انہوں نے خود کو مسلم جناح کہلوانے کے لئے آئینشی نہ لکھا تھا۔

ہدایہ کے بی سید کی کتاب ”پاکستان دی فارمیٹو“ جو کہ سی ایس ایس کے لازمی پڑچہ میں شامل رہی ہے صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ:

Jinnah had a taste for Pork and Wine

You change your past and work together in a spirit that every one of you no matter what community he belongs to no matter what is his colour caste or creed, is first, second and last a citizen of this state, with equal rights, Privileges and obligations, there will be no end to the progress you will make" I cannot emphasise it too much, we should begin to work in that spirit and in course of time all these angularities of the majority & minority communities the Hindu community & the Muslim community because even as regards Muslim you have Pathans, Punjabis, Shias, Sunnis & so on & among the Hindu you have Brahmins, Vishnavas, Khatrias, also Bengalis, Madrasis & so on will Vanish

You are free to go to your temples, mosques or any other place of worship, you belong to any religion or cast or creed, that has nothing to do with the business of the state—

we are starting with the fundamental principle that we are all citizen & equal citizen of our state----

ترجمہ:- "آپ ماضی کو پس دو اور اکٹھے کام کرو۔ ایک ایسے جذبے کے ساتھ کام کرو کہ تم میں سے ہر ایک اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اس کا کسی جماعت سے تعلق ہے اور اس کا رنگ ذات اور مذہب کیا ہے۔ اول، دکانیا اور آخر اس ریاست کا ایک شہری ہے۔ برابر حقوق، مراعات اور ذمہ داریوں کے ساتھ تم ترقی کرو گے اس کی انتہا نہیں ہوگی۔"

"میں اس پر یقین بھی لادوں کہ کم ہے کہ ہمیں اس جذبے کے ساتھ کام کرنا ہوگا اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ سب تفریقیں اکثریت اور اقلیت کی ہندو جماعت اور مسلمان جماعت کی ختم ہو جائیں گی کیونکہ بطور مسلمان بھی پٹھان، پنجابی، شیخ، سنی وغیرہ موجود ہیں اور ہندوؤں میں بھی براہمن، ویش، کھتری اور بنگالی، مدراسی وغیرہ وغیرہ پائے جاتے ہیں۔"

"تم آزاد ہو۔ اپنے مندروں، مسجدوں اور عبادت کے دیگر مقامات میں جانے کے لئے تم کسی

بھی مذہب، ذات یا فرقے سے تعلق رکھو اس کا ریاستی امور سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔“
 ”ہم بنیادی اصول سے ابتداء کر رہے ہیں کہ ہم سب شہری ہیں اور برابر کے شہری ہیں ایک ریاست کے۔۔۔۔۔“

یعنی اگر تم لوگ اپنا ماضی بدلنا چاہتے ہو اور مل کر کام کرو۔ اس کی پروا نہ رکھتے ہوئے کہ تم کس مذہبی فرقے سے تعلق رکھتے ہو یا اس سے پہلے تم ایک دوسرے سے کیسے تعلقات رکھتے تھے یا کہ تمہارا رنگ، نسل یا عقیدہ کیا ہے بلکہ سب مل کر اپنے آپ کو اس مملکت کے باشندے سمجھو اور اپنے باشندے کو تمہارے تمام حقوق اور ذمہ داریاں برابر ہیں۔ تمہاری ترقی اور آگے جانے کے راستے کھلے ہیں۔

میں یہ بات تم پر مکمل کر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم نے اس جذبے کے تحت کام کیا تو بہت جلد یہ اقلیتی فرقہ اور اکثریتی فرقہ کی تمیز مٹ جائے گی۔ یہ ہندو فرقہ اور مسلمان فرقہ بچ میں سے نکل جائے گا کیونکہ ایسے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں بھی پشتون ہیں۔ پنجابی ہیں، شیعہ ہیں اور سنی ہیں۔ ہندوؤں میں بھی برہمن، شودر، کھتری، بنگالی اور بھاری۔ تو وقت کے ساتھ ساتھ یہ سب تفریق مٹ جائے گی۔ آگے فرماتے ہیں۔

”تم اپنے مذہبی عقیدے کے سلسلے میں آزاد ہو۔ کوئی دھرم شالہ جاتا ہے یا مسجد یا کسی اور عبادت گاہ میں۔ تمہارا جو بھی مذہبی عقیدہ ہو۔ تمہارا کوئی بھی مذہب، ذات یا عقیدہ ہو اس کا مملکت کی کارگزاری سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔۔۔“
 آگے کہتے ہیں۔

”ہمیں چاہئے کہ خود کو ان اصولوں سے آگاہ کریں کہ ہم سب ایک ملک کے رہنے والے ہیں اور مساوی حیثیت کے مالک ہیں۔۔۔۔۔“
 آخر میں فرماتے ہیں:

Now I think that we should keep that in front of us as our ideal
 & you will find that in course of time Hindu Muslim would
 cease to be Muslim not in the religious sence, because that is
 the personal faith of each individual, but in the poutical sense
 as citizen of the state—

(P.545 46)

G.Allan a Historic Documents.

ترجمہ۔ ”اب میر حیا ل ہے کہ ہمیں اسے اپنے سامنے مثال کے طور پر رکھنا چاہئے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں معلوم ہوگا کہ ہندو ہندو نہیں رہے گا۔ مسلمان مسلمان نہیں رہے گا۔ مذہبی معنوں میں نہیں۔ کیونکہ وہ تو ہر فرد کا ذاتی ایمان ہے مگر سیاسی معنوں میں ایک ریاست کے شہری کے طور پر“ (صفحہ 545۔ مسٹورک ڈکومٹ۔ جی الہند)

چاہئے کہ ہم یہ اصول ایک نظریے کی طرح اپنے سامنے رکھیں تو بہت جلد واضح ہو جائے گا کہ ہندو ہندو نہ رہے گا اور مسلمان مسلمان نہ رہے گا۔ یعنی مذہبی شکل میں نہیں کیونکہ مذہب پر ایک فرد کے اپنے ذاتی عقیدے کا مسئلہ ہے بلکہ سیاسی حیثیت میں کہ ہر ایک باشندہ اس مملکت کا ہر مساوی حقوق کا، لک ہوگا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ یہ تقریر قائد اعظم نے کسی پریس کانفرنس میں نہیں کی، اور نہ ہی کسی جلسے یا استقبالیہ میں کی بلکہ یہ اعلانات اس نے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کے ممبران کے سامنے کیا ہے۔ جن کی ذمہ داری تھی کہ اسلامی مملکت خدا واد پاکستان کے نئے آئین مرتب کرے۔ اس ملک میں رہنے والے باشندوں کے بنیادی انسانی حقوق کا تعین کرے۔ دوسرے یہ اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اس وقت جناح صاحب کی حیثیت کیا تھی۔ وہ دبائے نوم تھا۔ اس وقت وہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے مسلم لیگ کی تنظیم کا باقاعدہ صدر تھا۔ تیسری بات کہ وہ اس پاکستان کا گورنر جنرل تھا اور چوتھی بات کہ وہ اسی آئین ساز اسمبلی کا منتخب صدر تھا۔ ذمہ داری کا کوئی ادارہ نہیں رہا۔ جس کی رہبری جناح نہیں کرتے تھے۔ دوسری بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ تقریر جناح صاحب لکھ کر دیا تھا۔ جناح صاحب جیسے تجربہ کار بیرسٹر اور پارلیمانی شخصیت نے شاید پہلی بار لکھی ہوئی تقریر پڑھی تھی۔ کیونکہ یہ ایک بہت اہم اور تاریخی اعلان تھا۔ اب ذرا اس تقریر کے مختلف پہلوؤں پر بحث کریں گے۔

سب سے پہلی بات جو قابل غور ہے وہ یہ کہ جناح نے ہندو اور مسلمان کی دو قوموں کے بجائے فرقوں کا لفظ استعمال کیا۔ اکثریتی فرقہ، اور اقلیتی فرقہ۔ لیکن نہیں رکا بلکہ وضاحت کے لئے کہتا ہے کہ ہندو فرقہ اور مسلمان فرقہ۔ یہ مجھے اس تقریر کا یا اعلان کا بنیادی نکتہ نظر آتا ہے۔ یہ باقی تقریر، پھر اس کی تفصیل اور وضاحت ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ جب مسلمان کی تعریف کرتا ہے تو اس میں شیخہ سنی کے ساتھ ساتھ پشتون اور پنجابی کی بھی بات کرتا ہے۔ اسی طرح ہندو کی وضاحت میں برہمن، شورو، کھتری کے ساتھ ساتھ بنگالی اور دراوڑی بھی یاد کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں لوگوں کی شناخت نہ صرف عقیدہ اور فرقہ کی بناء پر بلکہ ثقافت اور جغرافیائی محل وقوع کی بناء پر بھی کرتا ہے اور اسی طرح اپنے پرانے بنیادی وسائل کی تردید کرتا ہے کہ ایک خاص مذہبی فرقے کے لئے ایک خاص علاقہ چاہئے۔ نسل اور ذات پات کی تیز کو بھی ختم کرتا ہے۔

اپنے پورے اعدا کی روح آخر میں یہ بیان کرتا ہے کہ یہ اصول ایک نظریے کی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ ہندو ہندو نہ رہیں گے، اور مسلمان مسلمان نہ رہیں گے۔ مذہبی شکل میں نہیں بلکہ سیاسی حیثیت میں۔ یہی وہ بنیادی فرق تھا۔ خدائی خدمتگاروں اور کانگریس اور مسلم لیگ کے نظریے ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ مذہبی حیثیت اور ذاتی عقیدہ ہر ایک کا اپنا انفرادی مسئلہ ہے اور سیاسی حیثیت ہندوستان کے تمام باشندوں کی مساوی اور ایک طرح کی تھی اور اب جبکہ پاکستان بن گیا اور مسلم لیگ نے اپنے اس نظریے پر بنایا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں تو آج وہی جناح صاحب پاکستان کی آئین ساز سبلی میں ممبروں کے سامنے نہایت ذمہ داری سے یہ اعلان کرتا ہے کہ ہندو اور مسلمان دو جدا قومیں نہیں بلکہ دو فرقے ہیں اور ریاست، اور مملکت کی نظر میں ان میں کوئی تیز یا فرق و تفریق نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر جناح صاحب کا یہ اصول اور یہی نظریہ تھا تو پھر یہ اتنے خوش خرابے اور فسادات کی ضرورت کیا تھی اور یہ اس قدر بے گناہ خون کس مقصد کے لئے بہایا گیا کہ لاکھوں گھرانے تباہ و برباد ہوئے اور یہ فرقہ وارانہ نفرت اور حقارت کا جنوں کس نے تھا اور پھر ایک ایسی دشمنی اور نفرت کی بنیاد کیوں رکھی گئی اور اس گم میں اتنی مخلوق خدا جل کر رکھ ہوئی اور اس نفرت اور حقارت میں اتنے فرقوں کو موٹ کیا گیا کہ یہ اثرات مدت تک ختم نہ ہوں گے۔ تقریروں سے یہ زخم کب بھر سکتے ہیں۔

اس سے تو صرف ایک بات ثابت ہوئی کہ جیسے مائٹ مین نے کہا کہ مسلم لیگ نے ملک میں ایک جذباتی، جنونی فضا پیدا کر دی تھی۔ صرف یہ نہیں کہ انہوں نے خود اپنے تقسیم کے مطالبے یا پاکستان کے منصوبے پر کسی پہلو سے غور نہیں کیا تھا بلکہ اگر کوئی اور اس پہلو کی طرف ان کی توجہ دلاتا تو اسے بھی سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ لیکن اب جبکہ پاکستان بن گیا اور اس کی حکومت مسلم لیگ کے حوالے کر دی گئی تو وہ مجبور ہوئے کہ قوم و قومیت، ملک اور مملکت کے مسئلے پر غور کریں اور جب سوچا تو اپنی سیاست کے تضادات ان پر واضح ہوئے کہ اگر ریاست کی بنیاد مذہبی عقیدے پر رکھی جائے تو پھر تو ایک طرف دنیا کے ان اسلامی ملک کے پاس کوئی جواز ہی نہیں کہ اپنا الگ الگ وجود برقرار رکھیں۔ دوسرے یہ کہ پھر ایک اسلامی مملکت کی غیر مسلم آبادی اس پر مجبور ہوگی کہ کہیں غیر مسلم ریاستوں کو اجازت کر کے چلے جائیں اس سے جناح صاحب مجبور ہوئے کہ سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کریں اور کوئی طریقہ باراستہ اس کے لئے نکالیں تو یہی راستہ تھا کہ جناح صاحب اس نتیجے پر پہنچا کہ پاکستان میں بھی غیر مسلم ہیں اور خصوصیت سے مشرقی حصے میں تو کافی ہیں۔ تو اب جب کہ ملک پاکستان کے نام پر بن گیا تو اس ملک کے باشندے سب پاکستانی ہوں گے اور ایک قوم کی حیثیت سے اپنے آپ کو پاکستانی کہیں گے اور یہ نہ صرف مسلمان پاکستانی ہوں گے اور غیر مسلم کی جدا قوم ہوگی۔ اب جبکہ اپنے سیاسی منصوبے کے ناقابل عمل ہونے کا احساس ہو گیا۔ تو اس کا آسان حل بھی تھا کہ

مسلم لیگ کے گزشتہ نظریے کے تحت تو ہندو اور مسلمان دو جدا قومیں تھیں اور ہندوستان کی سرزمین پر یہ دو قومیں مل کر زندگی نہیں گزار سکتی تھیں۔ لیکن یہی دو قومیں جب اس زمین پر آباد ہوئیں جس کا نام پاکستان ہے اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی تو یہ دونوں قومیں دو قومیں نہیں بلکہ ایک پاکستانی قوم بن گئیں اور عقیدے اور مذہبی تمیز کے لئے انہیں فرستے کہ جا سکتا ہے اور تاشا تو یہ ہے کہ یہ پاکستان اس عدالت میں بنا جو پہلے اسی ہندوستان کا حصہ تھا۔ لیکن صرف اتنا ہوا کہ سرزمین کا نام بدل گیا۔ ہندوستان کی جگہ پاکستان ہو گیا تو ایہ کرنے سے ہندو اور مسلمان کے تمام تضادات اور تفریق ختم ہو گئی اور یہ کہ عقیدے کی بناء پر ایک دوسرے سے بالکل کٹ گئے تھے اور ایک ملک میں مل کر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

اس نظریے کی بحث کے سلسلے میں ایک اور غلط فہمی بھی دور کرنا ضروری ہے یہاں دو قومی نظریہ کا ایک شور و غوغا تھا اور مسلم لیگ یہ تاثر دیتی رہی کہ جیسے کہ کسی ملک کا کوئی اپنا نظریہ ہوتا ہے۔ اس میں ایک بنیادی غلطی ہے۔ مملکت ملک، ریاست یا علاقہ اپنا کوئی نظریہ نہیں رکھتا۔ نظریہ سرزمین سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ نظریہ افراد، تنظیم، جماعت پارٹی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ان افراد، جماعتوں، تنظیموں یا پارٹیوں کا نظریہ تب تک اس ملک یا ریاست کا نظریہ رہتا ہے جب تک یہ پارٹی یا تنظیم اس ریاست پر حکومت کرتی ہے۔ مثال کے طور پر روس کی سرزمین اپنا کوئی نظریہ نہیں رکھتی تھی۔ وہاں پہلے زار روس کی بادشاہی تھی۔ لیکن جب زار روس کو اقتدار کے ذریعے سے ہٹایا گیا اور اقتدار ایک ایسی پارٹی کے ہاتھ میں آیا جو اشتراکی اور سوشلسٹ نظریہ رکھتی تھی تو انہوں نے وہی اشتراکی نظام وہاں رائج کر دیا۔ اسی طرح ہندوستان کی مثال لیتے ہیں۔ وہاں کروڑوں لوگ انگریز کے غلام تھے۔ وہ غلام ختم ہوا۔ انگریز چلا گیا۔ ہندوستان تقسیم ہوا۔ پاکستان بن گیا۔ تو پاکستان کا اپنا کوئی نظریہ نہ تھا۔ مسلم لیگ جماعت کا نظریہ ہے۔ یہ نظریہ اس وقت تک پاکستان کا نظریہ ہو گا جب تک مسلم لیگ جماعت کی یہاں حکمرانی ہوگی۔ لیکن جب کوئی دوسری نظریاتی تنظیم برسر اقتدار آئے گی اور مسلم لیگ اقتدار سے ہٹ جائے گی تو وہ اپنے ساتھ اپنا نظریہ بھی لے جائے گی اور پھر پاکستان کا نظریہ ان نئے حکمرانوں کا نظریہ ہوگا۔

لیکن یہاں تو عجیب معاملہ ہے کہ جناح صاحب نے تو دوسری جماعت کے آنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ 11 اگست 1947ء کو مسلم لیگ نے وہ اپنا دو قومی نظریہ خود مسترد کر دیا اور وہی غیر فرقہ وارانہ نظریہ جسے سیاسی زبان میں سیکولرازم (Secularism) کہتے ہیں، اسے اپنا لیا۔ اس لئے لوگوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ مسلم لیگ کے رہنماؤں سے پوچھیں کہ جناح صاحب کی اس اہم تقریر کے بعد اب مسلم لیگ کا نظریہ کیا ہے۔ کیونکہ جناح صاحب نے تو پاکستان کے شروع میں ہی کہا کہ وہ پرانی باتیں اب چھوڑ دیں۔ اب مملکت کا نظریہ نئے اصولوں کے تابع ہوگا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی جناح صاحب کو اپنا میڈرسلیم کرتا ہے، ان کی

سیاست، ذہانت، عقل اور دانش پر اعتماد کرتا ہے تو پھر مسلم لیگ کا دو ٹوٹی نظریہ جناح صاحب کے پاکستان کا نظریہ نہیں بلکہ جناح صاحب کے اس اعلان کے بعد اب پاکستان کا نظریہ سیکولر ازم یعنی غیر فرقہ وارانہ ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو انگریز کی فرقہ وارانہ سیاست کے نتیجے میں ہندوستان فرقہ واریت کی بناء پر تقسیم ہوا اور جب انگریز رخصت ہوا تو اس کے ساتھ اس کی فرقہ وارانہ سیاست بھی رخصت ہو گئی۔ لیکن جب انسان اس پوری حرکت کو دیکھتا ہے تو فارسی کا وہ شعر بے اختیار ذہن میں آ جاتا ہے۔

ھرچہ دانا کند، کند ناداں

لیک بعد از خرابی بسیار

لیکن اس سلسلے میں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ انگریز کی بھی یہ پالیسی تھی اور مسلم لیگ نے بھی اسی پالیسی کو مذہب کے رنگ میں قبول کر لیا تھا کہ ہندوستانی لوگ جب اپنے ووٹ کا حق استعمال کریں گے تو وہ فرقہ وارانہ بنیاد پر ہوگا۔ یعنی ہندو ہندو کو ووٹ دے گا اور مسلمان مسلمان کو۔

کانگریس مخلوط انتخابات (Joint Election) کے حق میں تھی اور مسلم لیگ نے جداگانہ انتخابات (Sperate Electorate) کے اصول اپنائے تھے۔ اب جب کہ جناح صاحب نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ پاکستان کے اندر عقیدے، ذات پات کی کسی قسم کی تمیز مختلف مذہبی فرقوں میں نہیں ہوگی تو اب مسلم لیگ یہاں جداگانہ انتخابات کے اصول کو قائم رکھنا چاہے گی کہ نہیں۔ اس نئے نظریے کے اعلان کی روشنی میں مسلم لیگ بھی اس اعلان کو اپنے منطقی نتیجے تک پہنچا دے گی اور مخلوط انتخابات کے اصول کو اپٹائے گی۔

14 اگست

انگریز کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے دن قریب آتے گئے لیکن ملک میں چاروں طرف آگ لگی ہوئی تھی اور انسان ایک دوسرے کا شکار کرنے نکل پڑے تھے۔ کوئی انسان دوسرے انسان کے ظلم اور تشدد سے محفوظ نہیں تھا۔ بڑے بچے، جوان، مرد، عورت کوئی بھی اس قہر و غضب سے محفوظ نہ تھا۔ پوری قوم ایک دوسرے کا گلا کاٹنے اور خون چوسنے کو بے قرار تھی۔ گھر لٹ رہے تھے۔ مہاجر دوں کے کمپ بھرے ہوئے تھے۔ زندگی کے تمام اخلاق اقدار انسانیت اور شرافت خاک میں مل گئی تھیں۔ لیکن انیسویں کا مقام تو یہ تھا کہ یہ بتانی ایسے وقت میں آئی۔ جب قوم آزادی کی جنگ جیت چکی تھی اور عجیب کیفیت تھی اور آگ کے شعلے تھے۔ خوں کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ آہ و بکا کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ ادھر بگل بجائے جارہے تھے۔ ڈھول بج رہے تھے۔ پریڈ ہو رہی تھی۔ سلامیاں لی جا رہی تھیں۔ جشن منائے جارہے تھے۔ خوشی کے گانے گائے جارہے تھے۔ تاج تاجے جارہے تھے۔ چراغاں کئے جارہے تھے۔ ایک طرف کراچی کے شہر میں مہاجر دوں کے لٹے پٹے آگ کے شعلوں اور نیزوں کے سروں سے گزر کر قافلے آرہے تھے۔ سڑکوں اور میدانوں میں وہ خاندان پڑے تھے جنہوں نے کبھی زمین پر پاؤں نہ رکھا تھا۔ اور دوسری طرف 14 اگست ملک کی آزادی اور وطن کے استقلال کی تاریخ مقرر ہوئی۔ پاکستان کے قیام کا دن مقرر ہوا۔

مارڈ، ڈنٹ بیٹن، پٹی بیوی کے ہمراہ کراچی آیا تاکہ تاج برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے پاکستان کے نئے گورنر جنرل محمد علی جناح کو اپنے عہدے کا حلف دلا کر انہیں طور پر انگریز کی سلطنت کے خاتمے کا اعلان کرے۔ اس سلسلے میں تعجب کی بات یہ ہے تو یہ تھی کہ مارڈ، ڈنٹ بیٹن کو خوش آمد کہنے نہ جناح صاحب خود گئے اور نہ لیاقت علی خان گئے۔ جو پاکستان کے وزیر اعظم مقرر ہوئے تھے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے اسے خوش آمد یہ کہنے سندھ کا گورنر غلام حسین ہدایت اللہ گیا۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں کی عجیب ذہنیت تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے تاب توں سے یہ لوگ نہیں چمکتے تھے۔ پٹی عزت اسی میں سمجھتے ہیں کہ کسی اور کی بے عزتی کر دیں۔ اس کے بعد ایک اور اہم مسئلہ پیش آیا۔ جناح صاحب نے کہا کہ میں چونکہ پاکستان کا گورنر جنرل ہوں اور اسی آئین ساز اسمبلی کا صدر ہوں۔ تو میں سب سے اونچی کرسی کا حقدار

ہوں اور مارڈ ماؤنٹ بیٹن مجھ سے چھوٹی کرسی پر بیٹھے گا لیکن اس مسئلے میں انگریز سب کا استاد تھا۔ انہوں نے کہا کہ جناب تم تو جب جا کر گورنر جنرل بنو گے جب ہندوستان کا وائسرائے مارڈ ماؤنٹ بیٹن تمہیں عہدے کا حلف دے گا۔ تمہارا مقام اور اختیار تو اسی عہدے کے حلف سے وابستہ ہے اور جب تک ماؤنٹ بیٹن یہ حلف نہ دلا دے اور یہ اختیارات تمہیں منتقل نہ کر دے۔ تو تمہاری حیثیت کیا ہے۔ ایک عام آدمی ہو۔ یہ بات بھی ان پر واضح کر دی کہ اگر تم گورنر جنرل بن بھی جاؤ تو تمہارا عہدہ مارڈ ماؤنٹ بیٹن سے کمتر ہے۔ کیونکہ وہ وائسرائے ہے اور یہ درجہ تمہارے درجے سے اونچا ہے۔ تب جا کر کہیں یہ مسئلہ حل ہوا۔

مرتبے کی اونچ نیچ کا یہ مسئلہ جب ختم ہوا تو دوسرا مسئلہ پیدا ہوا۔ یہ افواہ گرم تھی کہ پنجاب کے سکھ بے انتہا غصے میں ہیں اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب جناح صاحب اسمبلی کے اجلاس میں جائیں گے تو ان پر بم پھینکا جائے گا تو جو بھی ماؤنٹ بیٹن جہاز سے اترتا تو اس سے سوال کیا گیا کہ ان اطلاعات کی روشنی میں کیا فیصلہ ہوا ہے کہ سرکاری جلوس لکھے گا کہ نہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ یہ تم لوگوں کا اپنا فیصلہ ہے۔ انتظام تمہارا کام ہے۔ اسے بتایا گیا کہ جناح صاحب نے یہ فیصلہ آپ پر چھوڑا ہے۔ ماؤنٹ بیٹن کہتا ہے کہ اگر کسی نے یہ فیصلہ کیا بھی ہو کہ جناح صاحب کو بم سے اڑائیں تو جب میں اس کے ساتھ سواری میں بیٹھ جاؤں گا تو غائب امکان یہ ہے کہ یہ حملہ نہ ہوگا کیونکہ ایسا کرنے سے تو پاکستان کے گورنر جنرل کے ساتھ ساتھ ہندوستان کا گورنر جنرل بھی قتل ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ مجھے تو جلوس نکالنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس کے بعد جلوس کا انتظام ہوا۔ جب دستور ساز اسمبلی کے اجلاس کے بعد جناح صاحب اور ماؤنٹ بیٹن واپس گورنر جنرل ہاؤس پہنچے تو جناح صاحب نے ماؤنٹ بیٹن کی طرف منہ کر کے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں زندہ واپس لے آیا

Jinnah said, Thank God I have got you back alive.

Mount Baton immediately replies" Thank God, I have got you back alive". P 134 (Break Down)

ترجمہ۔ ”جناح نے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں زندہ واپس لے آیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے فوراً جواب دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں زندہ واپس لے آیا۔“

(صفحہ نمبر 134۔ بریک ڈاؤن)

ان حالات میں تقسیم کشم ہو گئی۔ اختیارات اپنائے گئے۔ انگریز کا ہسٹریکل ہوا۔ انگریز کا جھنڈا یونین جیک دو سو سال بعد اتارا گیا اور اس کی جگہ پاکستان کا جھنڈا لہرایا گیا۔

حکومت پاکستان کی ساخت

پاکستان کی پہلی مرکزی حکومت کا اعلان ہوا تو اس میں جناح صاحب خود گورنر جنرل اور لیاقت علی خان وزیراعظم بنے۔ باقی تقریباً وہ تمام پرانے مسلم لیگی مثلاً چندریگر صاحب اور سردار عبدالباقی نیشنل وزیر بنے اور جو گندرناتھ منڈل کو بھی وزارت میں شامل کیا گیا اور قانون کا محکمہ سونپا گیا۔ مسلم لیگ نے تو قوم کے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ یہاں پاکستان کے اس مملکت خداداد میں شریعت محمدی اور قرآن کا قانون جاری ہوگا لیکن اب تو لوگوں نے دیکھ لیا کہ اس اسلامی مملکت پاکستان میں شریعت محمدی کا محکمہ ایک اچھوت ہندو کے حوالے کر دیا گیا۔ تو یہ ان علماء کرام، علماؤں اور پیروں کے لئے ایک مشکل مرحلہ تھا۔ خصوصیت سے پیر آف مائیکل شریف کے لئے انتہائی مشکل کچھ اس وجہ سے بھی تھا کہ اس نے تو جناح صاحب کا قول اور وعدہ ایک خط کی صورت میں سنبھال کے رکھا ہو تھا کہ پاکستان میں شریعت محمدی اور اسلامی نظام ہوگا۔ پاکستان کے قاضی اعظم کا منصب ایک غیر مسلم کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ تو اسلام اور شریعت کا مذاق اڑانا تھا۔ اس کا جواب کوئی کیا دے سکتا تھا۔*

لیکن اس مسئلے کے دوسرے رخ پر ایک بار بھر نظر ڈالتے ہیں۔ یہ بات تو بہت تفصیل سے آچکی ہے کہ انگریز نے اپنی بین الاقوامی مغربی سرمایہ سیاست کو آگے بڑھانے کے لئے تقسیم ہند کا طریقہ اختیار کیا تھا کیونکہ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اشتراکی روس کی نظریاتی سرحد قلعہ کھڑا کرنا چاہئے جو روس کے لئے کریمین تک فوجی طوق کی صورت میں اس کی گردن میں ڈالا جائے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اگر ہندوستان تقسیم بھی ہو جائے تو انگریز کی جڑا سے۔ اور اگر مسلمانوں کی قوت کھڑے ہو جائے تو انگریز کو کیا پروا اور یا اگر ان کی اس پالیسی سے ہندو مسلم اور سکھ خون میں نہیں تو بھی انگریز کو کیا فکر؟ وہ تو نہ ہندو کا اور حقیقت جناح صاحب مذہبی طبقہ کے سخت خلاف تھے لیکن سیاست میں کامیابی کے لئے ان کو استعمال بھی کرتے رہے۔ 1942ء میں مسلم سٹوڈنٹس ایڈریشن پنجاب کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ ہم نے بڑی حد تک قوم کو سب سے ناپسندیدہ راحت پسند عناصر سے پاک کر دیا اور اس خاص طبقہ کے اثر کو جو مولوی مولانا کہلاتے تھے رائی کر دیا۔ یہ حد جمیل الدین عانی کی کتاب Speeches and Writings of Jinnah شامت 1952ء میں شامل ہے۔

دشمن نہ مسلمان کا دوست۔ وہ تو پاکستان مسلمانوں کے مفاد کے لئے نہیں بلکہ اپنے بین الاقوامی سیاست کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بنا رہا تھا۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اسی دوران ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انگریز لارڈ ویول کے Break Down کے منصوبے کے تحت یہ فیصلہ کرنے پر بھی مجبور ہو گیا کہ انگریز پورے ہندوستان پر قابض نہیں رہ سکتا۔ تو چاہئے کہ وہ ہندوؤں کے اکثریتی صوبوں کو آزاد کر دے اور چونکہ انگریز کی سلطنت کو قائم اور مستحکم رکھنے کے لئے وہ پاکستان کے قیام کو ضروری سمجھتا ہے تو اس لئے انگریز سب کے سب فوجی اور سول افسران سمیت اپنے اہل و عیال مسلمانوں کے اکثریتی صوبوں میں منتقل ہو جائے۔ لیکن اس منصوبے پر عملدرآمد کے لئے انگلستان کی لیبر پارٹی کی وزارت نے منظوری نہیں دی۔ ویول ایک فوجی تھا۔ اس کی نظر ترقی و ترقی و ترقی نہیں تھی۔ انگریز سیاست دان کو یہ علم تھا کہ آج کل فوجی قبضے اور فوجیات کا زمانہ نہیں اور نہ ہی فوج لمبی مدت کے لئے قوم پر سوار یا قابض رہ سکتی ہے انگریز نے ابھی طرح سے سوچ بچار کر لیا تھا۔

انگریز اچھی طرح جانتا تھا کہ اس تقسیم کے نتیجے میں دونوں ملکوں میں کمزور ہو گئی ہیں۔ ہندوستان اگرچہ صحیح و سالم رہا۔ مگر مشرقی کے علاقے سے اس کی سرحدیں کمزور ہیں۔ شمالی مغربی سرحد پر یہ سب قدرتی دفاعی پہاڑی علاقے ٹیبر سے لے کر بورن تک اور اسی طرح چین کی سرحد تک انہیں کے قبضے سے نکل جائیں گے۔ یہی کچھ صورت مشرقی سرحد کی بھی تھی۔ آسام کی طرف سے دفاعی مشکلات زیادہ تھیں کیونکہ وہاں کی سرحدیں، ہوائی میدان، ریل اور بہت سے ضروری دریائی راستے اس کے قبضے سے نکل کر مشرقی پاکستان میں رہ جاتی ہیں اور دفاعی لحاظ سے اہم تینوں بندرگاہ (چائنا، کھٹا اور چننگا گنگ) بھی پاکستان کے حصے میں آئے اور اسی طرح ضلع بنگال پر بلا شرکت غیرے قبضہ میں جاتا رہا۔ عداوتیں اپنی سرحد اور دفاعی تحفظات کے علاوہ ہندوستان ایک بڑی فوجی قوت سے بھی محروم ہو گیا۔ جس کو انگریز اپنی اصطلاح میں P.M (پی ایم) یعنی پنجابی مسلمان کہا کرتا تھا اور اس کے مطابق یہ بہترین فوجی انگریز کی سلطنت کو پھیرانے میں بہت کامیاب ثابت ہوا۔ انگریز کی اس عظیم سلطنت میں شیعہ علی کوئی ملک ایسا ہو جہاں اس پنجابی مسلمان نے اپنا خون انگریز کے نوآبادیاتی اور سامراجی مفادات کے لئے نہ بہا ہوا۔ اقتصادی طور پر ہندوستان کو کافی مشکلات درپیش آئیں۔ کارخانے سرحدوں کے اس پار رہ گئے اور خام مال دوسری طرف اسی طرح کارخانے ایک طرف اور اس کے کارمگر اور مارکیٹ دوسری طرف رہ گئے۔ قصہ مختصر یہ کہ انگریز اپنی طرف سے ہندوستان کو اس حالت تک پہنچانے میں کامیاب ہوا اور اس کی یہ تسلی رہی کہ ہندوستان کی دفاعی، اقتصادی اور معاشی مشکلات کو اس غربت کے ساتھ دیکھا جائے تو عرصہ دراز کے بعد بھی ہندوستان ان مشکلات سے نکل نہیں سکے گا اور بہ امر مجبوری وہ مغربی طاقتوں کے زیر اثر رہے گا۔

مگر پاکستان کا مسئلہ تو ہندوستان سے بھی زیادہ پیچیدہ اور مشکل تھا۔ سب سے بڑی مشکل تو جغرافیائی تھی کہ مملکت کے دونوں حصوں کے درمیان ایک ہزار میل کا فاصلہ تھا اور بچ میں ہندوستان۔ جہاں تقسیم کے دوران بھی ابھی ان فسادات کے اثرات موجود تھے۔ وہ بہا یا گیا خون ابھی گرم تھا اور پاکستان کی یہ مجبوری کہ دونوں ہاؤسز کے درمیان آمد و رفت اور ذرائع رسل و رسائل کا انحصار کلیئہ ہندوستان کی مرضی پر تھا۔ اس کے علاوہ اقتصادی مشکلات کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ مغربی پاکستان کے وشت و صحرا، پہاڑ اور ریگستان اور مشرقی پاکستان کے زیر آب علاقے۔ ان علاقوں کو آباد کرانا۔ کارخانے لگوانا اور موجودہ زمانے کے ایک ترقی یافتہ مقام تک اسے لے جانے میں ساہا سال تو کیا عیش و تنگی تھیں اور اس دوران پاکستان مغربی طاقتوں اور دولت مند حکومتوں کی خیرات اور امداد کے لئے ان کے دارالخلافوں کا چکر بھی کاٹنا رہتا۔

مگر میں سمجھتا ہوں کہ تقسیم ہند کے سلسلے میں جو سب سے زیادہ خطرناک عنصر تھا وہ نفرت اور دشمنی تھی۔ جو کہ فرقہ وارانہ فسادات کے دوران ناسور کی شکل اختیار کر چکی تھی اور خصوصیت سے وہ مہاجر جو ایک ملک سے دوسرے ملک کو نقل مکانی پر، کسی عاست میں مجبور کئے گئے کہ ان کے گھر لوٹ سنے گئے۔ جلا دیئے گئے۔ قتل و غارت کیا لکھوں حصص تک نہیں۔ ان کی موجودگی میں ان دو مملکتوں میں تعاون اور پیار کی فضا پیدا کرنا تو کجا وہ تو ایک دوسرے کی جان کے دشمن ٹھہرے اور جہاں محاذ آرائی جنوں کی حد تک پہنچ جائے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں ملک اپنی دفاع کے بہانے سے اسلحہ کی دوڑ میں شامل ہوں گے اور بجائے اس کے کہ آزادی کی نعمت سے اپنے ملک کی غربت کے خاتمے کا سوچیں وہ ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے کے لئے مغربی طاقتوں کا سہارا لینے کے لئے مجبور تھے۔

علاوہ ازیں کم از کم پاکستان کے متعلق تو انگریز کی یہ تسلی تھی کہ وہ کسی قیمت پر بھی انگریز سے قطع تعلق کا سوچے گا بھی نہیں۔ ابستہ ہندوستان اور کانگریس کے متعلق انگریز بخوبی جانتا تھا کہ انہوں نے انگریز سے نکری۔ آزادی کی جنگ میں عظیم قربانیاں دیں اور آج بھی کانگریس ہندوستان کی منتخب حاکم ہے۔ تو ان سے دوستی اور تعاون کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ علاوہ ازیں ہندوستان کے موجودہ حکمران ساہا سال سے قومی تحریک سے وابستہ رہے۔ ان کی نظر میں ایک وسعت تھی۔ وہ ملاقاتی اور قومی سیاست سے جڑے بین الاقوامی معاملات پر بھی عبور رکھتے تھے اور برطانوی سامراج کی ہمہ پالیسیوں اور سازشوں سے بخوبی واقف تھے تو اس لئے انگریز کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ ہندوستان کے حکمرانوں کو اپنی سامراجی سیاست کے لئے استعمال کر سکے گا۔ مگر پاکستان کے متعلق وہ جانتا تھا کہ پاکستان میں آج حکومت ایک ایسی تنظیم یعنی مسلم لیگ کے ہاتھ میں ہے کہ جس نے ملک کی آزادی یا انگریز کی غلامی سے نجات کے لئے کوئی

قدم نہیں اٹھایا۔ کوئی تحریک چلنا یا جدوجہد تو دور کی بات تھی مسلم لیگ کی ساری دشمنی تو کانگریس کے ساتھ تھی اور اس دشمنی نے مسلم لیگ کو مکمل طور پر انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور کیا تھا۔ انگریز کو یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ پورے پاکستان میں ایک اور صرف ایک تنظیم ایسی ہے۔ جس نے ملکی آزادی کی خاطر سامراج انگریز کے خلاف جہاد میں حصہ لیا ہے اور وہ ہیں صوبہ سرحد کے خدائے خدنگار۔ مگر انگریزوں کی طرف سے مکمل طور پر مطمئن تھا چونکہ خدائے خدنگار انگریز کی غلامی کے خلاف تھے اور اس کے ساتھ وہ انگریز کے فرقہ وارانہ سیاست کے سب سے موثر دشمن اور چونکہ ان دونوں پہلوؤں سے انگریز اور مسلم لیگ کی پالیسی بالکل ایک ہی تھی تو انگریز یہ جانتا تھا کہ سامراج انگریز کا دشمن مسلم لیگ کا بھی دشمن ہے تو مسلم لیگ کی حکومت اچھین دہی کچھ کرے گی جو انگریز چاہتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے دشمنوں کو سردیوں کے ڈر لیے۔ علاوہ ازیں انگریز کو یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ پاکستان ایک بالکل نئی مملکت ہے اور اس لئے اس کو استحکام حاصل کرنے میں کافی وقت لگے گا۔ تو اسی لئے مستقبل میں یہ مملکت انگریز کی امداد کی طلب گار رہے گی۔

پاکستان کے متعلق انگریز کو ایک اور سبوت بھی تھی وہ جانتا تھا کہ پاکستان کے موجودہ حکمران مقامی نہیں ہیں بلکہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ ان کی حیثیت ایک مہاجر کی ہے۔ جس کی جڑیں اس ملک میں نہیں ہیں۔ اس کی قوت کا دارومدار مسلم لیگ تنظیم پر ہے۔ مگر انگریز کو مشاہدات سے معلوم تھا کہ اور تو اور مسلم لیگ تو پنجاب میں بھی اپنے لئے سیاسی قوت پیدا نہ کر سکی اور یہ بات تو بالکل یقینی تھی کہ اگر ایک مضبوط اور منظم قوت موجود نہ ہو تو اقتدار سیاسی تنظیم کے ہاتھ سے نکل کر نوکری شاہی کے ہاتھ پر چل جاتا ہے اور اس جماعت سے انگریز بالکل مطمئن تھا کہ پاکستان کا دارومدار مکمل طور پر انگریز پر ہوگا۔ انگریز کو یہ اندازہ لگانے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ حکومت پاکستان نے وہی کچھ کیا جس کی انگریز کو توقع تھی اور انگریز کی خواہش کے مطابق تقریباً ساری کلیدی آسامیاں انگریزوں کے حصے میں آئیں۔ جب صوبوں کے گورنروں کا اعلان ہو تو سندھ کو چھوڑ کے باقی تمام گورنر انگریز مقرر کئے گئے۔

Sir Fredrick Bowne

بنگال کا گورنر فریڈرک بون

Sir Francis Mudie

پنجاب کا گورنر فرانسس موڈی

Sir George Cunningham

سرحد کا گورنر جارج کوننگھم

A.G.G (Briton)

بلوچستان کا ایس ایچ ای انگریز

سندھ کے لئے سر فلام حسین ہدایت اللہ گورنر مقرر ہوئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ سندھ کا دارالخلافہ کراچی تھا اور اسی طرح پاکستان کا دارالخلافہ کراچی اور چونکہ سندھ کے گورنر ہاؤس کو گورنر جنرل یعنی جناح صاحب کے لئے لیا گیا تو سندھ کے گورنر کو مجبوراً کہیں اور جانا پڑا۔

اسی طرح پاکستان فوج کے تینوں سربراہ انگریز شہری۔

General Sir Frank Massarvy

ذیلی فوج کے سربراہ یعنی کمانڈر انچیف جنرل سرفرنک مسروی

Air Vice Marshall Perry Keane

ہوئی فوج کے سربراہ۔ ایئر وائس مارشل پیری کین

Rear Admiral Jaffard

سمندر فوج کے سربراہ، ریر ایڈمرل جفارد

اسی طرح پاکستان کی مرکزی حکومت میں پانچ سیکرٹری صاحبان انگریز تھے۔ اسی طرح سے فوج اور دیگر مرکزی تنظیموں میں اہم ذمہ داریاں انگریزوں کے سپرد تھیں۔ سکندر مرزا نے اپنی خودنوشت میں ان انگریز افسروں کی کتنی تعریف کی ہے کہ کیسے ان انگریز افسروں نے دن رات ایک کر کے پاکستان کے استحکام کے لئے کام کیا۔ خصوصیت سے وہ ایک جنرل راس جیکے General Ross Mackay کی بہت تعریف کرتے ہیں جن کے ذمہ پاکستانی فوج کی از سر نو تنظیم تھی۔ اس طرح وہ دو اور انگریز افسروں کا ذکر سکندر مرزا کرتا ہے جنہوں نے شمالی علاقوں میں پاکستان کے لئے گلگت پر قبضہ کر کے سکرو کو بھی شامل کر دیا۔ سکندر مرزا کے مطابق ان دو افسروں نے جو پاکستان کے حق میں تھے وہاں پر سکاوٹس میں بغاوت کر داکے یہ علاقے پاکستان میں شامل کروائے:

In the most northern Sectors, things went well, we were able to take over Gilgit Agency & Skardu. Here a rising of the Gilgit scouts was organised by the two British officers with the Scouts who were Pro-Pakistan.

اس سلسلے میں صوبہ سرحد کی حالت سب سے زیادہ توجہ طلب تھی کیونکہ یہی صوبہ انگریزی استعماریت کو آہد دیتی پالیسی کی رو سے سب سے زیادہ حساس علاقہ تھا جس سے انگریز کے سوسائہ دور کے تمام مفادات وابستہ تھے اور انگریز کے لئے مشکل وہی ایک کہ یہ مسلمانوں کا اکثریتی صوبہ مسلم لیگ کی سیاست اور انگریز کی عالمی پالیسی کے مخالف رہا۔ یہاں اور تو اور گزشتہ انتخابات کے نتیجے میں صوبائی اسمبلی میں ہزاروں کے بعد ہندوستان میں پنڈت نہرو نے انڈین آرمی میں ہر لیوں کی کماؤ ہندوستانی افسروں کے سپرد کر دی تھی اور کئی آپ کو پہلا آرمی چیف بنو یا لیکن پاکستان میں آئی ایس آئی کے چیف رابرٹ کاؤتھم بھی 1948ء سے 1959ء تک ایک انگریز ہی رہے بلکہ آئی ایس آئی کی بنیاد بھی اس آشریلوی یہودی میجر جنرل نے رکھی تھی اور چیف آف سٹاف جنرل ڈگلس گریسی کو تعینات کیا گیا جنہوں نے کشمیر میں قبائلوں کی اعانت کے لئے ایک بریگیڈیئر فوج بھیجنے کے حکم سے انکار کرتے ہوئے جناح صاحب کے بجائے لیڈ مارشل آکین ایک کی حکم نامہ کی لیکن ان کو معزول کرنے کے بجائے جناح صاحب نے یلٹیلٹ جنرل سے ترقی دیتے ہوئے کرنل جنرل بنو کر پاکستان کا پہلا باقاعدہ آرمی چیف مقرر کیا۔

میں خدائی خدمتگاروں کی 2/3 (دو تہائی) اکثریت تھی۔ اس لئے حکومت پاکستان اور انگریز دونوں کے لئے یہ ضروری تھا کہ پہلے اس صوبے اور خدائی خدمتگاروں سے نمٹ جائے۔ جناح صاحب کے متعلق ان دنوں میں یہ بات کہی جاتی تھی کہ جب بھی ان سے صوبہ سرحد اور خدائی خدمتگاروں کے متعلق بات ہوتی تو وہ کہتے کہ پٹھان بغیر انگریز کے اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ اس لئے اگر اس وقت کے فیصلوں کو سامنے رکھیں تو کم از کم اس صوبہ سرحد میں انگریز افسر تھے اہم عہدوں پر اور اتنی تعداد میں موجود تھے کہ ظاہر ایہ معلوم کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا کہ آیا حقیقتاً انگریز جاچکا* اور ہمیں آزادی ملی ہے۔ صوبے کا گورنر انگریز چیف سیکرٹری انگریز اور صوبائی محکموں کے سیکرٹری انگریز پولیس جرنیل انگریز۔ یہاں تک کہ پی ڈبلیو ڈی اور بجلی کے محکمے کا سیکرٹری بھی انگریز تھا۔

پاکستان کو صوبہ سرحد کے علاوہ قبائلی علاقوں کی بھی فکر تھی۔ انگریز کے گزشتہ سو سالہ تعلق کی روشنی میں حکومت پاکستان پر یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ جب تک حکومت ان قبائلی علاقوں کے ملکوں کو یہ بات تکمیل طور پر نہ دہوادے کہ پاکستان کے قیام اور استحکام کے لئے انگریز کے تمام وسائل موجود ہیں۔ یہاں تک کہ انگریز افسر یہاں بذات خود موجود ہے تو ان کو دہانا ناممکن نہیں اور تو اور اس کی فوج کی مکمل ذمہ داری ابھی تک انگریز کے ہاتھ میں ہے اور چونکہ اگلا مرحلہ ان قبائل کے الحاق کا تھا اور اس لئے بھی انگریز کی موجودگی ضروری سمجھی گئی تاکہ قبائل پر یہ واضح کیا جائے کہ وہ تسلسل بدستور قائم ہے اور انگریز ہی کے ساتھ نئے معاہدے پر دستخط کرنے ہوں گے۔ انگریز نے حکومت پاکستان کو اس بات پر قائل کر لیا تھا کہ یہ کام صرف اور صرف کر سکتا ہے کہ وہ خود ان قبائلیوں کو یہ بات ذہن نشین کرائے کہ حکومت پاکستان انگریزوں کا حقیقی وارث ہے اور اسی لئے وہ تمام معاہدے اور سمجھوتے جو وقتاً فوقتاً انگریز اور قبائلیوں کے درمیان ہوئے ہیں۔ اس کی تجدید حکومت پاکستان کے لئے انگریز گورنر اور حاکم کے ذریعے طے پا جائیں اور یہ بات بھی قبائلیوں کے ذہن نشین کرائے کہ مملکت پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے لئے انگریز ابھی تک اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔

اس صوبے کی بین الاقوامی حیثیت کو مد نظر رکھتے ہوئے قبائلیوں کے ساتھ معاہدوں کے علاوہ

* ہزارے کے بعد ہاچا ہاں سے جناح صاحب سے مخالفت کے لئے جو شرائط پیش کی گئی ان میں یہ دو شرائط بھی شامل تھیں کہ پاکستان دولت مشترکہ کو چھوڑ دے اور جتنے بھی انگریز افسران مختلف محکموں میں تعینات ہیں انہیں ہٹا دیا جائے جس کے جواب میں انہیں مقررہ کرنے کے لئے خصوصی حدود پر پبلک سیلٹی آرڈیننس تیار کروا کر گورنر جنرل سے دستخط کروانے کے لئے زہارت بھیجا گیا لیکن پھر اس کی منظوری کا اعلان بھی کرنے کے بجائے 15 جون 1948ء کو ایف سی آر کے ذریعہ ان کو گرفتار کر لیا گیا۔

انگریز کی نظر لڑنا حکومت افغانستان کے مستقبل کی پالیسیوں پر اجماع مرکوز رہی۔ برطانوی حکومت اس نظریے پر کار بند رہی کہ چونکہ حکومت پاکستان برطانوی حاکمیت کا حقیقی وارث ہے اس لئے وہ تمام معاہدے اور سمجھوتے جو حکومت ہند نے وفاقاً کیا کئے ہیں وہ تمام معاہدے خود بخود حکومت پاکستان کو وراثت میں منتقل ہو گئے ہیں۔ برطانوی حکومت نے حکومت افغانستان پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ چونکہ پاکستان اب برطانوی دولت مشترکہ میں شامل ہے اس لئے وہی معاہدے جو حکومت افغانستان اور برطانوی حکومت کے درمیان طے پائے تھے جوں کے توں موجود ہیں اور اسی طرح برطانوی حکومت پاکستان کو ان معاہدوں کا حقیقی وارث تصور کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر ڈیورنڈ رائٹن جو ابھی تک افغانستان اور برطانوی سلطنت کے درمیان ایک بین الاقوامی سرحد مانی جاتی تھی۔ عینہ اسی طرح اب یہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان بین الاقوامی سرحد تسلیم کی جائے گی۔ کیونکہ یہ دولت مشترکہ کی سرحد ہے اور اسی دلیل کو آگے لے جا کے انگریز نے افغانستان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ چونکہ پاکستان دولت مشترکہ میں شامل ہے۔ اس لئے اس کی سالمیت دفاع اور تحفظ کی ذمہ داری بھی حکومت برطانیہ کے فرائض میں شامل ہے۔ اس سلسلے میں سمجھتا ہوں کہ افغانستان کی حکومت ضرور حیران ہوگی کہ یہ وہ وقت تھا جب جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا اور روس پسپا ہوتے ہوئے تقریباً ماسکو تک پہنچ گیا اور انگریز کی یہ تسلی ہو گئی کہ جرمنی نے پورے یورپ کو مکمل طور پر فتح کر لیا ہے اور اگر روس کو جرمنی کے ہاتھوں شکست ہوئی ہے تو یقیناً روس کی طرف سے وہ خطرہ نکل جاتا ہے جس کے روکنے کے لئے برطانوی پالیسی وفاقاً قائم رہتی۔ علاوہ ازیں جب اس دوران جاپان نے تمام برطانوی نوآبادیوں کے بعد دیکرے فتح کر لیں اور برما کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے کلکتہ پر بمباری کی۔ تب تو واقعی انگریز کے اوسان خطا ہوئے اور یہ کہ انگریز نے از خود حکومت افغانستان کو یہ تحویز پیش کی کہ وہ برطانوی تخت سے ان عداوتوں کا مطالبہ کرے جو 1893ء کے معاہدے کے تحت انگریز نے صوبہ سرحد اور ہوشستان کے نام سے افغانستان سے کاٹ کر اپنی نوآبادی میں شامل کر لئے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ انگریز از خود یہ علاقے افغانستان کے حوالے کرنے کے لئے بیتاب تھا۔ مگر آج وہی انگریز ہیں اب چونکہ جرمنی جنگ ہار چکا اور وہاں جاپان بھی شکست کھا چکا اور جب یہ دونوں خطرے باقی نہ رہے تو آج انگریز کی پالیسی پھر سے بدل گئی اور چونکہ فتح روس کی ہو گئی تو اس اشتراکی خطرے کی دوبارہ تجدید کی ضرورت پڑی اور پھر سے ڈیورنڈ لائن کے تقدس اور بین الاقوامی سرحدات کے تحفظ کا مسئلہ اٹھایا گیا۔ ظاہراً تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریز کو پاکستان کے استحکام اور سالمیت کی فکر تھی مگر حقیقت میں وہ سب کچھ اپنے سامراجی مفادات کے تحفظ کے لئے کر رہا تھا تاکہ افغانستان کی حیثیت ایک بفر ٹیسٹ تک محدود رہے اور انگریز اپنی وہی پرانی روس خلاف پالیسی کو پاکستان کے ذریعے آگے لے جانے کی کوشش کر کے اس وراثت

کے سلسلے میں مجھے ایک بات یاد آگئی۔ ”یہاں صوبہ سرحد میں جب مسلم لیگ کے نام سے ایک سیاسی پارٹی میدان میں نکل آئی۔ تو اگرچہ نام تو اسلام کا لیتے رہے۔ مگر سیاست کے اخلاق اور آداب تو ایک طرف ان کے بعض لیڈران انسانیت کے دائرے سے بھی نکلے ہوئے تھے۔ اسلام کا مقام تو بہت اونچا ہے چونکہ خدائی خدمتگاروں کے خلاف ان لیڈران کرام کے پاس کوئی معقول دلیل تو تھی نہیں اور چونکہ خدائی خدمتگار ملک کی آزادی کی خاطر کانگریس کے ساتھ اتحادی تھے اس لئے اس قومی و ملکی خدمت اور قربانی کو زائل کرنے کی غرض سے یہ مسلم لیگی حضرات یہی کہتے رہے کہ چونکہ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے اس لئے یہ خدائی خدمتگار ہندوؤں کے ایجنٹ ہیں۔ وہی انگریز سرکار ج کنگھم والا فتویٰ کہ چونکہ ہندو اہل کتاب نہیں ہے اور مشرک ہے اور چونکہ خدائی خدمتگار اپنی ملکی آزادی اور انگریز کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے کانگریس کا ساتھ دے رہا ہے تو اس لئے یہ تعاون انگریز کو کفر کے ساتھ تعاون سے مترادف تھا اور اسی لئے مسلم لیگ بھی وہی کنگھسی فتویٰ لے کر خدائی خدمتگاروں پر یہ الزام لگاتے تھے کہ یہ کافروں کے ساتھی ہیں۔ بعضے مسلم لیگی لیڈران اس کفر کے فتویٰ سے بھی شریعہ تجاوز کر جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ساتھی اور کیبنٹ کے علاوہ تو بات یہاں تک پہنچ جاتی تھی کہ وہ خدائی خدمتگاروں کو ہندوؤں کے بچے کہا کرتے تھے۔ مگر جب پاکستان بننے کے سلسلے میں مسلم لیگ نے فرقہ وارانہ فسادات کروائے اور غیر مسلموں کو یہاں سے بھگایا اور متروکہ جائیدادوں میں بٹنگے، کولھیاں، تجارتی ادارے اور کارخانے رو گئے تو وہ جائیدادیں انہی مسلم لیگی لیڈران کرام نے قبضے میں لے لئے ان کو یہ اپنا حق سمجھتے تھے۔ تو میں اس وقت ان مسلم لیگیوں کو یہ کہا کرتا تھا کہ یہ عجیب منطق ہے کہ جب ہم ملک کی آزادی کی خاطر کانگریس کے ساتھ مل کر انگریز کے خلاف جدوجہد میں نکل جاتے ہیں تو یہ بے ہمت مسلم لیگی ہمیں ہندوؤں کے بچے کا طعن دیتے ہیں مگر آج جب کہ ہندوؤں نے کروڑوں اربوں روپے کی جائیدادیں پیچھے چھوڑی ہیں تو اس پر قبضہ کرنے کے لئے مسلم لیگی لیڈران آگے آئے اور یہ حق اپنا جتاتے ہیں تو میں کہا کرتا تھا کہ دنیاوی اور دینی دونوں قوانین کے تحت باپ کی جائیداد کے حقیقی وارث ان کے بچے ہوتے ہیں تو چلیں آج اس بات کی نشاندہی کریں کہ ہندوؤں کی مدللارڈ ماؤنٹ بیٹن کی 7 جولائی 1947ء کی یادداشت جس کا حوالہ معروف دانشور ڈاکٹر منظور احمد نے بھی نوائے وقت 25 اگست 2008ء کی ایک تحریر میں دیا ہے اس کی رو سے لارڈ لکنے ہیں کہ مشرق وسطیٰ کے کل کے ذخائر کی دفاعی منصوبہ بندی کے لئے سندھ، مغربی پنجاب اور بلوچستان اہمیت کے حامل ہیں صوبہ سرحد کا مقابلہ کرنے کے لئے کراچی کی بندرگاہ تمام ملکوں سے رابطہ کا ذریعہ اور دفاعی مہرچہ ہے بلکہ منگلی سے گھرے ان سمندر راستوں کی حفاظت فاسن بھی ہے جہاں ہمدردی فوجیں اتر سکتی ہیں۔ دولت مشترکہ برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لئے مشرق وسطیٰ میں اپنے حساس مفادات کے تحفظ کا سب سے زیادہ مناسب اور محفوظ مقام پاکستان کی سرزمین ہے۔

چھوڑی ہوئی جائیدادوں پر حقوق دعویٰ کون کر رہا ہے خدائی خدمتگار کہ مسلم لیگ؟؟؟ تو یقیناً یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس کسی کے پاس بھی ہندو کی اجازت ہوگی وہی اس ہندو کا حقیقی وارث تصور کیا جائے گا اور وہی اس دعوے میں حق بجانب ہوگا کہ وہ چونکہ ہندو کا بچہ ہے اس لئے اس کی جائیداد کا حقیقی وارث ہے۔ عجیب منطق ہے جب ملک کی آزادی کی خاطر انگریز کے خلاف جدوجہد اور قربانی کا موقع ہو تو اس وقت خدائی خدمتگاروں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ ہندوؤں کے بچے ہیں مگر انہی ہندوؤں کی جائیداد کی وراثت کا مسئلہ چھڑ جاتا ہے تو پھر یہی مسلم لیگی چیختے ہیں ہندوؤں کے حقیقی وارث تو یہ ہیں تو اب یہ فیصلہ ہم مسلم لیگوں پر چھوڑتے ہیں کہ ہندوؤں کے اصلی بچے وہ ہیں یا خدائی خدمتگار۔

اس طرح انگریز کی وراثت کے اس مسئلے کو لے لیجئے۔ آخر مسلم لیگ کے پاس کون سا جواز ہے کہ وہ اپنے آپ کو انگریز کا حقیقی وارث ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے کیا اس وراثت کو حاصل کرنے کے لئے مسلم لیگ نے کوئی تحریک چلائی ہے کوئی جدوجہد کی ہے کوئی قربانی دی ہے آج اگر کانگریس اپنے آپ کو ہندوستان میں انگریز کا حقیقی جانشین ہونے کا دعویٰ کرتی ہے تو اس کانگریس نے اس آزادی کے حصول کے لئے بیس بہا قربانیاں دیں۔ ہزاروں عورتوں مردوں نے جانیں تک قربان کی ہیں لاکھوں جیلے کارکن جیلوں میں رہے اور سالہا سال کی مسلسل قربانیوں کے بعد وہ آزادی انہوں نے انگریز سامراج سے چھین لی مگر پاکستان کی حکمران جماعت مسلم لیگ کا کیا رول رہا ہے وہ تو انگریز کا حلیف رہا اور انگریز اور کانگریس کے مقابلے میں وہ برابر انگریز کا ساتھ دیتا رہا اور ملکی آزادی کی خاطر قربانی تو کجا وہ تو ان تمام تحریکوں کا مخالف رہا جو کہ ملکی آزادی کے لئے جدوجہد کرتی رہیں اور یہ انگریز نوآزی صرف کانگریس کے مقابلے میں نہیں بلکہ مسلم لیگ ان تمام مسلمان تنظیموں کی بھی مخالفت کرتا رہا۔ جو انگریز کے خلاف صف آراء تھے۔ وہ دیوبند کے علماء کرام اور باعمل عالموں کا بھی مخالف تھا اور ان کے زعماء کو اپنی مخصوص مسلم لیگی زبان میں گالی گلوچ تک دینے میں بھی تامل محسوس نہیں کیا۔ اسی طرح ان مسلمانوں کی حیثیت بھی مسلم لیگ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھی جو مسلمان اپنی آزادی کے لئے قومی تحریک میں شامل تھے بلکہ انگریز سے ہمیشہ یہ منوانے کی کوشش کرتا رہا۔ کہ وہ یہ تسلیم کرے کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت صرف مسلم لیگ ہے اس لئے بات یہاں پر آ کر رکتی ہے کہ چونکہ اس سرزمین کو انگریز کی غلامی سے نجات دلوانے میں مسلم لیگ کا کوئی رول نہیں رہا اور چونکہ اس جائیداد کو حاصل کرنے میں مسلم لیگ نے کوئی قربانی نہیں دی اور نہ جدوجہد کی بلکہ مسلم لیگ کا مکمل تعاون اپنے آقا انگریز کے حق میں رہا۔ اس لئے مسلم لیگ کی وراثت کا مسئلہ جائیداد کے لئے قربانی اور جدوجہد پر نہیں صرف انگریز کی وراثت پر ہے تو اس لئے مسلم لیگ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا اور وراثت کے سلسلے میں یہ بھی دلیل ماننے پر مجبور ہوگی کہ مسلم لیگی اس قسم کی وراثت کا دعویٰ کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ

انگریز کے حقیقی وارث یا بالالفاظ دیگر ان کے حقیقی اولاد ہیں۔

اس مسئلے کو یہیں چھوڑ دیتے ہیں اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ پاکستان کے قیام کے بعد مسلم لیگ اور انگریز کی مخالف سیاسی جماعت پر کیا گزری۔ ان خفیہ دستاویزات اور تاریخی حقائق کی روشنی میں ان تمام واقعات کا تاریخی جائزہ لیا جائے گا اور اس حقیقت پر بھی بحث کی جائے گی کہ دوم جنگ عظیم کے نتیجے میں کس طرح انگریز کی نوآبادیاتی قوت کا خاتمہ ہوا اور کس طرح اس سامراجی قوت انگریز نے با امر مجبوری یہ تمام پالیسیاں تب امریکہ کے حوالے کر دیں اور پھر اس پر تفصیل سے بحث کی جائے گی کہ کس طرح بین الاقوامی سیاست میں مسلم لیگ اپنی دیرینہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے نئے آقا امریکہ کے سامراجی اور سرمایہ دارانہ نظام کے قیام کے سلسلے میں اپنی قوت استعمال کرتی رہی اور یہ امر تسلی کا باعث ہے کہ جس طرح انگریز نے اپنی انتہائی پراسرار خفیہ دستاویزات اپنی لائبریری میں عوام کے لئے رکھ چھوڑی ہیں بعینہ اس طرح امریکہ کی خفیہ دستاویزات بھی موجود ہیں جو میرے ہاتھ لگی ہیں۔ تاریخ کے طالب علم اور ایک قوم پرست پاکستانی کے لئے اس میں کافی مواد موجود ہے انشاء اللہ اگلی تصنیف میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

☆.....☆☆☆.....☆



فکشن ہاؤس



لاہور • حیدرآباد • کراچی

[f @fictionhousepublishers](https://www.facebook.com/fictionhousepublishers) www.fictionhouse.com.pk

ISBN 978-969-562-673-6



Scanned by CamScanner